(29)
شانِ صحابہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین
افادات:
حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ
ترتیب
جناب حضرت محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہم
مجاز بیعت
مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع قدس سرہ
وحضرت اقدس حاجی محمد شریف صاحب قدس سرہ
اِدارہ اِسلامیات کراچی لاہور

شانِ صحابہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

افادات:

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

ترتیب

جناب حضرت محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہم

مجاز بیعت

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع قدس سرہٗ

وحضرت اقدس حاجی محمد شریف صاحب قدس سرہٗ

پہلی بار۔شعبان ۱۴۲۴ھ،اکتوبر ۲۰۰۳ء۔
باہتمام۔اشرف برادرن سلمہم الرحمان
ناشر:ادارہ اسلامیات کراچی لاہور

پبلشرز بک سیلرز ایکسپورٹرز

☆ادارہ اسلامیات موہن روڈ، چوک اردو بازار کراچی فون ۷۷۲۲۴۰۱
☆ادارہ اسلامیات ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔ پاکستان فون ۷۵۳۲۵۵
☆ادارہ اسلامیات دینا ناتھ منشن مال روڈ، لاہور فون ۷۳۲۴۴۱۲

ملنے کے پتے:۔

ادارۃ المعارف : ڈاک خانہ دارالعلوم کراچی ۱۴
مکتبہ دارالعلوم : جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴
دارالاشاعت : ایم اے جناح روڈ کراچی نمبر ا
بیت القرآن : اردو بازار کراچی نمبر ا
بیت الکتب : نزد اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک نمبر ۲ کراچی
بیت العلوم : ۲۶ نابھہ روڈ لاہور
ادارہ تالیفات اشرفیہ : بیرون بوہڑ گیٹ ملتان شہر
ادارہ تالیفات اشرفیہ : جامع مسجد تھانیوالی ہارون آباد بہاولنگر

فہرستِ مضامین

حرفِ آغاز ۱۵
تعارف ۱۷

حصۂ اوّل
حضراتِ صحابہ وخلفائے راشدینؓ
کی عظمت، رفعت اور جلالتِ شان ۱۹

شانِ صحابہؓ آیاتِ قرآنی کی روشنی میں ۲۱
شانِ صحابہؓ احادیثِ نبویہ ﷺ کی روشنی میں ۲۴
حضراتِ صحابہؓ سب کامل تھے ۲۶
حضراتِ صحابہؓ کا اندازِ تعظیم ۲۷
حضراتِ صحابۂ کرامؓ کو علم خالص حاصل تھا ۲۷
صحابیؓ کا قول بھی حجت ہے ۲۹
مجتہد پر صحابیؓ کی تقلید واجب ہے ۳۰
حضراتِ صحابہؓ حضور ﷺ کے مزاج شناس تھے ۳۱
مسلکِ صحابہؓ ۳۲
حضراتِ صحابہؓ کا ادب ۳۲
صحابہ کرامؓ کی کامیابی کا راز ۳۳
حضراتِ صحابہؓ نے عشق ومحبت دونوں کو جمع کیا ۳۳
حضراتِ صحابہؓ کے علوم عمیق تھے ۳۴
حضراتِ صحابہؓ اور تبلیغ اسلام ۳۴
حضراتِ صحابہؓ کے زمانے میں تدوینِ فقہ کیوں نہیں ہوئی ؟ ۳۴
صحابہؓ کو حضور اکرم ﷺ کے وصال کا وسوسہ بھی نہ آتا تھا ۳۵
حضراتِ صحابہؓ جامع اضداد تھے ۳۶
حضراتِ صحابہؓ کا کمال عقل ۳۶

حضرات صحابہؓ کے قلبی جذبات ۳۷
صحابہ کرامؓ میں خیر ہی کا غلبہ تھا ۳۷
بعض صحابہ کرامؓ سے کبائر کے صدور کا سبب ۳۷
صحابیت کا وصف سب معاصی کو مٹانے والا ہے ۴۱
غیر صحابی، ادنی سے ادنی صحابیؓ کے برابر بھی نہیں ہو سکتا ۴۱
حضراتِ صحابہؓ کی وجہِ فضیلت ۴۲
صحابۂ کرامؓ کے بارے میں امام اعظمؒ کا ارشاد ۴۳
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ارشاد ۴۴
حضراتِ صحابہؓ نفسانیت سے پاک تھے ۴۴
حضرات صحابہؓ اور وفور علم ۴۴
متکلمین کے مباحث اور دورِ صحابہؓ ۴۵
حضرات صحابۂ کرامؓ نیکی میں سبقت کرنے والے تھے ۴۵
حدیث ''ماأنا علیه وأصحابی'' کا مفہوم ۴۷
حضرات صحابہؓ کا احسان تمام امت کے کندھوں پر ہے ۴۷
حضراتِ صحابہ کرامؓ کو تفصیلی سلوک طے نہیں کرنا پڑا ۴۸
حضراتِ صحابہؓ اور ذکر ۴۸
حضرات صحابہ کرامؓ کے صاحب کمال ہونے کا راز ۴۹
مقامِ صحابہ ۴۹
صحابہؓ کا عشقِ رسول ﷺ ۵۲
حضرات صحابہؓ کا خلوص ۵۳
امور دنیوی سے بے خبری نقص نبوت نہیں ۵۴
صحابہؓ کی محبت حضور ﷺ سے ۵۴
حضراتِ صحابہؓ کے مکالمات اور مناظرات کا مقصد وضوح حق تھا ۵۶
حضرات صحابہؓ کا فہم ۵۸
سیاست اور انتظام صحابہؓ ۵۸

صحابہؓ کی کیفیت پر ایک شعر	۵۹
حضراتِ صحابہؓ میں بناوٹ نہ تھی	۵۹
حضراتِ صحابہؓ کے مسکرانے کا سبب	۵۹
صحابہؓ کے نزدیک دنیا کی حقیقت	۶۰
صحابہؓ کی بے تکلفی	۶۰
ترقیِ دین صحابہؓ کا مطمع نظر تھا	۶۱
حضرات صحابہؓ کا طرز زندگی	۶۲
حضرات صحابہؓ کا ہرقل کو جواب	۶۳
امیری کی ماہیت	۶۴
حضراتِ صحابہؓ کو سادگی محبوب تھی	۶۴
ہمارے سلف کا فقر اختیاری تھا	۶۶
حضرات صحابہؓ کا فقر	۶۶
حضور اکرم ﷺ صحابہؓ کو تسلی دیتے تھے	۶۷
صحابہ کرامؓ کی حضور ﷺ سے سچی محبت کے چند واقعات	۶۸
صحابہ کرامؓ کی عجیب شان	۷۲
فضیلتِ صحابہؓ کی ایک بلیغ مثال	۷۳
حضراتِ صحابہؓ حضور اکرم ﷺ کے عاشق تھے	۷۴
صحابہؓ کی اولوالعزمی	۷۸
مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں ایک شبہ کا جواب	۸۰
کسی صحابی سے گناہ کے صدور پر بھی ان کی غیبت جائز نہیں	۸۰
مشاجراتِ صحابہؓ کا سبب	۸۱
ہمارے لئے تعظیمِ صحابہؓ ضروری ہے	۸۳
فرسودہ تاریخ	۸۴
صحابہؓ کی لغزشیں سب معاف ہیں	۸۵
مشاجرات صحابہؓ کا نہایت قابل اطمینان جواب	۸۵

صحابہؓ کی جان نثاری ٨٦

صحابہؓ کی اطاعت اور انقیاد کی ایک عجیب حکایت ٨٧

حضرات صحابیاتؓ کی عجیب شان ٨٨

ولی کا صحابہؓ کے برابر نہ ہونے کا راز ٨٨

شان خلفائے راشدینؓ ٩١

شانِ حضرت صدیق اکبرؓ ٩١

صدیق اکبرؓ کو حضور ﷺ کا قرب خاص حاصل تھا ٩٢

حضرت صدیق اکبرؓ کو حضور ﷺ سے فنائے تام کا تعلق تھا ٩٦

حضرت صدیق اکبرؓ کی کمال فہم ٩٧

مقام فنا فی الرسول ﷺ ٩٨

حضرت صدیق اکبرؓ کو جنت کے ہر دروازے سے بلایا جائے گا ٩٩

خلافت ملتے ہی حضرت صدیقؓ کو تین امور درپیش تھے ١٠٠

مقام ابوبکرؓ ١٠١

مقام ابوبکر و عمرؓ ١٠٢

ارشاداتِ حضرت صدیق اکبرؓ ١٠٣

خلافت کو حضرت عمرؓ کی ضرورت ١٠٣

محاسبۂ نفس ١٠٣

شان فاروق اعظمؓ ١٠٣

کسریٰ کے خزائن مفتوح ہونے پر حضرت عمرؓ کی دعا ١٠٤

حضرت عمرؓ کی خشیت خداوندی ١٠٦

حضرت عمرؓ کا دبدبہ ١٠٦

عمرؓ مرادِ رسول ﷺ ١٠٩

حضرت عمرؓ کا فتح بیت المقدس ١١٠

حضرت عمرؓ اور تائید غیبی ١١٢

حضرت عمرؓ کا مصیب الرائے ہونا ١١٢

حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت علیؓ کا ایک دلچسپ مکالمہ ۱۱۳
حضرت ابوبکرؓ کا حضرت عمرؓ کو خلافت کیلئے نامزد کرنا ۱۱۴
امیر المؤمنین کی اہلیہ کی ایک عورت کے وضع حمل میں خدمت ۱۱۵
حضرت عمرؓ کی رعایا کی خبر گیری ۱۱۶
حضرت عمرؓ کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ کا خواب ۱۱۷
امیر المؤمنین سیدنا عمرؓ کا زہد ۱۱۷
حضرت فاروق اعظمؓ کا ذوقِ اجتہاد ۱۱۷
حضرت عمرؓ کا ایفائے عہد ۱۲۱
حضرت فاروق اعظمؓ کے کرتے میں اکیس پیوند ۱۲۲
حضرت عمرؓ کا اپنے اعزہ کو عہدہ نہ دینا ۱۲۲
واقعۂ قرطاس اور حضرت عمرؓ ۱۲۲
حضرت عمرؓ کی تواضع ۱۲۳
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غایت تواضع ۱۲۴
رعایا کے قلوب میں حضرت عمرؓ کی عظمت ۱۲۵
حضرت عمرؓ کا دریائے نیل کے نام رقعہ ۱۲۵
حضرت عمرؓ کا نماز میں انتظام لشکر کشی ۱۲۶
حضرت عمرؓ اور پابندئ شریعت ۱۲۷
جبلہ بن ایہم غسانی اور عدلِ فاروقی ۱۲۹
ارشادات حضرت عمرؓ ۱۳۱
حضرت عمرؓ کا اپنے خاندان سے خطاب ۱۳۱
حضرت عمرؓ نے سارے ملک کو درسگاہ بنا دیا ۱۳۱
مزاح سے وقار ختم ہو جاتا ہے ۱۳۲
حضرت عمرؓ اور علاج غرور ۱۳۳
حضرات شیخینؓ اور حضرات حسنینؓ کی عمر ۱۳۳
شان حضرت عثمانؓ ۱۳۴

حضرت عثمان غنیؓ کا صبر	۱۳۴
حضرت عثمانؓ کی سخاوت کا ایک واقعہ	۱۳۴
حضرت عثمانؓ کا حفظِ نظم	۱۳۵
حضرت عثمانؓ کا قبر پر رونے کا سبب	۱۳۶
حضرت علیؓ کی شان	۱۳۷
حضرت علیؓ کے واسطے حضور ﷺ کی دعا	۱۳۷
حضرت علیؓ کو تعلق مع اللہ کی سلطنت حاصل تھی	۱۳۸
افتخار ہر نبی و ہر ولی	۱۳۸
حضرت علیؓ کا اپنے خیالِ عجب کا علاج	۱۳۹
حضرت علیؓ کی ذکاوت	۱۳۹
درزخ کے عذاب کا ثبوت	۱۴۰
حضرت علیؓ کی ایک عجیب حکایتِ عدل	۱۴۱
حضرت علیؓ کی زرہ چوری ہونے کا واقعہ	۱۴۲
حضرت علیؓ کی قبر کا نشان مٹانے میں حکمت	۱۴۳
ارشادات حضرت علیؓ	۱۴۳
بلوغ کے بعد حق سبحانہ وتعالی کی مغفرت ہوتی ہے	۱۴۳
جبر و اختیار کے بارے میں حضرت علیؓ کی تحقیق	۱۴۳
بندہ کا ارادہ کچھ نہیں	۱۴۴
حضرت علیؓ اور فہم قرآن	۱۴۴
حضرت علیؓ کا خطبۂ بے الف	۱۴۴
حضرت علیؓ کے دو شعر	۱۴۵
فضیلت حضرت معاویہؓ	۱۴۵
حضرت علی و معاویہ کی مشاجرت کے درپے ہونا غلطی ہے	۱۴۵
نکاح کے قصہ سے مشاجراتِ صحابہؓ کی حقیقت سمجھ میں آنا	۱۴۶
حضرت معاویہؓ کا دسترخوان اور ایک اعرابی	۱۴۷

حضرت معاویہؓ سے متعلق ایک خواب ۱۴۷
حضرت معاویہؓ کو برا کہنے کی مذمت ۱۴۸
حضرت حسنؓ کا کثیر النکاح ہونا ۱۴۹
حضرت ابن عمرؓ کا عہدۂ قضا سے انکار کرنا ۱۴۹
عظمتِ حضرت بلالؓ ۱۵۰
حضرت ابوذر غفاریؓ ناقص ہرگز نہ تھے ۱۵۳
حضرت ابوذرؓ کا قصہ ۱۵۴
حضرت طلحہؓ کی غیرت کا ایک قصہ ۱۵۶
حضرت وحشیؓ کی اطاعت کا قصہ ۱۵۷
حضرت وحشیؓ کے قصہ پر ایک شبہ اور اس کا جواب ۱۵۷
زاہر صحابیؓ کی حکایت ۱۵۹
حضرت ابی بن کعبؓ کی حالت عشق ۱۶۰
حضرت علاء بن الحضرمیؓ کی قوت ایمانی ۱۶۰
حضرت حنظلہؓ کی انکساری ۱۶۱
حضرت خالدؓ اور ان کے حامیوں کی اولوالعزمی ۱۶۲

حصہ دوم

کراماتِ صحابہؓ ۱۶۵

عرضِ ناشر ۱۶۶
تقریظ حکیم الامت ۱۶۷
از مؤلف ۱۶۸
کراماتِ سیدنا ابوبکر صدیقؓ ۱۷۱
کراماتِ سیدنا فاروقِ اعظمؓ ۱۷۹
کراماتِ سیدنا عثمانؓ ۱۹۴
کراماتِ سیدنا علیؓ ۱۹۸

کراماتِ سیدنا امام حسینؓ ۲۰۷
کراماتِ سیدنا امام حسنؓ ۲۱۲
کراماتِ سیدنا سعد بن معاذؓ ۲۱۵
کراماتِ حضرت خبیبؓ ۲۲۰
کراماتِ حضرت عاصمؓ ۲۲۲
کراماتِ حضرت انسؓ ۲۲۳
کراماتِ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ۲۲۴
کراماتِ حضرت حنظلہؓ ۲۲۶
کرامت ایک انصاری صحابیؓ کی ۲۲۹
کراماتِ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ۲۳۰
کراماتِ حضرت اسید بن حضیر و عباد بن بشیرؓ ۲۳۱
کرامات پدرِ حضرت جابرؓ ۲۳۲
کرامتِ بعض صحابہؓ ۲۳۳
کرامت حضرت سفینہؓ ۲۳۴
کراماتِ سیدتنا ام المؤمنین عائشہؓ ۲۳۵
کراماتِ سیدتنا حضرت خدیجہؓ ۲۳۷
کراماتِ سیدۃ النساء فاطمہ الزہراؓ ۲۴۰
ایک صحابی کی کرامت ۲۴۵
کرامتِ حضرت اسید بن حضیرؓ ۲۴۶
کرامتِ بعض اصحاب النبی ﷺ ۲۴۸
کرامتِ حضرت ابوہریرۃؓ ۲۴۹
کرامتِ حضرت ربیعؓ ۲۴۹
کراماتِ حضرت علاء بن الحضرمیؓ ۲۵۱
کرامتِ حضرت زید بن خارجہؓ ۲۵۳
کرامتِ حضرت ابو واقد اللیثیؓ ۲۵۴

کرامتِ حضرت سہل بن حنیفؓ ۲۵۵
کرامتِ حضرت ابو بردہؓ ۲۵۵
کرامتِ حضرت سہل بن عمرؓ ۲۵۵
کرامتِ حضرت اسامہ بن زیدؓ ۲۵۶
کرامتِ زن صالحہؓ ۲۵۶
کرامتِ حضرت ثابت بن قیسؓ ۲۵۷
کرامتِ حضرت سعید بن زیدؓ ۲۵۷
کراماتِ حضرت سلیمان وابودرداءؓ ۲۵۸
کرامتِ حضرت ابوذر غفاریؓ ۲۵۹
کرامتِ حضرت عمران بن حصینؓ ۲۶۰
کراماتِ حضرت حارث بن ابی کلدہؓ ۲۶۰
کرامتِ حضرت بلال بن امیہؓ ۲۶۱
کرامت حضرت خالد بن ولیدؓ ۲۶۳
کرامتِ حضرت عامر بن فہیرہؓ ۲۶۳
کرامت ایک جن صحابیؓ کی ۲۶۴

حصۂ سوم
مخالفین صحابہؓ

۲۶۹
تحریفِ قرآن کا عقیدہ صریح کفر ہے ۲۷۱
خارجی اور رافضی کے پیچھے نماز کا حکم ۲۷۱
علی مشکل کشا کہنے کا حکم ۲۷۲
حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ کرم اللہ وجہہ لکھنے کا سبب ۲۷۳
برصغیر پاک و ہند پر شیعوں کا اثر ۲۷۳
شیعوں کے ایک مسئلہ پر حضرت نانوتویؒ کی ظرافت ۲۷۴
سنیوں اور شیعوں میں ایک بڑے اختلافی مسئلہ کا حل ۲۷۴

تبرائی مذہب ۲۷۵
رافضیہ کا حکم مرتدہ کا سا ہے ۲۷۵
کیا تعزیہ توڑنا جائز ہے؟ ۲۷۵
رافضیوں کی ایک ناپاک حرکت ۲۷۶
یہود و نصاریٰ سے خیر الامت اور شیعوں سے شر الامت کے سوال کا جواب ۲۷۶
گریہ وزاری کا سامان ۲۷۶
شیعوں کے سوالات کی واپسی ۲۷۷
لی خمسة کے تعویز کا مضمون شرک ہے ۲۷۷
نادِ علی کا مضمون شرک ہے ۲۷۸
دو نوابوں کا شیعیت سے تائب ہونا ۲۷۸
تفصیلی واقعہ ۲۷۹
دینِ حق مذہبِ اہلِ سنت والجماعت ہے ۲۸۲
لکھنو میں مدحِ صحابہؓ کی مجالس ۲۸۵
میر منصب علی مرحوم پر مذہب حق واضح ہونے کا واقعہ ۲۸۹
حضراتِ صحابہؓ کے پتلے نکالنے والوں کو سزا ۲۹۱
نئے نئے فرقے شیعوں میں کیوں نہیں بنتے؟ ۲۹۱
شیعہ رہ کر حضرت حکیم الامت سے استفادہ ناممکن تھا ۲۹۲
حضرت علیؓ کے کلام پاک سے مذہب اہل سنت کی حقانیت کا ثبوت ۲۹۲
ایک شیعی کی مبالغہ آمیز حماقت کا بیان ۲۹۳
حضرت علیؓ کی صحیح عظمت اہلِ تشیع نے نہیں پہچانی ۲۹۳
خلفاء ثلاثہ مستحق شکر ہیں ۲۹۴
اہل تشیع کا اپنا مذہب مردہ ہونے کا اعتراف ۲۹۴
مجالس شیعہ میں شرکت کی ممانعت ۲۹۷
مجلس شیعہ میں حضرت اسماعیل شہیدؒ کا وعظ ۲۹۷
خواص اہل تشیع گمراہ تر ہیں ۳۰۰

حضرت عمرؓ کی دین حق کی نصرت وحمایت	۳۰۳
خلفائے راشدین کا بطور لطیفہ ثبوت	۳۰۳
اہل سنّت کے دلائل محض لطائف پر مبنی نہیں	۳۰۴
کیا شیعہ حافظ قرآن ہوسکتا ہے؟	۳۰۵
تراویح میں قرآن سنانا بقائے حفظ کا سامان ہے	۳۰۶
عظمت حسینؓ پر وعظ حکیم الامتؒ	۳۰۸
اسلام اور کفر کی لڑائی	۳۰۹
حکایت علی نقی خان	۳۱۰
باطل عقیدہ رکھنے والے سید کی مثال	۳۱۱
اہل تشیع کا ایک عقیدۂ فاسد	۳۱۲
سعادت علی خان کا اہل تشیع کو منصفانہ جواب	۳۱۲
حکایت ملا دو پیازہ اور مجتہد ایران	۳۱۳
ایک شیعی مجتہد کا دعوت مناظرہ قبول فرمانا	۳۱۵
شیعی تھانے دار کے لڑکے کی تھانہ بھون کیلئے دعا کروانا	۳۱۶
بغیر عمل کے رونا نحوست ہے	۳۱۷
روافض کے اعتراضات کے جوابات	۳۱۷
بروقت وصال حضور ﷺ کا قلم دوات مانگنا	۳۱۷
اس شبہ کا جواب کہ حضرت علیؓ کو اول خلیفہ ہونا چاہئے تھا	۳۱۸
ازواج مطہرات بھی اہل بیت میں داخل ہیں	۳۲۲
اس شبہ کا جواب کہ حضرت علیؓ کے علوم سینہ بسینہ ہیں	۳۲۴

حصۂ چہارم

حضرات صحابہؓ سے متعلق پیدا ہونے والے اشکالات کے جوابات

حضرات صحابہؓ سے متعلق پیدا ہونے والے اشکالات کے جوابات	۳۲۹
نکاح سنیہ با شیعی	۳۳۱

تفصیل نکاح زن سنیہ با شیعہ ۳۳۳
نکاح سنیہ با شیعہ ۳۳۶
توارث سنی و شیعی ۳۳۷
شبہات بر تکفیر شیعہ ۳۳۸
نقل فتویٰ موعودہ آغاز خط بالا ۳۴۲
حضرت حسینؓ کو سید الشہداء کا لقب ۳۴۶
جواب دیوبند ۳۵۱
تنقید بر رسالہ تحریف قرآن کی حقیقت ۳۵۲
تحریف شیعہ ۳۵۲
جواب شبہ بر حدیث منع علیؓ از ازدواج بر فاطمہؓ ۳۵۷
حضرت معاویہؓ کا صحابی ہونا اور ان کی تعظیم و تکریم ۳۵۷
بطلان زعم شیعہ در باب امام مہدی ۳۶۰
جواب اشکال سیاست قولیہ عمرؓ برائے علیؓ وغیرہ ۳۶۱
دفع شبہ تقدیم آل بر اصحابؓ ۳۶۳
تحقیق لعن یزید ۳۶۴
معنی عدم کلام فاطمہؓ کہ در فدک واقع شد ۳۶۷
رفض بعض شبہات شیعہ متعلقہ فضائل علیؓ ۳۶۹
شیعوں اور بدعتیوں کے بعض سوالات کے جواب ۳۷۶
جواب استدلال شیعہ بر عصمت ائمہ ۳۸۳
شیعوں کی اذان اور ان کے جواب میں مروج مدح صحابہؓ کا حکم ۳۸۴
غریبہ در تحقیق نکاح سنیہ با شیعی تبرائی ۳۸۵
غریبہ در جواب از مسح ارجل ۳۸۸
اعلان مدحِ صحابہؓ ہر گاہ کہ سبب تبرا شود ۳۸۹

حرفِ آغاز

از مخدومی و مخدوم العلماء والفضلاء
حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب مدظلہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی.

اما بعد:

گزشتہ سو سالوں میں برصغیر کی جس شخصیت نے علمی اور روحانی طور پر حیرت انگیز مجددانہ خدمت انجام دی ہے وہ حکیم الامت، مجدّد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی ذات گرامی ہے۔ ان کی ہمہ گیر علمی خدمات کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ گزشتہ پچاس سال سے صرف ان کی تصنیفات، مواعظ اور ملفوظات سے جو کتابیں تیار کی جارہی ہیں ان سے ایک کتب خانہ وجود میں آگیا ہے۔ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی تصنیفات، مواعظ اور ملفوظات سے اہم دینی موضوعات پر مفید اور جامع انتخاب کرنے والوں میں ہمارے مخدوم و محترم حضرت محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہم و دامت برکاتہم کا نام سرفہرست ہے۔ یہ درویشِ خدامست اگرچہ پاکستان کے ایک غیر معروف قصبہ ''ہارون آباد'' ضلع بہاولنگر میں مقیم ہیں مگر اپنی تصنیفی اور تالیفی خدمات سے انہوں نے پورے برصغیر میں روشنی پھیلا رکھی ہے۔ ان کی نئی کاوش یہ زیر نظر کتاب ہے جو ''شانِ صحابہؓ'' کے نام سے اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس کتاب میں انہوں نے مجددِ وقت حضرت تھانویؒ کی کتابوں اور مواعظ

وملفوظات سے ان اہم دینی مضامین کا انتخاب کیا ہے جن کا تعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے مقدس طبقہ سے ہے۔ طبقہ صحابہ کرامؓ کے فضائل ومناقب، قرآن وسنت کی روشنی میں ان کا مقامِ بلند، ان کی بلند پایہ صفات اور ان کی کرامات کے ساتھ کتاب میں ان شبہات کا بھی جواب ہے جو گستاخ مخالفین اس مقدس طبقہ کے بارے میں پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

امید ہے کہ ''شانِ صحابہؓ '' کے نام سے یہ جامع اور مفید انتخاب ایک خلا کو پُر کرے گا اور اہلِ نظر اس مجموعہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے اور اس کے مجدّ دانہ مضامین سے کما حقہ استفادہ کریں گے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف دام مجدہم کو اپنی بارگاہ سے جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے ایک مجددِ وقت کی اہم تحریرات کو یکجا کر کے بڑی خدمت انجام دی ہے۔

آخر میں احقر عزیز مکرم مولوی اعجاز صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر گزار ہے کہ انہوں نے کمپوزنگ کی تصحیح کے دوران آیات قرآنیہ کی تخریج، مشکل الفاظ کی تشریح اور بعض فارسی، عربی اشعار کا ترجمہ حاشیہ میں درج کر کے کتاب کو آسان اور مفید تر بنا دیا ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ منی خیرا

احقر محمود اشرف غفر اللہ لہ

۲۲۔ رجب ۱۴۲۴ھ

بسم الله الرّحمن الرحيم

تعارف

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم وعلی اٰله وازواجه واصحابه وأولياء ه اجمعين و بارک سلم تسليماً كثيراً كثيراً .

أمابعد:

زیرِ نظر کتاب میں حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے ان ملفوظات کو جمع کیا گیا ہے جن کا تعلق صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے **حصہ اول** میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی عظمت، رفعت اور جلالتِ شان سے متعلق ملفوظات جمع کئے گئے ہیں جن کا مطالعہ ان شاء اللہ تعالیٰ قارئین کے دلوں میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے محبت اور عقیدت میں ترقی اور اضافہ کرے گا۔

حصہ دوم میں رسالہ کرامات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہے جو اپنے موضوع پر بے نظیر اور فردِ فرید ہے جسکا اکثر حصہ خود حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے قلمِ حقیقت رقم سے ہے۔ بقیہ حصہ مولانا سید احمد حسن صاحب سنبھلی رحمہ اللہ تعالیٰ کا رقم فرمودہ اور حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کا نظر فرمودہ ہے۔

حصہ سوم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے مخالفین سے متعلق ہے۔

حصہ چہارم میں حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے متعلق اشکالات کے شافی، کافی اور مدلل حکیمانہ جوابات ہیں۔

دعا ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ ہمیں حضور اکرم ﷺ کے ان مقدس ساتھیوں

سے دلی عقیدت ومحبت نصیب فرمائے۔ اتباع سنت اور ان حضرات کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین

کتاب ہذا کو ناشرین اور احقر کیلئے زاد سعادت ،توشہ آخرت اور فلاح دارین کا سبب بنائے اور ناشرین کو اجر عظیم اور کثیر عطاء فرمادے۔ آمین

نیک دعاوں کا از حد محتاج
بندہ محمد اقبال قریشی غفرلہ

امام وخطیب جامع مسجد تھانیوالی ہارون آباد

﴿ حصۂ اول ﴾

حضراتِ صحابہ وخلفائے راشدین

رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

کی

عظمت، رفعت اور جلالتِ شان

شانِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

حق سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿۱﴾ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ تَرَاھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرَاۃِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ" (الفتح : ۲۹)

"حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں، آپس میں مہربان ہیں۔ اے مخاطب! تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں، کبھی سجدہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ انکے آثار بوجہ تاثیرِ سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔ یہ ان کے اوصاف توریت میں ہیں اور انجیل میں ان کا یہ وصف ہے۔"

﴿۲﴾ "وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الْھُدٰی

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَ تْ مَصِيْراً'' (النساء:۱۱۵)

''اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس پر امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا رستہ چھوڑ کر دوسرے رستے ہو لیا تو ہم اس کو جو وہ کرتا ہے، کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔''

ف نمبرا:۔ آیت میں المؤمنین کا اولین مصداق اصحاب النبی ﷺ کی مقدس جماعت ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

ف نمبر۲:۔ یشاقق الرسول باوجودیکہ دلالت علی المقصود میں کافی ہے مگر یتبع غیر سبیل المؤمنین کے زائد کرنے میں یہ فائدہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی علامت جسے ''دلیل إنّی''(۱) کہتے ہیں، بتلا دی۔ (بیان القرآن)

﴿۳﴾ ''يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ'' (التحریم:۸)

''جس دن کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو اور جو مسلمان ان کے ساتھ ہیں (یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) ان کو رسوا نہ کرے گا۔ ان کا نور ان کے داہنے اور ان کے سامنے دوڑتا ہوگا۔''

ف:۔ مقصود صرف مؤمنین کا بیان کرنا ہے نبی ﷺ کا ذکر ملا دینا تقویتِ حکم کیلئے ہے جیسے عدمِ خزیٔ نبی (۲) یقینی ہے ایسا ہی عدمِ خزیٔ مؤمنین بھی اور خزی سے مراد مخصوص ہے جو کفر کی جزاء ہے یہاں تک حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ایمان کو معیارِ حق قرار دیتے ہوئے نہ صرف نمونہ پیش کرنے کی دعوت دی گئی بلکہ

(۱) دلیل انی ایک منطقی اصطلاح ہے جس کا مطلب ہے معلول کے ذریعے علت پر استدلال کرنا۔ اعجاز غفرلہ (۲) نبی کا رسوانہ ہونا

ان حضرات کے بارے میں لب کشائی کرنے پر نفاق وسفاہت (۱) کی دائمی مہر ثبت کر دی گئی چنانچہ ارشاد ہے:۔

"وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَا اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْا اَنُؤْمِنُ كَمَا اٰمَنَ السُّفَهَاءُ اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلٰكِنْ لَا يَعْلَمُوْنَ" (البقرہ : ۱۳)

"اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی ایمان لے آؤ جیسا ایمان لائے ہیں اور لوگ، تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائیں جیسا ایمان لائے ہیں یہ بیوقوف۔ یادرکھو صرف یہی بیوقوف ہیں۔"

﴿۴﴾ "رضی الله عنهم ورضوا عنه" (البیّنہ، ۸)

"اللہ تعالی ان سے راضی اور وہ اللہ تعالی سے راضی۔"

ف:۔ یہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کے حق میں بشارت ہے۔ ہر مسلمان صحابی کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالی عنہ اور صحابیہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالی عنہا ضرور کہتا ہے۔ ان کے صدق وامانت کے بارے میں حق سبحانہ وتعالی نے ارشاد فرمایا:

"مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا"

(الاحزاب : ۲۳)

"ان مؤمنین میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اس میں سچے اترے اور بعضے ان میں مشتاق ہیں اور انہوں نے ذرا تغیر وتبدل نہیں کیا۔"

---

(۱) بے وقوفی

اور انہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی شان میں یوں ارشاد فرمایا:

”لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ“ (المجادلة، ۲۲)

”جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے شخص سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف ہیں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور ان کو اپنے فیض سے قوت دی ہے اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے یہ لوگ اللہ کا گروہ ہے۔ خوب سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔“

شانِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں

جناب رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿۱﴾ ”اللہ اللہ فی اصحابی، اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضاً من بعدی فمن أحبھم فبحبی أحبھم ومن آذاھم فقد آذانی ومن اذانی فقد آذی اللہ ومن آذی اللہ فیوشک ان یأخذہ۔“ (رواہ الترمذی)

''اللہ سے ڈرو میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں، مکرر کہتا ہوں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے بارے میں، ان کو میرے بعد ہدف تنقید نہ بنانا کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی بنا پر اور جس نے ان سے بدگمانی کی تو مجھ سے بدظنی کی بنا پر۔ جس نے ان کو ایذاء دی اس نے مجھے ایذاء دی اور جس نے مجھے ایذاء دی اس نے اللہ کو ایذاء دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔''

﴿۲﴾ ''لا تسبوا أصحابی فلو أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهبًا ما بلغ مد أحدهم ولا نصيفه'' (بخاری ومسلم)

''یعنی میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو (کیونکہ تمہارا وزن ان کے مقابلے میں اتنا بھی نہیں جتنا پہاڑ کے مقابلے میں ایک تنکے کا ہو سکتا ہے چنانچہ) تم میں سے ایک شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کر دے تو ان کے ایک سیر جو کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کے عشر عشیر کو۔''

﴿۳﴾ ''إذا رأيتم الذين يسبون أصحابی فقولوا لعنة الله علیٰ شرّكم'' (ترمذی)

''جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو بُرا بھلا کہتے ہیں اور انہیں ہدفِ تنقید بناتے ہیں تو ان سے کہو تم میں سے (یعنی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور ناقدینِ صحابہ میں سے) جو بُرا ہے اس پر اللہ کی لعنت۔''

ظاہر ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو بُرا بھلا کہنے والا ہی بدتر ہوگا۔

صحابہ کرامؓ سب کامل تھے

دیکھئے محققین کا مذہب ہے کہ ایمان زیادت ونقص کو قبول نہیں کرتا اور شدت وضعف کو قبول کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضعف کا مقابل شدت ہے نہ کہ زیادت نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ضعف اور نقص ایک نہیں بلکہ دونوں میں فرق ہے۔ پس حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں زائد و ناقص کوئی نہیں بلکہ سب کامل ہیں اور جو کمالات حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں تھے وہ ہر صحابی کے اندر مجتمع ہیں البتہ شدید وضعیف کا فرق ضرور ہے۔ اگر حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ان امور کی قابلیت ہی نہ ہوتی تو حضور اکرم ﷺ کو ان سے منع فرمانے کی ضرورت ہی نہیں تھی (۱) کیونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ رسم پرست تھے نہ جاہل تھے۔ اگر ان میں ان کاموں کی قابلیت ہی نہ ہوتی تو وہ خود ہی یہ کام نہ کرتے کیونکہ عدمِ قابلیت کے ساتھ کسی کام میں ہاتھ ڈالنا یا تو جہالت سے ہوتا ہے کہ اپنی نا قابلیت کی خبر ہی نہ ہو یا رسم پرستی سے ہوتا ہے کہ اپنی ناقابلیت کا علم ہے مگر انکار کرنے میں اپنی ہیٹی سمجھتا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں سے منزہ تھے۔ اگر کسی کام کی قابلیت ان میں نہ ہوتی تو وہ ہرگز اس کام کو ہاتھ نہ لگاتے۔ پس حضورِ مقبول ﷺ کا ان کو منع کرنا اس کی دلیل ہے کہ ان میں قابلیت ضرور تھی مگر آپ نے اس قابلیت سے کام لینا نہیں چاہا بلکہ ''إنی أریک ضعیفاً'' (میں تم کو ضعیف پاتا ہوں) فرما کر اس قوت کو ممنوع الاستعمال کر دیا (اور ہمارا تو اعتقاد یہ ہے کہ اگر بالفرض حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں قابلیت بھی نہ ہوتی اور حضور ﷺ ان سے قضاء وتولیت کا کام لینا چاہتے تو حضور ﷺ کے اس امر کے بعد ان میں معاً قابلیت پیدا ہو جاتی کیونکہ آپ ﷺ کی شان یہ ہے ۔

---

(۱) ایک مرتبہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے قاضی بننے کی خواہش ظاہر فرمائی جس پر آنحضرت ﷺ نے انہیں منع کر دیا۔ اس ملفوظ میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ اعجاز غفر اللہ لہٗ

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(آپ کا فرمانا اللہ کا کہنا ہووے اگرچہ بندے کی زبان سے نکلا ہو)

اور حق تعالیٰ کی شان یہ ہے ؎

دادِ او را قابلیت شرط نیست بلکہ شرط قابلیت دادِ اوست

(اس کے دَین (۱) کیلئے قابلیت شرط نہیں بلکہ قابلیت کی شرط اس کی داد و دہش ہے) (العمرۃ بذبح البقرہ ملحقہ مواعظ راہ نجات ص:۳۷۱،۳۷۲)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اندازِ تعظیم

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین حضور ﷺ کی تعظیم و تکریم کرتے تھے مگر ڈھونگ نہیں بناتے تھے یہاں تک کہ جب حضور ﷺ تشریف لاتے تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تعظیم کو کھڑے بھی نہیں ہوتے تھے۔

(جدید ملفوظات ص ۱۵۵)

کیونکہ حضور ﷺ نے ان کو کھڑے ہونے سے منع فرمایا تھا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو علم خالص حاصل تھا

آنحضرت رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو میرا صحابی آدھا مدّ غلہ خیرات کرے وہ احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنے سے زیادہ ثواب رکھتا ہے۔ اگر اس حدیث کی بنا پر آدھ سیر غلہ کے بدلے آدھ سیر سونا لیا جائے اور اس کی نسبت احد پہاڑ سے دیکھیں تو نسبت معلوم ہوگی کہ کیا ہے اور اگر یہ نسبت اس طرح سے لی جائے کہ بجائے آدھ سیر غلے کے اس کی قیمت لے کر پھر سونے کی قیمت سے موازنہ کیا جائے تو اور زیادہ نسبت حاصل ہوگی اور یہ ثواب کی زیادتی صرف علم و معرفت کی زیادتی سے ہے

---

(۱) عطا

اور اس سے اچھی طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی عبادت اور ہماری عبادت کی نسبت معلوم ہو سکتی ہے۔

بعض لوگ شاید یہ کہیں کہ مولوی بھی عجیب آدمی ہیں کہیں اس حدیث کی علت محبت وخلوص کو بتلاتے ہیں اور کبھی علم ومعرفت کو اور ایک ہی حدیث سے متعدد مواقع پر متعدد کام لیتے ہیں سو واضح ہو کہ محبت وخلوص کا جذبہ بھی علم ومعرفت سے ہی حاصل ہوتا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں پایا جاتا تھا پس ایک ہی چیز ہے خواہ اس کو خلوص سے تعبیر کرو خواہ علم ومعرفت سے۔ خوب کہا ہے۔

عبار اتنا شتی وحسنک واحد وکل إلی ذاک الجمال یشیر

اسی علم ومعرفت سے ان حضرات کو وہ ادراک عطا ہوا تھا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور ﷺ کو اول بار دیکھا تو باوجود یکہ اس وقت وہ خلوص جو بعد صحبت کے میسر ہوا، نہ تھا مگر طلب حق کا جس قدر خلوص تھا اسی کا یہ اثر تھا کہ دیکھتے ہی بول اٹھے ''ھذا لیس بوجہ الکذاب'' (یعنی یہ جھوٹے مدعی نبوت کا چہرہ نہیں)

نور حق ظاہر بود اندر ولی نیک بیں باشی اگر اہل دلی

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

''سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ'' (۱)

تو جب وہ کامل خالص ہو گیا ہو گا تو کیا حال ہو گا۔

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند صاف گر باشد ندانم چہ کند

غرض صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو علم خالص حاصل تھا۔

(تذکرۃ الآخرۃ ملحقہ مواعظ دنیا وآخرت ص ۴۲۴)

---

(۱) نشانی ان کی ان کے منہ پر ہے سجدہ کے اثر سے (حٰم، ۲۹)

قولِ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حجت ہے

اور اس پر سب سے زیادہ عمل کیا ہے امام اعظم ابوحنیفہ (رحمہ اللہ تعالی) نے کیونکہ ان کا قول ہے کہ حدیث موقوف بھی حجت ہے اور مقدم ہے قیاس پر۔ حدیث موقوف اس کو کہتے ہیں جس میں صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی طرف سے ایک حکم بیان کرے جو مُدرَک بالرائے ہو سکے اور حضور ﷺ کی طرف اس کی نسبت نہ کرے۔ اس کو کہا جاتا ہے کہ یہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے ہے، سو امام صاحب (رحمہ اللہ تعالی) اس کے سامنے بھی قیاس کو چھوڑ دیتے ہیں اور بعض فقہائے مجتہدین کہتے ہیں کہ ''ھم رجال و نحن رجال'' (۱) یعنی جب قرآن و حدیث میں اس حکم کے بارے میں کوئی تصریح نہیں ملی تو یہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قیاس ہے تو جیسے وہ قیاس کر سکتے ہیں ایسے ہم بھی قیاس کر سکتے ہیں لھذا اگر وہ قول ہمارے قیاس کے مطابق ہو تو خیر ورنہ ہم کو اپنے قیاس پر عمل کرنا چاہیے۔ ان کا قیاس ہمارے اوپر حجت نہیں جیسے کہ عام قاعدہ ہے کہ ایک مجتہد کا قیاس دوسرے پر حجت نہیں ہوتا۔

مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد تو سب کیلئے حجت ہے جیسا کہ مسلّم ہے لیکن جس امر میں حضور ﷺ کا ارشاد منقول نہ ہو اور اس میں ضرورت ہو اجتہاد کی تو اس اجتہاد میں صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ہم برابر ہیں۔ وہ بھی مجتہد ہیں اور ہم بھی اور ایک مجتہد پر دوسرے کی تقلید ضروری نہیں مگر امام صاحب (رحمہ اللہ تعالی) کا مسلک یہ ہے کہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی تقلید مجتہد پر واجب ہے یعنی اس کا اتباع بلا دلیل (۲) بلفظ دیگر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول بھی حجت ہے اور قیاس اس وقت کیا جاتا ہے جب کوئی دلیل نہ ہو اور قول صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دلیل ہے تو اس صورت میں امام صاحب (رحمہ اللہ تعالی) اپنے قیاس کو چھوڑ دیتے ہیں۔

(الصالحون ملحقہ مواعظ اصلاح اعمال ص ۴۹، ۵۰)

---

(۱) وہ بھی انسان تھے اور ہم بھی انسان ہیں۔ (۲) تقلید کی حقیقت یہی ہے

مجتہد پر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید واجب ہے

اور امام صاحب (رحمہ اللہ تعالی) کے اس مسلک کا مأخذ ”ما أنا علیہ وأصحابی“(۱) کے ظاہر الفاظ ہو سکتے ہیں یعنی جو میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے مسلک کے متبع ہیں تو صحابی کا اتباع بھی ضروری ہوا۔ اتباع مرادف ہے ترجمہ تقلید کا، تو ثابت ہوا کہ تقلید صحابی بھی واجب ہے۔ امام صاحب فرماتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین حضور اکرم ﷺ کے پاس رہنے والے تھے۔ مزاج داں تھے حضور ﷺ کے اشارات کو سمجھتے تھے۔ حضور ﷺ کے مقالات کو سنتے تھے اور ان پر عمل کے مواقع کو جانتے تھے وہ زیادہ سمجھ سکتے ہیں کہ کس موقع پر وہ مقالہ(۲) وجوب کیلئے تھا اور کس موقع پر اباحت کیلئے۔ ان کے ذہن میں مقالات بھی ہیں اور مقامات بھی اور ہمارے پاس صرف مقالات ہیں تو ظاہر ہے کہ ان ہی کی رائے اغراضِ شارع کے زیادہ مطابق ہو سکتی ہے تو اس صورت میں حدیث موقوف جس کی نسبت صحابی کی طرف ہے وہ اقرب ہوئی حضور ﷺ کے حکم کے بنسبت ہماری رائے اور قیاس کے۔ دیکھئے کس قدر احتیاط کی ہے امام صاحب (رحمہ اللہ تعالی) نے اور کس درجہ اتباع کیا ہے وحی کا۔ یہی وجہ ہے کہ امام صاحب (رحمہ اللہ تعالی) کے مذہب میں آثار بہت ہیں کیونکہ ان کو قیاس سے پہلے آثار کی تلاش کرنا پڑی ہے۔ وہ قیاس اس وقت کرتے ہیں جب کوئی حدیث موقوف یعنی اثر بھی نہ ملے۔ اور دیگر ائمہ اس کی چنداں ضرورت نہیں سمجھتے۔ وہ حدیث موقوف پر قیاس کو راجح سمجھتے ہیں اور امام صاحب (رحمہ اللہ تعالی) کے مذاق کی تائید ایک امر فطری سے بھی ہوتی ہے۔

(الصالحون ملحقہ مواعظ اصلاح اعمال ص ۵۰)

---

(۱) جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ (۲) حکم، بات

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین حضور ﷺ کے مزاج شناس تھے

اور وہ یہ کہ طبعی بات ہے کہ مزاج شناسی اور مذاق شناسی کو بھی روایت کی تصحیح میں خاص دخل ہوتا ہے۔ دیکھئے ہم کسی بزرگ کے پاس رہے ہوں اور ان کے مذاق سے آشنا ہوں پھر کوئی راوی ایک ایسی حالت بیان کرے جو ان کے مذاق اور وضع کے خلاف ہو تو ہم فوراً کہہ دیں گے کہ غلط ہے مثلاً ہم کو معلوم ہو کہ وہ بزرگ پیشین گوئی نہیں کیا کرتے تھے اس سے قطعاً ان کو احتراز تھا مگر کوئی ثقہ راوی نقل کرتا ہے کہ انہوں نے یہ پیشین گوئی کی اور وہ سچ ہوئی تو گو اس سے ان کا کمال ثابت ہوتا ہے اور ہم بھی کمالات کے معتقد ہیں مگر ہم بے ساختہ کہہ دیں گے غلط ہے انہوں نے کبھی پیشین گوئی نہیں کی ہم کو ان کا مذاق اور طرز معلوم ہے وہ اس سے بہت بچتے تھے اور اگر کوئی پیشینگوئی کی نسبت ایسے بزرگ کی طرف کرے جن کا طرزِ عمل اور مذاق ہم کو معلوم ہے کہ وہ صاحب کشف تھے اور پیشین گوئی کیا کرتے تھے جیسے شیخ ابن عربی (رحمہ اللہ تعالی) تو ہم تصدیق کریں گے کیونکہ اس صورت میں کوئی وجہ نہیں ہے جھٹلانے کی۔ پہلی صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ کہیں گے کہ اگر راوی ثقہ ہے تو اس کے قول کی کوئی تاویل کریں گے کہ سمجھنے میں غلطی ہوئی یا دوسرے سے روایت کی ہوگی اور اس نے روایت میں احتیاط نہیں کی لیکن ان کا طرز عمل اور مذاق معلوم ہونے کے سبب اس کی تصدیق نہیں کریں گے کہ انہوں نے پیشین گوئی کی۔ غرض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین مزاج شناس تھے اور صحبت پائی تھی۔ جیسا وہ حضور ﷺ کے ارشادات کو سمجھ سکتے ہیں بعد کے لوگ نہیں سمجھ سکتے اس واسطے بعد کے لوگوں کو ضرورت ہے ان کی اتباع کی۔

اور ان کی رائے دین کے بارے میں بعد کے لوگوں کی رائے پر ضرور مقدم ہونا چاہئے۔ خیر یہ تو ایک فرعی اختلاف ہے اہل حق میں، مگر یہ امر تمام اہل حق میں

مشترک ہے کہ ان کا اصلی مقصود وحی کا اتباع ہے۔ اس سے سمجھ میں آگئی ہوگی پہچان فرقہ حقہ کی اور معلوم ہو گئے ہوں گے معنی حدیث "ما أنا عليه وأصحابي" کے۔ الحمد للہ، الحمد للہ کہ کوئی فرقہ بجز اہل سنت کے اپنے لئے اس طرز کو ثابت نہیں کر سکتا اور یہی معیار ہے حق و باطل کا بموجب حدیث مذکور کے تو اہل سنت ہی کو فرقہ حقہ ہونے کا فخر حاصل ہوا جسکی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ رائے کو دخل نہیں دیتے۔ ہر امر میں کوشش کرتے ہیں وحی کے اتباع کی۔ (الصالحون ملحقہ مواعظ اصلاح اعمال ص ۵۱، ۵۲)

مسلکِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں یہ نہیں تھا کہ پہلے مقصود کو متعین کر لیتے ہوں اور اپنی مرضی کو پیش نظر رکھتے ہوں۔ ان کا تو مسلک یہ تھا کہ

"إنما كان قول المؤمنين إذا دعوا الى الله ورسوله ليحكم بينهم أن يقولوا سمعنا وأطعنا" (سورۃ النور)

"مؤمنین کا قول جبکہ ان کو اللہ اور ان کے رسول کی طرف بلایا جاتا تھا تاکہ اپنے درمیان حکم بنالیں، یہی تھا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے مان لیا"

اس آیت پر پورے عامل تھے۔ (الصالحون ملحقہ مواعظ اصلاح اعمال ص ۱۹)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ادب

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ایسے مؤدب تھے کہ جو بات پوچھنا بھی چاہتے تھے تو کئی کئی دن تک نہ پوچھتے تھے یہاں تک کہ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کو بصورت انسان بھیجا اور اس نے وہ سوالات کئے جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے دل میں تھے تاکہ لوگوں کو علم ہو۔ یہ ان کے علم کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے خود ان سوالات کو حل فرمادیا۔ چنانچہ حدیث جبریل ایک مشہور حدیث ہے جس کا خلاصہ یہی

ہے کہ جبرئیل بصورت انسان آئے اور حضور ﷺ سے کچھ سوالات کئے اور اس سے غرض یہی تھی کہ لوگوں کو ان باتوں کا علم ہو جائے۔ ادب کی یہ برکت ہے کہ خود خدا تعالیٰ کی طرف سے ضرورت پوری کی گئی۔

(ذمّ المکروہات ملحقہ مواعظ اصلاح اعمال ص ۴۴۶)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی کامیابی کا راز

حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اپنی تدبیروں پر کبھی بھروسہ نہ کرتے تھے بلکہ ہر قسم کی تدبیر مکمل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا اور طلب نصرت اور تفویض الی اللہ (۱) کرتے تھے۔ یہ راز ہے ان کی کامیابی کا اور یہ وہ زبردست ہتھیار ہے جس کو مادہ پرست نہیں سمجھ سکتے۔ اے مسلمانو! یاد رکھو تم کو جب کامیابی ہوگی خدا تعالیٰ سے علاقہ جوڑنے کے بعد ہوگی۔ جب تک تم اپنی کامیابی کو مادی اسباب اور طاقت کے حوالے کرتے رہو گے کبھی کامیاب نہ ہوسکو گے کیونکہ اس قوت میں دیگر اقوام ہمیشہ ہم سے آگے رہیں گی تم ان کے برابر بھی نہیں ہو سکتے۔ تمہارے پاس رضائے الٰہی اور اتفاق و جمعیت کے ساتھ دعا کا ہتھیار بھی ہو تو کوئی قوم تم پر غالب نہیں ہوسکتی۔ (مآثر حکیم الامت ص ۲۲۵)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عشق و حکومت دونوں کو جمع کیا

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ایمان کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی دار الحکومت میں تشریف رکھتے تھے بڑے بڑے رئیس اہلِ فارس دربار میں حاضر تھے۔ کھانے کا وقت آیا کھانا شروع فرمایا۔ ایک لقمہ ہاتھ سے زمین پر گر گیا۔ آپ نے اس کو اٹھا کر اور صاف کر کے کھا لیا۔ بعض

---

(۱) معاملہ اللہ کے سپرد کرنا

خادموں نے کان میں کہا کہ یہ متکبر کفار ایسی بات کو تحقیر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باآواز بلند ارشاد فرمایا کہ کیا میں ان احمقوں کی وجہ سے اپنے رسول ﷺ کی سنت چھوڑ دوں گا کیونکہ حدیث میں ہے کہ اگر زمین پر کھانے کی کوئی چیز گر جائے تو اس کا اٹھا کر کھا لینا سنت ہے۔ جسکو آجکل معیوب سمجھا جاتا ہے۔ سبحان اللہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عشق اور حکومت کو جمع کر کے دکھلا دیا۔

(الافاضات الیومیہ ج ۲ ص ۱۹۷، ۱۹۸)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے علوم عمیق تھے

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ان پڑھ ہونے پر فخر فرمایا کرتے تھے۔ "نحن امة أمية لا نكتب و لا نحسب" مگر بایں ہمہ (۱) علوم میں وہ سب سے افضل تھے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: "أعمقهم علماً" کہ امت میں سب سے بڑھ کر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا علم عمیق (۲) ہے۔

صحابہ کرام اور تبلیغ اسلام

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے تو کس جانفشانی سے اسلام پھیلایا تھا۔

(ضرورت تبلیغ ملحقہ مواعظ دعوت و تبلیغ ص ۳۰۴)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے زمانے میں تدوینِ فقہ کیوں نہیں ہوئی؟

اگر لوگ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے طرز پر رہتے یعنی عمل میں قصداً قصور نہ کرتے تو مجتہدین کو بہت سی تحقیقات کی ضرورت نہ ہوتی مثلاً وضو کا ل

---

(۱) ان سب کے ساتھ (۲) گہرا

کیا کرتے کسی جزو کو متروک (۱) یا مختل (۲) نہ کرتے تو اس تحقیق کی ضرورت نہ ہوتی کہ ان عبادات میں کیا فرض ہے، کیا سنت ہے، کیا مستحب ہے۔ مگر لوگوں نے جب عمل میں کوتاہی شروع کی مثلاً وضوء میں کچھ عضو دھوئے تو مجتہدین کی ضرورت پڑی کہ تحقیق کریں کہ کون کون فرض شئے ہے جس کے نہ ہونے سے مثلاً نماز نہیں ہوتی اور کون اس سے کم ہے کہ اس کے ترک سے فرض ادا ہو جائے گا۔

(فیوض الخالق ۲۳۳)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو حضور اکرم ﷺ کے وصال سے متعلق وسوسہ بھی نہ آتا تھا

ارشاد فرمایا کہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ احد کے واقعہ میں حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے جب اس ندا کو سنا کہ ''إن محمداً قد قتل'' (۳) تو حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر اس ندا کا ایسا اثر ہوا کہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے پیر اکھڑ گئے تو اس پر کسی کو تعجب نہ کرنا چاہیے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ایسے متاثر کیوں ہوئے کیونکہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو حضور ﷺ سے جتنا محبت اور عشق تھا وہ سب کو معلوم ہے۔

تو اس محبت اور عشق کا یہ اثر تھا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو حضور ﷺ کے متعلق اس کا وسوسہ بھی نہ آتا تھا کہ کوئی وقت ایسا بھی ہوگا کہ جس میں حضور ﷺ اس دنیا میں تشریف نہ رکھتے ہوں تو جب انہوں نے یکایک یہ ناگوار خبر سنی تو حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو اس خبر کو سن کر اس قدر رنج و غم ہوا کہ اس صدمہ نے پھر ان کو اس قابل نہ رکھا کہ وہ دشمن کے ساتھ لڑسکیں لہذا میدان سے واپسی

---

(۱) چھوڑنا (۲) خلل ڈالنا (۳) بلاشبہ محمد ﷺ قتل کر دیئے گئے۔

کا صدور (۱) ہوگیا تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی میدان سے واپسی اس وجہ سے نہ تھی کہ وہ دشمن سے ڈر گئے بلکہ فرطِ غم کی وجہ سے وہ اس قابل نہ تھے کہ دشمن سے لڑ سکیں۔

(الافاضات الیومیہ ج ۹ ص ۱۳۱)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جامع اضداد تھے

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین گویا اضداد کے جامع تھے جو اعلیٰ درجہ کا کمال ہے چنانچہ حضور ﷺ کے ساتھ عشق تو ایسا تھا کہ حضور ﷺ کے وضو کا پانی زمین پر نہ گرنے دیتے تھے اور ساتھ ہی بے تکلفی کا یہ حال تھا کہ حضور ﷺ نے مزاح میں ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں انگلی چبھو دی۔ وہ کہتے ہیں ''میں بدلہ لوں گا'' چنانچہ آپ ﷺ آمادہ ہو گئے۔ انہوں نے بجائے بدلہ کے بوسے لینے شروع کر دئے۔ اور دوسرے انبیاء (علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام) کے امتی بھی گو جاں نثار تھے مگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جیسے حضور ﷺ پر نثار تھے وہ بات نہ تھی۔ یہی دل کشی تو تھی جس نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو فدائی بنا دیا۔

(الافاضات الیومیہ ج ۷ ص ۱۲۵)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا کمال عقل

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے کمالِ عقل اور نورِ ایمان کی ایک کھلی ہوئی دلیل یہ بھی ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے جو مساجد اپنے فتوحات کے زمانے میں مختلف مقامات پر بنائی ہیں ان کی جہت اور قبلہ درست ہے حالانکہ اس وقت ان کے پاس نہ کتب نما تھا، نہ جغرافیہ، نہ نقشہ مگر بایں ہمہ بڑے سے بڑا مہندس (۲) اپنے آلات کے ذریعے سے بھی ان میں نقص نہیں نکال سکتا۔ بجز اس

---

(۱) میدان سے واپسی کا عمل صادر ہو گیا۔ (۲) انجینئر

کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ خدا کی طرف سے ان کو ایسا علم عطاء ہوا تھا کہ بے آلات ایسا کام سرانجام دے دیا۔ بڑے بڑے عقلاء، مہندس بعد کو پیدا ہوئے جن کا مشغلہ اور انتہائے سعی (۱) یہی رہتا تھا کہ اسلام میں نقص پیدا کریں اور یہ موقع تھا کہ وہ اس پر کوئی اعتراض کرتے مگر نہ ہو سکا۔ (مقالات حکمت ص ۹)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے قلبی جذبات

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے مرتبہ کے برابر کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اگر مجاہدہ کرتے کرتے مر بھی جائے تب بھی وہ مرتبہ میسر نہیں ہو سکتا۔ اسلئے کہ راتوں کو جاگنا آسان، عبادت کرنا آسان مگر وہ جذبات کہاں سے لائے گا جو لقاء (۲) وصحبت نبوی ﷺ سے ان کے اندر موجود تھے۔ بڑی چیز اور بڑی دولت اور بڑی نعمت تو جذبات قلبی ہیں اعمال تو ایک منٹ اور ایک سیکنڈ میں بدلے جا سکتے ہیں مگر جذبات نہیں پیدا ہو سکتے۔ (الافاضات الیومیہ ج ۶ ص ۱۰۸)

صحابہ کرامؓ میں خیر ہی کا غلبہ تھا

ایک صاحب کو بعض حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے متعلق کچھ شبہات رہتے تھے۔ ایک مرتبہ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت کی تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "سمندر میں اگرچہ ہزاروں گندگیاں اور نجاستیں ڈال دی جائیں مگر سمندر ہی سب پر غالب رہتا ہے، گندگیوں کا اثر اس پر نہیں آتا۔"

(مجالس حکیم الامت ص ۱۰۴)

بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کبائر کے صدور کا سبب

عرض:۔ جن جن حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کبائر مثل زنا و شرب خمر (۳) وغیرہ کے ہوا ہے کیا وہ اس مقام (معرفت و ولایت) پر فائز نہ تھے؟

---

(۱) مکمل کوشش (۲) ملاقات (۳) شراب پینا

ارشاد:۔ہاں اس وقت نہ تھے۔

عرض:۔اور فائز نہ ہونے کی صورت میں ولی فائز بذلک المقام (۱) کو ان حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر فضیلت جزئی ہوگی یا کچھ اور جواب ہے؟

ارشاد:۔ہاں ہوگی مگر فضلِ صحابیت (۲) سے مرجوح (۳) ہے۔

(تربیت السالک ص ۱۲۱۴ مطبوعہ تھانہ بھون)

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری (رحمہ اللہ تعالی) نے اس کی عجیب وغریب حکمت ارشاد فرمائی ہے جسے حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی (رحمہ اللہ تعالی) نے اپنے الفاظ میں ''تذکرۃ الخلیل'' میں یوں تحریر فرمایا ہے:۔

''ایک مرتبہ بعد عصر حسب معمول آپ صحنِ باغ میں چارپائی پر بیٹھے ہوئے اور چار طرف مونڈھوں پر خدام اور حاضرین کا مجمع چاند کا حالہ بنا بیٹھا تھا کہ راؤ مراد علی خان صاحب نے حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی باہمی جنگ اور رنجش کا تذکرہ کیا اور اس پر رائے زنی ہونے لگی کہ فلاں نے غلطی کی اور فلاں کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔یہاں تک نوبت پہنچی تو دفعۃً حضرت کو جوش آگیا اور مہر سکوت ٹوٹ گئی کہ جھرجھری لے کر حضرت سنبھلے اور فرمایا:

''راؤ صاحب ایک مختصر سی بات میری بھی سن لیجئے کہ جناب رسول اللہ ﷺ دنیا میں مخلوق کو قیامت تک آنے والی تمام ضروریات دین ودنیا سے باخبر کرنے کیلئے تشریف لائے تھے اور ظاہر ہے کہ وقت اتنی بڑی تعلیم کیلئے آپ کو بہت ہی تھوڑا دیا گیا تھا۔اس تعلیم کی تکمیل کیلئے ہر قسم کے حوادث اور واقعات پیش آنے کی ضرورت تھی کہ ان پر حکم اور عمل مرتب ہوتو دنیا سیکھے کہ فلاں واقعہ میں یوں ہونا چاہئے۔پس

---

(۱) وہ ولی جو اس مقام پر فائز ہے (۲) صحابی ہونے کی فوقیت (۳) مغلوب

اصول کے درجہ میں کوئی واقعہ بھی ایسا نہیں رہا جو حضرت روحی فداہ کے زمانۂ بابرکت میں حادث نہ ہو چکا ہو۔اب واقعات تھے دو قسم کے ایک وہ جو منصبِ نبوت کے خلاف نہیں اور دوسرے وہ جو عظمتِ شانِ نبوت کے منافی ہیں ۔پس جو واقعات منصبِ نبوت کے خلاف نہ تھے وہ تو خود حضرت پر پیش آ گئے اور اولاد کا پیدا ہونا ،مرنا کفنانا وغیرہ وغیرہ تمام خوشی اور غمی کے واقعات حضرت کو پیش آ گئے ۔دنیا کو تر و یجاًیہ سبق مل گیا کہ عزیز کے مرنے پر ہم کو فلاں فلاں کام کرنا مناسب ہے اور فلاں نامناسب اور کسی کی ولادت وختنہ ونکاح وغیرہ کی خوشی کے موقع پر یہ بات جائز ہے اور یہ خلاف سنت ۔

مگر وہ واقعات باقی ہیں جو رسول پر پیش آویں تو عظمتِ رسالت کا خلاف ہو اور پیش نہ آویں تو تعلیم محمدی ناتمام رہے مثلاً زنا، چوری وغیرہ ہو تو اس طرح حد و تعزیر ہونا چاہیے اور باہم جنگ وقتال یا نفسانی اغراض پر دنیوی امور میں نزاع و رنجش ہو تو اس طرح اصلاح ہونی چاہئے ۔یہ امور ذاتِ محمدی پر پیش آنا کسی طرح مناسب نہ تھے اور ضرورت تھی پیش آنے کی تاکہ حضورﷺ کا عمل مبارک ہر معاملہ میں شمعِ ہدایت بن جائے (اگر اس وقت جاری نہ ہو جائیں تو کون جاری کرتا کہ اب اس کے باوجود بھی لوگ کنارہ کش ہو رہے ہیں) لہذا حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اپنے نفوس کو پیش کیا (یعنی قضا وقدر میں) کہ ہم خدام وغلام آخر کس مصرف کے ہیں ۔جو امور حضرت کی شان کے خلاف ہیں وہ ہم پر پیش آویں اور حکم ونتیجہ مرتب کیا جائے تاکہ دین کی تکمیل ہو چنانچہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر وہ سب کچھ پیش آ گیا جو آئندہ قیامت تک آنے والی مخلوق کیلئے رشد وہدایت بنا اور دنیا کے ہر بھلے ،برے کو معلوم

ہو گیا کہ فلاں واقعہ میں یہ کرنا اور اس طرح کرنا مناسب، اس طرح نہ کرنا نامناسب پس کوئی ہوا ایسا باہمت جاں نثار جو تکمیلِ دین محمدی کی خاطر ہر ذلت کو عزت اور عیب کو ہنر سمجھ کر نشانۂ ملامت بننے پر فخر کرے اور بزبان حال کہے۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت

سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(دشمن کو نصیب نہ ہو کہ تیری تلوار سے ہلاک ہو۔ ہم دوستوں کا سر سلامت رہے تا کہ تو اس پر خنجر آزمائے۔)

شہرت و نیک نامی اور عزت و نام آوری سب چاہا کرتے ہیں مگر اس کا مزہ کسی عاشق سے پوچھو کہ جان نثاری میں کیا لطف ہے اور کوچۂ معشوق کی ننگ و عار کیا لذیذ شئے ہے۔

از ننگ چہ مرا نام زننگ ست

واز نام چہ پرسی کہ مرا ننگ زنام ست

سچے عاشق تو اس طرح ہماری اصلاح و تعلیم کی خاطر اپنی عزت و آبرو نثار کریں اور ہم ان کے منصف و ڈپٹی بن کر تیرہ سو برس بعد ان کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کیلئے بیٹھیں اور نکتہ چینیاں کر کے اپنی عاقبت گندی کریں۔ اس سے کیا حاصل؟ اگر ان جواہرات سنیہ کے قدر دان نہیں بن سکتے تو کم از کم بدزبانی اور طعن ہی سے اپنا منہ بند رکھیں کہ "اللہ، اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم من بعدی غرضاً" (۱)

---

(۱) میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے بعد انہیں تنقید کا نشانہ نہ بنانا۔

دیر تک آپ نے یہ تقریر فرمائی کہ دہن مبارک سے پھول جھڑتے رہے اور سامعین کے مشامِ جان میں (روح کی سونگھنے کی قوت میں) جگہ پکڑتے رہے۔

صحابیت کا وصف سب معاصی کو مٹانے والا ہے

صحابیت (صحابی ہونا) کا وصف سب معاصی (گناہوں) کیلئے ماحی (مٹانے والا) ہے کیونکہ حدیث شریف ''لَا یَمَسُّ النَّارُ مَنْ رَاٰنِیْ'' (جس مسلمان نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا اس کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی) اور ''اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عُدُوْلٌ'' (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سب عادل تھے) کلیہ ہے بدوں استثناء کے (بغیر کسی کو مستثنیٰ کئے) (خیر الافاضات ص ۶۴)

غیر صحابی، ادنیٰ سے ادنیٰ صحابیؓ کے برابر بھی نہیں ہوسکتا

فرمایا کہ غیر صحابی خواہ کتنا ہی بڑھ جائے لیکن صحابی کے برابر نہیں ہوسکتا چنانچہ ایک دفعہ حضرت غوث اعظم (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا کہ ''اگر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی گھوڑے پر سوار ہوں اور اس کے پیروں کی گرد اڑ کر اس گھوڑے کی ناک میں پڑ جائے تو وہ گرد جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں ہے وہ عمر بن عبد العزیز، اویس قرنی (رحمہما اللہ تعالیٰ) سے بھی افضل ہے۔ پس غیر صحابی خواہ غوث ہو یا قطب ولی ہو یا ابدال مگر کسی صحابی کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا اور اس کی تائید آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر صحابی ایک مُد اللہ کی راہ میں صرف کرے تو دوسرے کا پہاڑ احد کے برابر خرچ کرنا بھی اس کے برابر نہیں ہوسکتا اور نیز ماعز اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کو بھی صحابہ کی تحقیر جائز نہیں چہ جائیکہ غیر صحابی کو درست ہو۔ (مقالات حکمت ص ۳۹۱)

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی وجہ فضیلت

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کمال ان علوم وفنون سے نہیں تھا بلکہ ان کا کمال یہ تھا کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے حضور ﷺ (روحی فداہ) کے جمالِ جہاں آراء کی زیارت کی تھی۔ یہ وہ کمال ہے کہ اس میں کوئی ان کی برابری نہیں کرسکتا اس کمال کے سامنے سارے علوم وفنون ہیچ ہیں۔

فقہ میں امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) گو ان صحابی سے بڑھے ہوئے ہوں جنہوں نے مسجد میں پیشاب کردیا مگر درجہ میں اور مقبولیت عند اللہ میں وہ صحابی ہی بڑھے ہوئے ہیں اور ایک عجیب قصہ ہے کہ بعض باتوں میں ایک تابعی، صحابی سے بڑھا ہوا ہے اور اس سے اس کی تنقیص بھی لازم نہیں آتی۔ بعضے لوگ یہ بات سن کر گھبرا جاتے ہیں مگر اس سے وحشت کرنا بڑی بے عقلی کی بات ہے۔ دیکھئے اگر بادشاہ کی طرف سے وائسرائے کو حکم ہو کہ تم اپنے ہاتھ سے ہمارے لئے انڈوں کا حلوہ پکاؤ اور ظاہر ہے کہ وائسرائے بہادر کو کب اس کا اتفاق ہوا ہے تو اب اگر وہ انڈوں کے حلوے کی ترکیب کسی باورچی سے پوچھیں اور اس میں اس کی شاگردی اختیار کریں تو اس سے کوئی یہ سمجھ سکتا ہے کہ باورچی وائسرائے سے افضل ہوگیا؟ نہیں بلکہ ہر شخص یہی کہے گا کہ وائسرائے کا کمال انڈوں کا حلوہ پکانے سے تھوڑا ہی ہے۔ اس کے کمالات دوسرے ہیں جن کی باورچی کو ہوا بھی نہیں لگی۔

اسی طرح اس کو سمجھ لیجئے کہ امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) جن صحابی سے فقہ میں بڑھے ہوئے ہیں اگر وہ امام صاحب کے دور میں ہوتے تو ان کے ذمہ فقہ میں امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے فتوی پر عمل کرنا واجب ہوتا اور امام صاحب کو ان سے یہ کہنے کا حق حاصل ہوتا کہ گو درجہ میں آپ مجھ سے بڑے ہیں مگر چونکہ آپ فقیہ نہیں اس لئے آپ کو میرے فتوی کی مخالفت جائز نہیں اور اگر میرے کہنے کے خلاف کریں گے تو

آپ کو گناہ ہوگا۔ امام صاحب کو یہ سب کچھ کہنے کا حق حاصل ہوتا مگر بایں ہمہ فضیلت میں وہ صحابی ہی بڑھے ہوئے ہوتے تو کسی بات میں چھوٹوں کا بڑوں سے بڑھ جانا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مرتبہ کے اندر بھی ان سے بڑھ جائیں۔ اس اخیر زمانہ میں جن لوگوں نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ اور حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ کو دیکھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ حاجی صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) مسائل میں مولانا سے پوچھ پوچھ کر عمل کرتے تھے اور علوم باطن میں مولانا (رحمہ اللہ تعالیٰ) حاجی صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے محتاج تھے مگر کیا اس سے مولانا، حاجی صاحب کے مرید نہیں رہے؟ حاجی صاحب جب بھی شیخ ہی تھے اور مولانا مرید تھے۔ بعض مسائل میں حاجی صاحب کا عمل مولانا کے فتوی کے خلاف تھا جس سے بعض لوگوں کو مولانا پر اعتراض تھا کہ یہ اپنے پیر کے خلاف فتوی دیتے ہیں مگر مولانا صاف فرمادیا کرتے تھے کہ ان مسائل جزئیہ میں حاجی صاحب کو ہمارے فتوی پر عمل کرنا واجب ہے ہم کو ان کی تقلید جائز نہیں تھی۔ ہم ان مسائل کی وجہ سے حاجی صاحب کے تھوڑا ہی مرید ہیں وہ دوسرے کمالات ہیں جن کی وجہ سے ہم نے حاجی صاحب کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے۔

(الجلاء والابتلاء ملحقہ مواعظ مفاسد گناہ ص ۲۴۹ تا ۲۵۳)

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں امام اعظم کا ارشاد

دین کا فہم خواص صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو اعلیٰ درجہ کا حاصل تھا۔ اس میں وہ حضرات سب سے ممتاز تھے۔ ہمارے امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کا فیصلہ ہے کہ جو امر حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ثابت ہو اس کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کردو تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی وہ شان ہے خصوص حنفیہ کے نزدیک کیونکہ ان کے امام بھی یہ فرماتے ہیں۔　　(الافاضات الیومیہ ج ۱۰ ص ۱۳۹)

حضرت عمر بن عبد العزیز (رحمہ اللہ تعالیٰ) کا ارشاد

آپ نے حضرت علی اور حضرت معاویہ کے معاملہ کے متعلق فرمایا:

''تِلْکَ دِمَاءٌ قَدْ طَهَّرَ اللّٰهُ مِنْهَا اَيْدِيَنَا فَلَا نُلَوِّثُ بِهَا اَلْسِنَتَنَا''

''یعنی جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے خون سے ملوث ہونے سے بچالیا تو ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی زبانوں کو ان کی تحقیر سے گندہ نہ کریں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نفسانیت سے پاک تھے

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نفسانیت سے پاک تھے۔ انہوں نے جو کچھ کیا محض للّٰہیت سے کیا۔ ان تمام جھگڑوں کا منشأ اجتہادی غلطی تھی۔ سو مجتہد کو غلطی پر بھی ثواب ملتا ہے۔ (تحقیق الشکر ملحقہ مواعظ تدبیر وتوکل ص ۴۵۶)

؎ خونِ شہیداں ز آب اولی ترست

ایں خطا از صد صواب اولی ترست

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور وفور علم

حضور اکرم ﷺ ایک حدیث بیان فرما رہے تھے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) نے اس پر عرض کیا: ''هَلْ يَضْحَكُ رَبُّنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ!'' کیا اللہ میاں بھی ہنستے ہیں؟ اور یہیں سے سمجھ لینا چاہئے کہ صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کا علم کیسا عمیق تھا کہ اللہ میاں کے ہنسنے کو تو پوچھا لیکن آج کل کے طبّاعوں (مادہ پرستوں) کی طرح اس کی کیفیت نہیں پوچھی۔

(فوائد الصحبۃ ملحقہ مواعظ تدبیر وتوکل ص ۵۲۶)

متکلمین کے مباحث دورِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں نہ تھے

متکلمین کے مباحث صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) میں نہ تھے مثلاً مسئلہ رؤیت باری ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اسکو اجمالاً جانتے تھے۔ یہ تفصیل جو علم کلام میں مذکور ہے اس سے ان کے اذہان خالی تھے مثلاً متکلمین نے کہا ہے کہ اس رؤیت میں کوئی جہت نہ ہوگی۔ بعض صوفیاء نے جہت کو رؤیت میں تسلیم کیا ہے۔ پس صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں ایسے مباحث نہ تھے۔

(کلمۃ الحق ملفوظ ۱۹۴)

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سابق بالخیرات تھے

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تو یہ حالت تھی کہ غرباء، حضور ﷺ کی خدمت میں شکایت کرتے ہوئے آئے کہ یا رسول اللہ! مالدار ہم سے بڑھ گئے کیونکہ جس طرح نماز، روزہ، ذکر و شغل ہم کرتے ہیں وہ بھی کرتے ہیں اور ان میں ایک بات زیادہ ہے کہ وہ زکوۃ بھی دیتے ہیں، خیرات و صدقات کرتے ہیں، جہاد میں خوب مال خرچ کرتے ہیں اور یہ کام ہم نہیں کر سکتے تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم پانچ نمازوں کے بعد "سبحان اللہ و الحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر" پڑھا کرو اس کا تم کو اتنا ثواب ملے گا کہ مالداروں کے صدقات و خیرات سے بڑھ جائے گا۔ مالدار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو جو اسکی خبر ہوئی تو انہوں نے بھی یہ کام شروع کر دیا۔ غرباء پھر شکایت لائے کہ یا رسول اللہ! امراء نے بھی وہ تسبیحیں پڑھنا شروع کر دی ہیں جو آپ نے ہم کو تعلیم فرمائی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب میں کیا کروں۔ میں اللہ کے فضل کو کسی سے کیوں روک دوں۔

"ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ" (۱)

---

(۱) یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ (سورۃ الجمعۃ، ۴)

حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں جو مالدار تھے ان کی یہ حالت تھی کہ وہ ہر وقت اپنے دین کی ترقی میں لگے رہتے تھے اور جو نیک کام ان کو معلوم ہوتا اس کی طرف سبقت کرتے تھے ان کو دین میں نیچا دکھانا غرباء کو مشکل تھا۔ ان حضرات کے پاس مال بہت کچھ تھا مگر حالت یہ تھی کہ دل کو اس سے ذرا بھی لگاؤ نہ تھا۔

ایک صحابی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا انتقال ہونے لگا تو وہ رونے لگے۔ لوگوں نے ان کو تسلی دی کہ ماشاء اللہ تم نے حضور ﷺ کے ساتھ فلاں فلاں غزوات میں شرکت کی ہے اور خدا کے راستے میں اسلام کی بہت سی خدمتیں کی ہیں ان شاء اللہ تم کو حق تعالیٰ بخش دیں گے تو تم کیوں روتے ہو؟ انہوں نے کہا: میں اس وجہ سے نہیں روتا بلکہ میں اس وجہ سے روتا ہوں کہ حضور ﷺ کے زمانے میں ہماری تنگ دستی کی یہ حالت تھی کہ عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جب انتقال ہوا تو ان کے کفن کیلئے صرف ایک چھوٹا سا کمبل تھا جس کو سر کی طرف کھینچتے تو پیر کھل جاتے اور پیر کی طرف کھینچتے تو سر کھل جاتا۔ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ کمبل کو سر کی طرف کھینچ دیا جائے اور پیروں پر گھاس ڈال دی جائے اور آج ہمارے پاس اتنا مال ہے کہ سوائے مٹی کے اور کہیں اس کی جگہ نہیں۔

اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ سوائے زمین میں دفن کرنے کے اور کہیں اس کی جگہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ بجز عمارتوں میں خرچ کرنے کے اور کسی کام میں یہ روپیہ نہیں آتا تو وہ ایسے حضرات تھے کہ زیادہ مال جمع ہونے سے روتے تھے اس کی ان کو زیادہ خوشی نہ تھی۔

صاحبو! یہ وہ امراء تھے جن کی وجہ سے حضرات صوفیاء میں اختلاف ہوا ہے کہ صبر افضل ہے یا شکر افضل ہے تو صوفیاء کرام کے اس قول میں ایسے شاکر مراد ہیں جیسے حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تھے نہ کہ ہم جیسے حرام خور جو خدا کی نعمتیں کھا کھا کر معاصی پر اور زیادہ دلیر ہو رہے ہیں۔ اگر حضرات صوفیاء

ہمارے زمانے کے امراء کو دیکھ لیتے تو وہ یہی فرماتے کہ صابر افضل ہے شاکر سے (الا ماشاءاللہ) (الکمال فی الدین ملحقہ مواعظ دین ودنیا ص ۱۶۷ تا ۱۶۹)

حدیث ''مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِیْ'' کا مفہوم

فرمایا: ہمارے حضرت دیو بندی (شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ حدیث ''ما أنا علیہ واصحابی'' میں لفظ ما عام ہے عقائد، اخلاق، اعمال، معاشرت، سیاست سب چیزوں کو اور مطلب اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان تمام شعبہ ہائے زندگی میں مقبول اور مستقیم وہی راستہ ہے جو آنحضرت ﷺ کا راستہ ہو۔ جو راستہ اس سے مختلف ہو، وہ مستقیم نہیں ہے خواہ عقائد سے متعلق ہو یا اعمال سے، اخلاق سے یا حکومت وسیاست سے اور عام معاشرت سے ہو۔

(مجالس حکیم الامت، معارف الاکابر ص ۵۸ واشرف الکلام ص ۴۷، ۵۷)

صحابہ کرامؓ کا احسان تمام امت کے کندھوں پر ہے

فرمایا: اگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نہ ہوتے تو ہم قرآن وحدیث کے معانی کیونکر سمجھتے؟ یہ سب ان ہی حضرات کا طفیل ہے کہ وہ سب کچھ کر گئے اور ذخیرہ ہمارے لئے چھوڑ گئے۔ کوئی ضروری بات بھی انہوں نے ضائع نہیں ہونے دی۔ ان حضرات کو حضور ﷺ سے اس قدر محبت تھی کہ اگر آپ ﷺ تھوکتے تھے تو وہ حضرات ہاتھوں پر لیتے تھے اور غسالہ وضو(۱) لینے کیلئے ان حضرات کی یہ حالت تھی کہ ایک دوسرے پر گرے جاتے تھے۔ اگر کسی کو نہ ملتا تو وہ دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مل کر اس کو اپنے منہ پر مل لیتا مگر ان حضرات میں تکلف اور بناوٹ ذرا بھی نہ تھی۔ سادگی یہاں تک تھی کہ حضور ﷺ کیلئے اٹھتے بھی نہ تھے گو جی تو چاہتا تھا مگر پھر بھی نہ اٹھتے تھے اور وجہ

---

(۱) وضو کا بچا ہوا پانی

بتلاتے ہیں "لِمَا كُنَّا نَعْرِفُ مِنْ كَرَاهِيَتِهِ ﷺ" (۱)

(مقالات حکمت ص ۲۱۳)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو تفصیلی سلوک طے نہیں کرنا پڑا

عرض کیا گیا کہ آیا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی اسی طرح تفصیلی سلوک طے فرماتے تھے جس طرح صوفیاءِ حال؟

فرمایا کہ جی نہیں ان حضرات کو اسکی ضرورت ہی کہاں تھی۔ انکو تو حضور ﷺ کی ایک نظر کامل فرما دیتی تھی وہاں تو یہ حالت تھی۔

آہن کہ بپارس آشنا شد ۔۔۔ فی الحال بصورت طلاء شد

ادھر ان حضرات کی قابلیت تامہ (۲) ادھر آنحضرت ﷺ کی قابلیت تامہ (۳) کمال تو فوراً حاصل ہو جاتا تھا البتہ تضاعف اس کمال میں روز بروز ہوتا رہتا تھا۔ (مقالات حکمت ص ۱۴۱)

حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور ذکر

بات یہ ہے کہ ان کی استعداد کامل تھی ان کو لا الہ الا اللہ میں کامل توجہ حاصل ہو جاتی تھی اس لئے وہ استحضار کے محتاج نہ تھے اور ہماری توجہ بدوں ایک ایک کلمہ کے تکرار کے حاصل نہیں ہوتی۔ (النفحات فی الاوقات ملحقہ مواعظ تسلیم و رضا ص ۶۷۶)

در اصل صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کو حضور ﷺ کی صحبت بابرکت کے طفیل رسوخِ ذکر کیلئے اس کی ضرورت نہ تھی۔

---

(۱) کیونکہ ہم جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات ناگوار ہے۔ (۲) مکمل صلاحیت (۳) آنحضرت ﷺ کے کمال اعمال حسنہ

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے صاحب کمال ہونے کا راز

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا تو کمال ہے ہی مگر اصل کمال تو حضور ﷺ کا ہے کہ آپ ﷺ کی تھوڑی سی صحبت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کیا سے کیا ہو گئے اور ان کمالات کے ہوتے ہوئے آپ ﷺ کی شانِ اُمیّت (۱) جیسے کسی حسین کی شان کہ اسکے بدن پر نہ تکلف کے کپڑے، نہ بناؤ سنگھار مگر دلربائی کی یہ کیفیت ہو۔

دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند　　دلبر ماست کہ با حسن خداداد است

(الافاضات الیومیہ ج ۳)

؎ درفشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا

دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا

تھے نہ جو خود راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے

کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

مقامِ صحابہ

غرض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا کمال اس میں نہیں تھا کہ وہ امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کی طرح اصول وفروع کی تحقیق کرتے۔ ان کا تو کمال ہی دوسرا تھا۔ ان کے سامنے سارے علوم وفنون ہیچ ہیں۔ ان کا کمال یہ تھا کہ انہوں نے ان آنکھوں سے حضور ﷺ (روحی فداہ) کے جمالِ جہاں آراء کی زیارت کی تھی۔ یہ وہ کمال ہے کہ اس میں ان کی کوئی برابری نہیں کرسکتا۔

---

(۱) ان پڑھ ہونے کی شان

عمر بن عبد العزیز (رحمہ اللہ تعالیٰ) جو کہ اپنے زمانے کے مجدد اور قطب وقت تھے اویس قرنی (رحمہ اللہ تعالیٰ) جو افضل التابعین ہیں ان کے بارے میں علماء امت کا خیال یہ ہے کہ وہ گو صحابی نہیں مگر ثواب میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قریب ہیں مگر پھر بھی ان جیسے نہیں کیونکہ اویس قرنی (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے پاس وہ دو آنکھیں کہاں ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک کی زیارت کی ہو۔ اگر چہ ان کے فضائل بے شمار ہیں کہ خود حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو ارشاد فرمایا تھا کہ ایک شخص یمن کا رہنے والا اویس قرنی نام کا آئے گا۔ اگر ان سے ملو تو میرا اسلام ان کو پہنچا دینا اور ان سے اپنے لئے دعا کروانا۔ اللہ اکبر کتنے بڑے شخص ہیں مگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے برابر پھر بھی نہیں۔ بس افضل التابعین ہیں۔ حضرت غوث اعظم (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے ہیں؟ حضرت غوث اعظم (رحمہ اللہ تعالیٰ) کو اس سوال سے جوش آ گیا فرمایا کہ: اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے پر سوار ہوں اور ایڑ مار کر اسے اللہ کے راستے میں دوڑائیں تو جو خاک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں رینٹھ کے ساتھ ملی ہوئی ہوگی، حضرت عمر بن عبد العزیز (رحمہ اللہ تعالیٰ) اور حضرت اویس قرنی (رحمہ اللہ تعالیٰ) جیسے ہزاروں سے وہ خاک بھی افضل ہے۔ واقعی حضور ﷺ کی زیارت نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو وہ رتبہ بخشا ہے کہ بڑے سے بڑے ولی بھی حتی کہ امام مہدی (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) بھی ایک ادنیٰ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر نہیں ہو سکتے اور یہ حق تعالیٰ شانہ کا بہت ہی بڑا فضل و احسان امت محمدیہ کے حال پر ہے کہ ہمارے خلف پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی فضیلت کو پوری طرح منکشف کر دیا کہ سب نے اس پر اجماع و اتفاق کر لیا کہ ''اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ وَ اَفْضَلُ الْخَلْقِ بَعْدَ الْاَنْبِيَاءِ اَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ ''یعنی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سب سے معتبر اور ثقہ ہیں۔ ان میں کوئی شخص غیر معتبر نہیں اور تمام مخلوق میں سب سے افضل صحابہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں۔

اس مسئلہ کا انکشاف ہمارے حق میں بہت ہی بڑی رحمت ہے اور وہ رحمت یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی حق تعالیٰ شانہ کو اس دین کی حفاظت ہی منظور ہے۔ اگر حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے متعلق ہمارا یہ اعتقاد نہ ہوتا بلکہ خدا نخواستہ ان کے غیر معتبر ہونے کا یا ان کی نسبت خیانت کرنے کا کچھ شبہ ہوتا تو شریعت کا سارا انظام درہم برہم ہو جاتا۔ قرآن واحادیث کی بابت طرح طرح کے خیالات و شبہات پیدا ہوتے اور کسی طرح دل کو اطمینان نصیب نہ ہوتا اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی نسبت حضرات سلف صالحین کا یہ اجماع محض حسن اعتقاد ہی کی بنا پر نہیں بلکہ خود ان کے احوال واعمال سے ان کی دیانت اور راست بازی و پرہیزگاری ایسی کھلی ہوئی نظر آتی ہے کہ موافق تو موافق، مخالف تک اس کا اقرار کئے ہوئے ہیں جس پر تاریخ گواہ ہے۔ جس کے بعد اس قول میں شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ ''الصحابة کلھم عدول'' حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی اس فضیلت کے انکشاف سے صرف یہی نہیں کہ دین کی حفاظت ہوگئی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان کی فضیلت کے اقرار کے بعد حضور ﷺ کے ساتھ محبت بڑھ گئی۔ جس قدر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ساتھ اعتقاد بڑھتا ہے اسی قدر حضور ﷺ کے ساتھ محبت بڑھتی ہے اور جس قدر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے کسی کو بداعتقادی ہوتی ہے اسی قدر حضور ﷺ کے ساتھ محبت میں کمی ہوتی جاتی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ جس مدرسہ کے تمام طلبہ بداستعداد ہوں وہاں مدرسین کی بداعتقادی کا بھی شبہ کیا جاتا ہے۔ سو اگر ہمارے اعتقاد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ساتھ اچھے نہ ہوں گے تو معاذ اللہ حضور ﷺ کی بابت بھی اچھا خیال نہ ہو سکے گا بلکہ یہ وسوسہ پیدا ہوگا کہ بس جی جیسی روح ویسے ہی فرشتے اور یہ حالت ہماری بہت ہی خراب اور ناگفتہ بہ ہوتی چنانچہ اس زمانے میں بھی کچھ لوگ ایسے موجود ہیں جن کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ساتھ

بے اعتقادی اور بدگمانی ہے سو ان کی دینی حالت دیکھ لی جائے کہ کس قدر کمزور ہو رہی ہے۔ (تیسیر الاصلاح ملحقہ مواعظ مفاسد گناہ ص ۲۵۰، ۲۵۱)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا عشق رسول ﷺ

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے فرمایا: اگر تم تابیر (۱) نہ کرو تو اچھا ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تو حضور ﷺ کے سچے عاشق تھے فوراً چھوڑ دیا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ایسے جان نثار تھے کہ جب حضور ﷺ کی مرضی کسی امر کے متعلق ان کو معلوم ہوتی فوراً اس کی تعمیل کرتے۔ نفع و نقصان کی ذرا بھی پروانہ کرتے چنانچہ ایک مرتبہ حضور ﷺ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان سے گزرے۔ حدیث میں آتا ہے "فَرَاٰی قُبَّۃً مُشْرِفَۃً" کہ حضور ﷺ نے وہاں کوئی قبہ بلند دیکھا دریافت کیا کہ یہ کس کا مکان ہے؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بتلا دیا کہ فلاں صحابی کا ہے۔ بس اتنی بات ہوئی تھوڑی دیر میں وہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے منہ پھیر لیا، انہیں یہ کہاں گوارہ تھا کہ حضور ﷺ کا رخ پھرا ہوا دیکھیں۔ بس بیتاب ہو گئے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

از فراق تلخ مے گوئی سخن ہر چہ خواہی کن ولیکن ایں مکن

"فراق کی بات کرتے ہو۔ اور جو چاہو کرو مگر یہ نہ کرو۔"

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دریافت کیا کہ آج حضور ﷺ کا رخ مجھ سے پھرا ہوا کیوں ہے؟ صحابہ نے کہا کہ ہم کو اور تو کچھ معلوم نہیں البتہ آج حضور ﷺ تمہارے مکان کی طرف سے گزرے تھے بلند قبہ دیکھ کر دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا گھر

---

(۱) عرب میں یہ رواج تھا کہ نر کھجور کا کچھ مادہ کھجور میں ڈالتے۔ جس سے پیداوار زیادہ ہوتی۔ اسے تأبیر کہتے ہیں۔ آپ نے ابتداءً اس کو منع فرمایا تھا لیکن بعد میں اجازت دے دی تھی۔ ۱۲ اعجاز احمد غفر اللہ لہٗ

ہے؟ بس اگر حضور ﷺ کو وہ قبہ نا گوار ہوا ہو تو ممکن ہے۔ باقی اور کوئی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ وہ بھی ایسے سچے عاشق تھے کہ یہ بھی تحقیق نہ کی کہ یہ سبب واقعی ہے یا محض احتمال ہی احتمال ہے۔ اس وہم پر کہ اس قبہ ہی سے شاید آپ ﷺ کو نا گواری ہوئی ہو فوراً جا کر اسے ڈھا دیا۔

بہر چہ از دوست وامانی چہ کفر آں حرف وچہ ایمان

بہر چہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش وچہ زیبا

یعنی جس چیز کی وجہ سے محبوب سے دوری ہو وہ قابل ترک ہے خواہ وہ کچھ ہی ہو۔

اسکے چند روز بعد پھر آپ ﷺ کا گزر اس مکان کی طرف ہوا تو آپ ﷺ نے وہ قبہ نہ دیکھا۔ دریافت فرمایا کہ یہاں ایک بلند قبہ تھا اب کیا ہوا؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا کہ اس کے مالک کو آپ کی نا گواری کا احتمال ہوا، اس لیے ڈھا دیا۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا خلوص

سبحان اللہ خلوص اس کا نام ہے کہ مکان کو ڈھا کر حضور ﷺ کو اطلاع بھی نہیں کی کہ میں نے آپ ﷺ کی رضا کیلئے یہ کام کیا ہے۔ آجکل لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اگر شیخ ان کو کسی ایسی بات کا حکم کرے جس میں بظاہر ان کا دنیوی ضرر ہوتا ہو گو آخرت کا نفع ہی نفع ہو تو اول تو دنیوی ضرر کو گوارا کرنے والے ہی کم ہیں اور جو ہیں بھی وہ دس مرتبہ شیخ کو آ کر سناتے ہیں کہ ہم نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کر دی جس میں در پردہ شیخ پر احسان رکھنا ہوتا ہے۔ غرض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے تابیر کو اس سال چھوڑ دیا تو اس مرتبہ پھل کم آئے۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ اس سال پھل کم کیوں آئے؟ معلوم ہوا کہ تابیر نہ کرنے سے ایسا ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا تابیر کر لیا

کرو۔اس وقت آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ''تم دنیا کے کاموں کو زیادہ جانتے ہو۔اس کا صاف مطلب یہی تھا کہ دنیوی کاموں کا طریقہ اور اسباب کے خواص تم زیادہ جانتے ہو یعنی مجھے اس خاصیت کی اطلاع نہ تھی اور یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ دنیوی کاموں کے احکام میں تم خودمختار ہو۔اگر یہ مطلب ہوتا تو آپ ﷺ پہلے ہی سے منع کیوں فرماتے؟ آپ ﷺ نے ممانعت اس لئے کی کہ ٹوٹکہ اور شگون کا آپ ﷺ کو شبہ ہوا تھا۔جب یہ احتمال رفع ہوگیا اور معلوم ہوا کہ تابیر میں یہ خاصیت فطری ہے اس وقت آپ ﷺ نے اجازت دیدی۔

تابیر کی خاصیت ،فطری امور دنیوی سے بے خبری نقص نبوت نہیں

باقی اس ارشاد کی حکمت کیا ہے سو میرے دل میں یہ بات القاء ہوئی ہے کہ اس خاصیت کے معلوم نہ ہونے سے شاید کسی کو نبوت میں شبہ ہو جاتا کہ آپ ﷺ کو اتنی بھی خبر نہیں ۔اس لئے حضور ﷺ نے یہ بتلا دیا کہ نہ جاننا کوئی نقص نہیں ہے کیونکہ ہم دین کے واسطے آئے ہیں ،دنیا کے کاموں کا طریقہ جاننا نبوت کیلئے ضروری نہیں اور ان کا نہ جاننا نبوت میں نقص نہیں ۔آجکل تو پیری کے واسطے بھی لوگ علمِ محیط کو لازم سمجھتے ہیں اور بعض لوگ حضور ﷺ کے واسطے علم محیط کے قائل ہو گئے ہیں۔اب وہ لوگ دیکھیں کہ یہ حدیث کیا بتلا رہی ہے۔اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ نبوت کیلئے علم محیط ضروری نہیں البتہ جو علوم لوازمِ نبوت سے ہیں یعنی علوم ضروریہ دینیہ ،ان کا حصول لازم ہے۔ (التراحم فی التراحم ملحقہ مواعظ حدود وقیود ص۲۵۲ تا ۲۵۴)

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی محبت حضور ﷺ سے

''اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ.'' (سورۃ الحجرات،۴)

''کہ جو لوگ آپ ﷺ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں

سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔''

اس میں ایک تو ان لوگوں کا عذر بتلا دیا گیا کہ وہ کم عقل ہیں اس لئے ان کو معذور رکھا جائے۔ دوسرے یہ بتلا دیا کہ مسلمان کو عقل کے خلاف بھی کوئی کام نہیں کرنا چاہئے۔ اب یہ بات قابلِ غور ہے کہ ان آداب وحقوق کا منشأ کیا ہے تو آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان آداب کو مقرر کرنے کا منشأ ایذاءِ رسول سے روکنا ہے چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے:

''یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّا اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ اِلٰی طَعَامٍ غَیْرَ نَاظِرِیْنَ اِنٰهُ وَلٰکِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْکُمْ۔'' (الاحزاب،۵۳)

''اے ایمان والو! مت جاؤ نبی کے گھروں میں مگر یہ کہ تم کو حکم ہو کھانے کے واسطے، مت راستہ دیکھنے والے اس کے پکنے کا لیکن جب تم بلائے جاؤ تب جایا کرو۔ جب کھا چکو تو خود چلے جایا کرو۔ اور آپس میں باتیں کرنے نہ بیٹھا کرو۔ اس بات سے نبی کو ناگواری ہوتی ہے سو تمہارا لحاظ کرتے ہیں۔''

اس میں بلا اجازت حضور ﷺ کے گھر میں داخل ہونے کی ممانعت ہے اور اجازت کے بعد داخل ہوں تو باتیں کرنے کیلئے وہاں مجلس آرائی کی ممانعت ہے اور اس کی علت یہ بتلائی گئی کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کو ایذاء ہوتی ہے اور وہ تم سے شرماتے ہیں۔ (اس لئے وہ اپنی کلفت ظاہر نہیں کرتے)

حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو حضور ﷺ کی کلفت کی اطلاع نہ تھی اس لئے اس کا وقوع ہوا ورنہ وہ تو عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ اطلاع کے بعد یہ کب ممکن تھا کہ حضور ﷺ کی کلفت کا سبب بنتے۔ ان کی محبت کی تو یہ حالت تھی کہ غزوات

میں جب رسول اللہ ﷺ جنگ سے فارغ ہو کر مدینہ تشریف لاتے تو مدینہ کی عورتیں اور بچے آپ ﷺ کا استقبال کرنے آتے اور اس موقع پر بعض عورتوں کو یہ اطلاع دی جاتی کہ اس لڑائی میں تمہارا باپ، بھائی اور شوہر شہید ہو گیا تو وہ بیساختہ سوال کرتیں کہ یہ بتلاؤ رسول اللہ ﷺ اچھی طرح ہیں؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین فرماتے کہ ہاں حضور ﷺ تو بالکل اچھی طرح ہیں تو وہ عورتیں کہتیں کہ بس حضور ﷺ سلامت چاہئیں۔ آپ کے اوپر ہزاروں باپ، ماں اور اولاد قربان ہے۔ نیز فیستحیی منکم سے معلوم ہوا کہ یہ فعل فی نفسہ گناہ نہ تھا ورنہ حضور ﷺ اس پر متنبہ کرنے سے نہ شرماتے۔ اس کے بعد ارشاد ہے: ''وَاللّٰہُ لَا یَسْتَحْیِیْ مِنَ الْحَقِّ'' اللہ تعالیٰ ٹھیک بات بتانے سے شرم نہیں کرتے۔

(الارتیاب والاغتیاب ملحقہ مواعظ اصلاح اعمال ص۵۲۲، ۵۲۳)

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے مکالمات اور مناظرات کا مقصد حق کی وضاحت تھی

اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے مکالمات و مناظرات کا رنگ یہی تھا کہ تکرارِ حق سے ان پر حق واضح ہو جاتا تھا بحث و تمحیص کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ مناظرۂ جمع قرآن و مناظرۂ قتال مرتدین اس کی دلیل ہے کہ جمع قرآن کیلئے جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشورہ دیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: میں ایسا کام کیونکر کر سکتا ہوں جو حضور ﷺ نے نہیں کیا؟ اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی صرف بار بار یوں کہتے رہے کہ ''واللہ انہ لخیر'' بخدا یہ کام اچھا ہے چنانچہ اس تکرار ہی سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شرح صدر ہو گیا۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور ان کو جمع قرآن کا حکم دیا۔ انہوں نے بھی وہی شبہ کیا جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کیا تھا مگر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کوئی دلیل بیان نہیں کی۔ وہ بھی بار بار یہی کہتے رہے کہ یہ کام اچھا ہے یہ کام اچھا ہے۔ اس کے تکرار ہی سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شرح صدر ہو گیا اور انہوں نے جمع قرآن کا کام شروع کیا۔

اسی طرح قتال مرتدین کے بارے میں جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے جازم ہو گئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی يَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّیْ مَالَهٗ وَدَمَهٗ۔"

"مجھ کو لوگوں سے قتال کا امر کیا گیا ہے جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں۔ جب اس کا اقرار کر لیں تو ان کے انفس (۱) و اموال محفوظ ہو جائیں گے۔"

اور ان مرتدین میں ایک جماعت وہ ہے جو توحید و رسالت کی مصدّق ہے اور ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتی ہے اور ہمارا ذبیحہ کھاتی ہے صرف فرضیتِ زکوۃ میں تاویل کرتی ہے تو اس سے آپ کیونکر قتال کریں گے؟ اس کے جواب میں حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ نہیں کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دلیل کا جواب بیان کریں بلکہ یہ فرمایا:

"وَاللّٰهِ لَوْ مَنَعُوْنِیْ عِنَاقاً اَوْ عِقَالاً كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَاُقَاتِلَنَّهُمْ۔"

---

(۱) جانیں

"بخدا اگر یہ لوگ ایک بکری کا بچہ یا ایک رسی بھی روکیں گے جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ادا کرتے تھے تو میں اس پر بھی ان سے جہاد کروں گا۔"

بس اسی سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حق واضح ہو گیا چنانچہ فرماتے ہیں:

"فواللہ ما رأیت الا ان اللہ قد شرح صدر ابی بکر للقتال فعرفت انہ الحق."

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا فہم

ایک مرتبہ کفار نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ نے اپنے یار کا دعویٰ بھی سنا ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ مجھے معراج ہوئی ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً جواب دیا: بے شک اگر وہ کہتے ہیں تو سچ ہے۔ ضرور ہوئی ہوگی۔ کفار نے کہا کہ تم نے تو اتنی جلدی تصدیق کر دی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تم کو معلوم نہیں ہے میں تو اس سے بھی زیادہ بڑے واقعہ کی تصدیق کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے پاس خود آسمان والے آیا کرتے ہیں۔ اسکے مقابلے میں یہ ادنیٰ درجہ ہے کہ ان کو آسمان پر لے گئے۔ سبحان اللہ، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو اللہ تعالیٰ نے کیسے فہم عطا فرمائے ہیں۔ (مزید المجید ملفوظ نمبر ۱۲۸)

سیاست اور انتظام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

جس قدر سیاست اور انتظام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کیا اور کسی قوم سے نہیں ہو سکتا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے ملکوں کو فتح کیا، مساجد بنوائیں۔ سندھ میں بڑے بڑے مہندس (انجینئر) جمع ہوئے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے جو محراب اور قبلہ کی سمت مقرر کی ہے ذرہ برابر اس میں کسی نے فرق

نہیں نکالا حالانکہ ہماری حالت یہ ہے کہ گھر سے نکلے اور قبلہ کا پتہ نہیں۔

(الکلام الحسن ج ۲ ص ۲۳۹)

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی کیفیت پر ایک موزوں شعر

فرمایا کہ حدیث میں جو آتا ہے کہ جب شدتِ مرض سے آنحضرت ﷺ نماز کو مسجد میں تشریف نہ لا سکے (اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام بنایا گیا) بس آپ ﷺ دہلیز پر آکر رک گئے تو پردہ اٹھایا۔ اس وقت کی حالت کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کہتے ہیں ''کِدْنَا اَنْ نَفْتَتِنَ ''یعنی قریب تھا کہ ہم بدحواس ہو جاتے۔ اس موقع پر شاہ عبدالحق صاحب (رحمہ اللہ تعالی) نے ایک شعر لکھا ہے اور اس جگہ سے بہتر اس شعر کے چسپاں ہونے کا کوئی موقع بھی نہیں ہے۔

در نماز م خم آبروئے تو چوں یاد آمد   حالتے رفت کہ محراب بفریاد آمد

(جدید ملفوظات ص ۱۴۰)

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں بناوٹ نہ تھی مگر اطاعت بے حد تھی

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین رسمی تعظیم بہت نہ کرتے تھے مگر مطیع اس قدر تھے کہ دنیا کو معلوم ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو جو تعلق حضور ﷺ سے تھا وہ عشق کا ایسا مرتبہ رکھتا ہے کہ دنیا میں کسی محب اور محبوب میں اسکی نظیر ملنا مشکل ہے لیکن حالت یہ تھی کہ اسکے بھی پابند نہ تھے کہ حضور ﷺ کو آتے دیکھ کر کھڑے ہی ہو جایا کریں۔ خود حضور ﷺ نے بھی ان کو اس سے منع فرما رکھا تھا۔

(حسن العزیز ج ۴ ص ۲۱۳ مطبوعہ ملتان)

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ہنسنے مسکرانے کا سبب

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ کیا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہنستے بھی تھے؟ انہوں نے کہا کہ اس قدر کہ ایک کے اوپر ایک گرتا تھا مگر ایک ہنسنا ہوتا ہے غفلت

کا اور ایک ہنسنا ہوتا ہے خوش خلقی اور محبت کا کہ وہ دوستوں کا حق ہے جیسے کہ حضور ﷺ کہ باوجود کمالِ عشق و محبت کے جس کو ہر ایمان والا سمجھ سکتا ہے، یہ حالت تھی کہ خالق و مخلوق دونوں کا حق ادا فرماتے تھے۔ (الافاضات الیومیہ ج ۲ ص ۲۷۳)

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے نزدیک دنیا کی حقیقت

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے قلب میں تو صرف آخرت بسی ہوئی تھی اور دنیا انکی نظر میں اس سے زیادہ وقعت نہ رکھتی تھی جیسے پیشاب، پاخانہ کا معاملہ بضرورت کرنا پڑتا ہے اور آجکل اس کے برعکس معاملہ ہے کہ آخرت کی طرف تو بقدرِ ضرورت بھی توجہ نہیں اور دنیا میں انہماک ہے۔

(الافاضات الیومیہ ج ۲ ص ۲۷۳)

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی بے تکلفی

ایک شخص نے حضور ﷺ کی دعوت کی تھی اور ایک شخص راستہ سے بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہولیا۔ جب آپ ﷺ وہاں پہنچے تو آپ ﷺ نے صاحب خانہ سے پوچھا کہ بھئی تمہاری خوشی ہو تو یہ شخص آوے ورنہ نہیں۔ صاحب خانہ نے کہا کہ خوشی ہے کہ آوے۔

میں کہتا ہوں بس آپ نے ایک حدیث پر نظر کی، دوسری حدیث پر نظر نہیں کی۔ وہ یہ کہ ایک شخص فارس کا رہنے والا شوربا اچھا پکاتا تھا۔ ایک روز اس کا جی چاہا کہ حضور ﷺ کو بھی کھلا دے۔ چنانچہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! تشریف لے چلیے تھوڑا شوربا نوش فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عائشہ بھی چلیں گی۔ اس وقت تک حجاب نازل نہ ہوا تھا اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں کہ کوئی ہماری دعوت کرے اور ہم قبولِ دعوت میں کوئی شرط لگا دیں تو اس بنا پر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ بھئی ہمارا ایک مہمان بھی ہے اور جیسے ہم کو شرط لگانے کا اختیار ہے اسی طرح داعی کو بھی اختیار

ہے خواہ وہ ہماری شرط کو منظور کرے یا نہ کرے۔ اس صورت میں جبر نہیں اس لئے یہ جائز ہے۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا عائشہ بھی ۔گو اس شخص کا پہلے سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دعوت کا ارادہ نہ تھا مگر اب حضور ﷺ کے فرمانے سے وہ ارادہ کرسکتا تھا۔مگر س نے اپنے ارادہ کو چھپایا نہیں ۔صاف کہہ دیا کہ نہیں حضرت عائشہ کی دعوت نہیں ۔اس سے حضور ﷺ کی تعلیم کا اندازہ کیجئے کہ آپ ﷺ کے یہاں آزادی کی تعلیم اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں عائشہ بھی اور وہ کہتا ہے نہیں عائشہ نہیں ۔آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو اتنا آزاد بنایا تھا کہ وہ جان دینے کو ہر وقت تیار مگر کھانا دینے کو ہر وقت تیار نہیں ۔صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی جان نثاری کی تو یہ حالت تھی کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

فَاِنَّ أَبِیْ وَوَالِدَتِیْ وَعِرْضِیْ لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْکُمْ وِقَاءٗ

مگر اس کے ساتھ ہی وہ امور اختیاریہ میں بے تکلف بھی اس درجہ تھے کہ آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دعوت کو شرط بناتے ہیں وہ نہیں مانتا۔آخر آپ ﷺ نے فرمایا کہ عائشہ نہیں تو ہم بھی نہیں ۔اس نے کہا نہ سہی اور چل دیا۔

آج تو کوئی مرید اپنے پیر کے ساتھ ایسا کرے ۔دیکھئے پھر کیا ہوتا ہے بجائے مرید کے اس کا لقب مرتد ہو جائے گا۔ (اسرار العبادہ ملحقہ نظام شریعت ص ۱۳۳)

ترقیٔ دین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا مطمع نظر تھا

غرض حدیث کو دیکھئے تو اس سے معلوم ہوگا کہ آپ ﷺ کا طرز زندگی کیا تھا اور وہی طرز بعینہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا تھا تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہم اجمعین کے یہاں طولِ حرص اور طولِ امل (۱) کا نشان بھی نہیں تھا۔ ان کی ترقی ترقیٔ دین تھی اگر چہ اس کے تابع ہو کر ان حضرات کو دنیا کی بھی وہ ترقی حاصل ہو کہ آج کے لوگوں کو خواب میں بھی نصیب نہیں لیکن مطمع نظر صرف ترقیٔ دین تھا چنانچہ ان حضرات کی اسی شان کو خداوند تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

''اَلَّذِیْنَ اِن مَّکَّنَّاھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ'' (سورۃ الحج، ۴۱)

''کہ اگر ہم ان کو زمین پر قبضہ دیدیں تو یہ لوگ اس وقت بھی نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں، اچھی باتوں کی ترغیب دیں اور بری باتوں سے روکیں۔''

یہ ہے ان کے اخلاق کا نقشہ جس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہوسکتا۔ اب ان کو یاد رکھئے اور پھر ان کے ساتھ اپنے خیالات کو دیکھئے اور انطباق کیجئے۔

(تجارت آخرت ملحقہ مواعظ دنیا و آخرت ص ۳۷۸)

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا طرز زندگی

اس تقریر پر جبکہ غریب اور امیر کی تعریف ہمارے عرف کے اعتبار سے لی جائے اور اگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی اصطلاح لی جائے تو اس زمانہ میں کوئی بھی غریب نہیں۔ کسی شخص نے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اپنے فقر و فاقہ اور غربت کی شکایت کی۔ انہوں نے پوچھا کہ تمہارے رہنے کیلئے گھر بھی ہے اور بیوی بھی؟ عرض کیا کہ گھر بھی ہے اور بیوی بھی ہے۔ فرمایا کہ تم غریب کہاں ہوئے تم تو امیر ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ایک غلام بھی ہے۔ فرمایا کہ پھر تو تم بادشاہ ہو۔ ان

---

(۱) لمبی امید

ارشادات کے سننے کے بعد وہاں یہ نہیں تھا جیسے ہم لوگوں کی حالت ہے کہ حدیث، قرآن سب کچھ پڑھتے سنتے ہیں اثر کچھ بھی نہیں چنانچہ یہ اب سن لیا مگر پھر بھی سمجھ رہے ہیں اپنے کو غریب ہی۔ وہاں تو یہ حالت تھی کہ جو کچھ سن لیا نقش کالحجر (۱) ہو گیا۔ جس بات کی نسبت ارشاد فرمایا محال ہے کہ اس کے خلاف ہو چنانچہ انہوں نے امیری کی یہ ماہیت سن لی تو بس پتھر کی لکیر ہو گئی۔ تمام اجزاءِ شریعت کے ساتھ ان کی یہی حالت تھی کہ ایک ایک جزو، حاضر اور نقد وقت تھا۔ ان کی دولت تو بس حضور ﷺ کے ارشادات تھے اسی کو وہ امیری اور غنا سمجھتے تھے۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ہرقل کو جواب

چنانچہ جب ہرقل کے پاس ایک سیاسی امر کے متعلق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تشریف لے گئے ہیں تو اس نے یہ بات پوچھی کہ آپ لوگ اول اہل فارس پر کیوں نہ گئے۔ ہمارا نمبر تو پیچھے تھا کیونکہ ہم تو دونوں اہل کتاب ہیں جو کام ضروری ہے اول وہ کرنا چاہئے۔ سو اس سوال کے وقت اگر ہم میں سے کوئی عاقل ہوتا تو حیران رہ جاتا اور سوچنا پڑتا کہ کیا جواب دیا جائے مگر وہاں تو محرک عمل کا قرآن مجید تھا اسی وقت بے تکلف آیت پڑھی:

"يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ "

(سورۃ التوبہ، ۱۲۳)

"یعنی اے ایمان والو! ان کفار سے قتال کرو جو تمہارے نزدیک ہیں۔"

وہ سن کر چپ ہو گیا۔ پس یہی مذاق ہم کو پختہ کرنا چاہئے۔

---

(۱) پتھر پر لکیر

امیری کی ماہیت

کہ روایت مذکور سے امیری کی ماہیت سن کر اپنے کو امیر ہی سمجھنا چاہئے اور لیجئے دوسری حدیث، حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''مَنْ اَصْبَحَ مُعَافًی فِیْ جَسَدِہٖ اٰمِنًا فِیْ سَرْبِہٖ وَعِنْدَہٗ قُوْتُ یَوْمِہٖ فَکَاَنَّمَا حِیْزَتْ لَہُ الدُّنْیَا بِحَذَافِیْرِہٖ''

''یعنی جو شخص صبح کو اٹھے اس حالت میں کہ جسم میں اس کے عافیت ہو اور نفس میں اس کے اور گھر میں امن سے ہو اور ایک دن کا اس کے پاس کھانے کو ہو پس گویا دنیا بتمامہ (۱) اس کیلئے جمع کر دی گئی۔''

اور یہ بات عقلی طور پر بھی سمجھ میں آتی ہے کیونکہ اگر کسی کے پاس بہت بھی ہو تو کام تو اس کے اتنا ہی آئے گا جس قدر وہ کھائے گا۔ اتنا ہی وہ کھائے گا اور اتنا ہی غریب بلکہ غریب زیادہ کھاتے ہیں۔ پس زیادہ ہونے کا کیا فائدہ ہوا۔ رہی حرص تو وہ کسی طرح بھی پوری نہیں ہوتی۔

کوزۂ چشمِ حریصاں پر نشد　　　تا صدف قانع نشد در نشد

لالچیوں کی آنکھ کا کوزہ اس وقت تک نہیں بھرتا جب تک کہ سیپ کے اندر موتی ہے۔ صراحی میں اتنا ہی پانی آتا ہے جس قدر اس میں وسعت ہوتی ہے۔ امیر غریب سے کچھ زیادہ نہیں کھاتے۔ (الظلم ملحقہ مواعظ راہِ نجات ص ۴۹۰، ۹۹۱)

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو سادگی محبوب تھی

آخر یہ رعب وشوکت کس چیز کا تھا کیا لباس کا رعب تھا، ہرگز نہیں لباس کی تو یہ کیفیت تھی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ طواف میں، میں

---

(۱) پوری کی پوری

نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا اس وقت جو کرتہ آپ کے بدن پر تھا اس میں اکیس پیوند تھے۔ آج لوگ شکایت کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں افلاس زیادہ ہے اس لئے ذلیل ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں میں اس وقت افلاس کا ہونا سچ بھی ہے اور غلط بھی۔ سچ تو اس معنی کر ہے کہ کفار سے ان کے پاس دولت کم ہے اور غلط اس لئے ہے کہ سلف کے اعتبار سے ان کے پاس دولت کم نہیں۔ جس زمانہ میں مسلمانوں نے ترقی کی اس وقت وہ آجکل کے مسلمانوں سے زیادہ صاحب افلاس تھے۔ اگر افلاس ہی ذلت کا سبب ہے تو ان حضرات نے عینِ افلاس کی حالت میں کیونکر عزت وشوکت حاصل کر لی۔ خوب سمجھ لو کہ عزت لباس یا دولت سے نہیں ہے مسلمان کی عزت اسلام سے ہے۔ پہلے مسلمان پورے مسلمان ہوتے تھے اس لئے معزز تھے اور ہم برائے نام مسلمان ہیں اس لئے ذلیل ہیں ورنہ آجکل کچھ پہلے سے زیادہ افلاس نہیں۔ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی یہ حالت تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ملک شام پہنچے تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خیمے میں اترے کیونکہ وہ عساکرِ اسلامیہ(۱) کے افسر تھے اور ان سے پوچھا کہ اے ابو عبیدہ! تمہارے پاس کھانے کو بھی ہے؟ انہوں نے روٹی کے سوکھے ٹکڑے سامنے لا کر رکھ دیئے اور پانی لا کر رکھ دیا۔ اس وقت حضرت سرمد (رحمہ اللہ تعالی) کا کلام یاد آ گیا، فرماتے ہیں ۔

منعم کہ کباب میخورد میگزرد | در بادہ ناب میخورد میگزرد
سرمد کہ بکاسہ گدائی نان را | تر کردہ باب میخورد میگزرد

(منعم کہ کباب کھاتا ہے گزر جاتا ہے۔ خالص شراب پیتا ہے گزر جاتا ہے سرمد پیالۂ گدائی میں سوکھی روٹی تر کر کے کھاتا ہے وہ گزر جاتا ہے۔)

یہ حال دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے اور فرمایا اے ابو عبیدہ!

---

(۱) اسلامی فوج

اب تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فتوحات سے وسعت کر دی ہے پھر تم ملکِ شام مل
ہوا اب تم اتنی تنگی کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا اے امیر المؤمنین! دنیا تو محض
زاد ہے آخرت میں پہنچنے کیلئے۔ جس کیلئے یہ بھی کافی ہے تو زیادہ لے کر کیا کریں
گے۔

ہمارے سلف کا فقر اختیاری تھا

خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا گیا کہ اب فتوحات میں وسعت
ہوگئی ہے آپ اتنی تنگی کیوں فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ
میں ہمارے بہت سے بھائی اس فقر کی حالت میں شہید ہو گئے۔ انہوں نے خدا کے
راستے میں عمل زیادہ کیا اور دنیا سے تمتع حاصل نہیں کیا۔ ان کا سارا ثواب آخرت میں
ذخیرہ رہا اور ہم لوگوں نے فتوحات کر کے بہت کچھ مال و دولت حاصل کر لی ہے اور
ہماری محنت کا کچھ ثمرہ یہاں مل گیا ہے۔ اب مجھے مال و دولت سے منتفع ہوتے ہوئے
یہ ڈر لگتا ہے کہ قیامت میں کہیں یہ نہ کہہ دیا جائے اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ
الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ
تَسْتَكْبِرُوْنَ ''کہ تم نے حیاتِ دنیا میں مزے اڑا لئے اور طیبات سے تمتع حاصل کرلیا
اب یہاں (تمہارے واسطے کچھ نہیں بس) تم کو عذابِ ذلت کی سزا دی جائے گی اس
لئے کہ تم بڑے بننا چاہتے تھے'' اور یہاں سے معلوم ہوا کہ ہمارے سلف کا فقر اختیاری
تھا، اضطراری نہ تھا۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا فقر

ان کے افلاس کا سبب یہ نہ تھا کہ ان کو کچھ ملتا نہ تھا۔ حق تعالیٰ نے حضرات
صحابہ کو بہت کچھ مال و دولت دیا تھا مگر وہ اپنے پاس نہ رکھتے تھے بلکہ غرباء کو دیدیتے
تھے اور خود فقر کی حالت میں رہتے تھے تو کیا اس فقر سے کچھ ان کی عزت کم ہوگئی۔ خدا

نے ان کو وہ عزت دی تھی کہ آج مسلمان اس کی تمنا کرتے ہیں۔ پس فقر کو ذلت سمجھنا بڑی غلطی ہے یہ تو بڑی عزت کی چیز ہے اگر کمال کے ساتھ ہو۔ چنانچہ جب میں کانپور میں درس دیتا تھا عین حالت درس میں ایک شخص مسجد میں آئے، حالت یہ تھی ۔

لنلکے زیر و لنلکے بالا　　نے غم دزد، نے غم کالا

(ایک لنگی اوپر ایک لنگی نیچے، نہ اسباب کا غم نہ چور کا کھٹکا)

طالب علموں نے اول اول ان کو معمولی سمجھا اور حقارت سے دیکھا۔ انہوں نے مسجد کی جانماز پر اعتراض کیا کہ یہ منقش کیوں ہے؟ نماز کی جگہ نقش و نگار نہ ہونا چاہئے۔ اس سے نماز میں یکسوئی کامل نہیں ہوتی بار بار پھول بوٹوں پر نظر جاتی ہے۔ طلبہ نے اس مسئلہ پر گفتگو کرنی شروع کر دی تب معلوم ہوا کہ وہ بہت بڑے عالم ہیں اب ان کی سادہ وضع اور لباس کی بھی قدر ہوئی۔

(اسباب الفتنۃ ملحقہ مواعظ اصلاح ظاہر ص ۶۵ تا ۶۸)

حضور اکرم ﷺ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو تسلی دیتے تھے

دیکھو کفار نے حضور ﷺ کا نام بجائے محمد کے مذمم رکھ دیا تھا لیکن حضور ﷺ اس کا جواب تو کیا دیتے اس سے بڑھ کر یہ کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے یہ لفظ سنا نہ جاتا تھا اور اس گستاخی کے سننے کی تاب نہ لاتے تو حضور ﷺ ان کی تسلی کرتے اور فرماتے: ''اَلَمْ تَرَوْا کَیْفَ صَرَفَ اللّٰہُ عَنِّیْ شَتْمَ قُرَیْشٍ یَشْتِمُوْنَ مُذَمَّماً وَیَلْعَنُوْنَ مُذَمَّماً وَاَنَا مُحَمَّدٌ'' یعنی دیکھو حق تعالیٰ نے قریش کے برا بھلا کہنے کو اور سب وشتم کو مجھ سے کیسا ہٹایا ہے اور مجھے اس سے کیسا ہٹایا ہے۔ وہ مذمم کو گالیاں دیتے ہیں اور میں تو محمد ہوں۔

حضور ﷺ اس طرح تھامتے تھے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو اور بعض نے ایسے موقع پر جواب دینا شروع کیا تو یہ آیت اتری ''وَقُلْ لِعِبَادِیْ

يَقُوْلُوا الَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ. (۱)''یعنی کہہ دیجئے میرے بندوں سے کہ وہ بات کہا کریں جو اچھی ہے۔'' مطلب یہ ہے کہ بری بات کے جواب میں بری بات نہ کہیں۔ شیطان چاہتا ہے کہ ان میں لڑائی کرادے۔ سبحان اللہ کیسی تعلیم ہے اور اس سے بڑھ کر لیجئے فرماتے ہیں '' وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ.''(۲) یعنی مشرکین کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اس کے جواب میں حق تعالیٰ کی گستاخی کریں گے۔ اللہ اکبر کس قدر بچایا ہے بے ہودہ مشغلوں سے۔ ان سب تعلیمات کا حاصل یہی ہے کہ اپنے کام میں لگو، فضول جھگڑوں میں مت پڑو۔ بری بات کے جواب میں بری بات مت کہو۔ یہ بھی فضول حرکت ہے۔

(الباطن ملحقہ مواعظ اصلاحِ باطن ص۱۸۲، ۱۸۳)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی حضور ﷺ سے سچی محبت کے چند واقعات

کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو وہ محبت تھی حضور ﷺ سے کہ کسی کو نہیں ہوئی۔ اور یہی سبب تھا اطاعت کاملہ کا ورنہ اگر محبت کامل نہ ہو تو اطاعت کاملہ نہیں ہوسکتی۔ آجکل اکثر دین داروں میں بھی محض ضابطہ کی محبت ہے۔

صاحبو! بہت بڑا فرق ہے ضابطہ کی محبت میں اور جوش کی محبت میں۔ اول تو کوئی نہ کوئی غرض پنہاں ہوتی ہے اور اس میں ضرور فروگزاشت ہو جاتی ہے۔ وہ محض مصلحت پر مبنی ہوتی ہے اور بسا اوقات ایک مصلحت کے قائم مقام دوسری محبت ہو جاتی ہے تو نفس کہتا ہے کہ مقصود تو آگ سے بچنا ہے اس گناہ کو کرلو اس کے بعد توبہ کر لینا تو

---

(۱) بنی اسرائیل، ۵۳ (۲) سورۃ الانعام، ۱۰۸

آگ سے تو اس طرح بھی بچ جاؤ گے اور یہی وجہ ہے کہ ہم کو ہمارے نفس نے دلیر کر رکھا ہے تو آگ سے بچنے کی مصلحت ایک محرک عقلی ہے جس پر تقاضائے نفس غالب آسکتا ہے اور محبت محرک طبعی ہے کہ اگر یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ترکِ اطاعت پر عذاب نہ ہوگا تو بھی مخالفت سے شرماتا ہے کیونکہ وہاں داعی الی الاطاعت (اطاعت کی طرف داعی) طبعی ہو جاتا ہے۔ اس لئے فرماتے ہیں۔

صنمارہ قلندر سزاوار بمن نمائی   کہ دراز و دور بینم رہ و رسم پارسائی

اے مرشد! مجھ کو قلندری کا راستہ بتلا دیجئے کیونکہ پارسائی کا راستہ تو بہت دور دراز کا ہے۔

تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اطوع الخلق (تمام مخلوق سے زیادہ اطاعت کرنے والا) ہونا اسی وجہ سے ہے کہ وہ عاشق تھے، نرے مصلحت بین نہ تھے۔ ان کی یہ حالت تھی۔

رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار   کار ملک ست آنکہ تدبیر وتحمل بایدش

عاشق کو مصلحت بینی سے کیا تعلق۔ اس کو تو محبوب حقیقی کا کام سمجھ کر تحمل اور تدبیر چاہئے۔

ان کی اطاعت پر مصلحت بھی مرتب ہو جاتی تھی لیکن محبت اور اطاعت مصلحت پر مبنی نہ تھی۔ ان کی یہ حالت تھی کہ اگر مخالفت کرنا بھی چاہتے تو نہیں ہو سکتی تھی۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی محبت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ایک مرتبہ ایک صحابی نے پختہ مکان، ڈاٹ دار کسی مصلحت سے بنالیا کہ وہ مصلحت، ضرورت کے درجہ میں نہ تھی گو انہوں نے کسی درجے میں ضروری سمجھا ہو۔ اتفاق سے حضور ﷺ کا گزر ایک مرتبہ اس طرف سے ہوا۔ حضور ﷺ نے اس مکان کو دیکھ کر دریافت فرمایا کہ یہ مکان کس کا ہے؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! فلاں شخص

کا ہے۔ حضور ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا اور واپس تشریف لے آئے۔ جب صاحب مکان حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے سلام عرض کیا۔ حضور ﷺ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ وہ دوسری طرف سے آئے آپ ﷺ نے ادھر سے بھی منہ پھیر لیا۔ اب تو ان کو بہت فکر ہوئی۔ انہوں نے دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ کوئی خاص بات تو ہم کو معلوم نہیں ہاں اتنا ضرور ہوا تھا کہ حضور ﷺ تمہارے مکان کی طرف تشریف لے گئے تھے اور تمہارے مکان کو دیکھ کر دریافت فرمایا تھا کہ یہ کس کا مکان ہے۔ ہم نے بتلا دیا تھا اس پر حضور ﷺ نے کچھ فرمایا تو نہیں لیکن اس وقت سے خاموش ہیں۔ دیکھئے اس حدیث میں کہیں تصریح نہیں کہ حضور ﷺ نے مکان کی بابت کچھ بھی فرمایا ہو۔ اس لئے صاحب مکان کے پاس اس یقین کا کچھ بھی ذریعہ نہیں تھا کہ حضور ﷺ کی کبیدگی کی وجہ یہ مکان ہی ہے۔ آجکل کی عقل کا تو جس کی نسبت کسی کا قول ہے۔

آزمودم عقل دور اندیش را　　　بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

(عقل دور اندیش کو آزما لیا جب اس سے کام نہ چلا تو اپنے کو میں نے دیوانہ بنالیا)

یہ فتویٰ ہوتا کہ پوچھ تو لیتے یہی وجہ ناراضگی کی ہے یا کچھ اور۔ اگر یہی تو خیر اس کو گرا دیں بلکہ آجکل تو اس پر بھی اکتفا نہ کیا جاتا بلکہ پوچھا جاتا کہ حضور ﷺ اس میں خرابی کیا ہے؟۔ یہ تو فلاں فلاں مصلحتوں پر مبنی ہے جیسا آجکل ورثۃ الانبیاء (یعنی علماء کرام) کے ساتھ ان کے احکام خداوندی پہنچانے کے وقت اور منکرات پر تنبیہ کرنے کے وقت معاملہ کیا جارہا ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی ایسا کر سکتے تھے کہ حضور ﷺ سے اس کے اسرار دریافت کرتے جیسا آجکل دریافت کئے جاتے ہیں اور حضور ﷺ کو تو اسرار کی اطلاع بھی تھی علماء کو تو اسرار کی خبر بھی نہیں۔ یہ تو قانون کے عالم ہیں نہ کہ اسرار قانون کے عالم، تو اس صورت میں بس علماء سے اسرار کا

دریافت کرنا ہی غلطی ہے لیکن حضور ﷺ تو صاحبِ وحی ہیں آپ کو تو اگر بالفرض اسرار کی اطلاع نہ بھی ہوتی تو خدا تعالیٰ سے پوچھ کر بتلا دیتے لیکن ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سب کو نظر انداز کر کے وجہ خفگی کی تعیین کی بھی تو ضرورت نہیں سمجھی بلکہ جس میں ذرا سا بھی احتمال سببِ غضب ہونے کا ان کو ہوا اس کو خاک میں ملا دیا یعنی اسی وقت جا کر مکان کو زمین کے برابر کر دیا۔ شاید آجکل کے عقلاء اس حرکت کو خلاف عقل بتا دیں کہ محض احتمال پر اتنا مال ضائع کر دیا لیکن اگر خلاف عقل ہوتا تو حضور ﷺ اس کے گرانے پر ناخوش ہوتے۔ غرض انہوں نے مکان فوراً گرا دیا اور پھر گرا کر حضور ﷺ کو اطلاع بھی نہیں کی بلکہ اپنی قسمت پر بھروسہ کر کے بیٹھ رہے کہ جس طرح حضور ﷺ نے اتفاقاً مکان کو دیکھ لیا تھا اسی طرح میرے گرانے کی اطلاع بھی اگر حضور ﷺ کی خوشنودی میری قسمت میں ہے تو اتفاقاً ہو جائے گی کیونکہ جانتے تھے کہ اطلاع تو جب کروں جب حضور ﷺ پر مکان گرانے کا کچھ احسان ہو یہ تو محض اپنی ہی بھلائی ہے۔

''قُلْ لَا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدٰاکُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ.'' (سورۃ الحجرات، ۱۷)

''اے محمد! آپ فرما دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو بلکہ اللہ ہی تم پر احسان کرتا ہے کہ تم کو ایمان کی ہدایت فرمائی اگر تم سچے ہو۔''

غرض حضور ﷺ کا پھر اس طرف جو گزر ہوا، آپ نے فرمایا وہ مکان کیا ہوا؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صاحب مکان کو جب حضور کی خفگی کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے فوراً ہی آ کر مکان کو گرا دیا۔ حضور ﷺ اس کو سن کر بہت خوش ہوئے اور زیادتیٔ تعمیر کی مذمت فرمائی۔ اب یہ دوسرا مسئلہ ہے کہ کتنی تعمیر ضروری ہے جو یہاں مذکور نہیں۔

(فوائد الصحبۃ ملحقہ مواعظ تدبیر و توکل ص ۵۰۳ تا ۵۰۵)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی عجیب شان

صحیح حدیث میں ہے کہ جو شخص فتنہ کے وقت دین پر عمل کرے گا اس کو پچاس آدمیوں کا ثواب ملے گا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا کہ ہم میں سے پچاس کا یا ان میں سے پچاس کا؟ حضور علیہ السلام کا جواب سننے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں تم میں سے پچاس کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمانۂ فساد میں عمل بالدین کا ثواب پچاس ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ملتا ہے اور اس میں راز ہے کہ فساد کے وقت دین پر عمل کرنا بہت دشوار ہے۔ اس مجاہدہ کی وجہ سے ثواب اتنا بڑھ گیا۔ معلوم ہوا کہ مشقت اور مجاہدہ کی وجہ سے ثواب بڑھ جاتا ہے تو جو شخص ہجومِ وساوس کے ساتھ بھی ذکر میں لگا رہے اس حدیث کے مطابق اس کا ثواب بلا وسوسہ ذکر کرنے کے برابر بلکہ من وجہ زیادہ ہوگا۔ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی کیا شفقت تھی کہ سوال کر کے ہم لوگوں کیلئے کیسی بشارت چھوڑ گئے۔

واللہ عجب ہی سوال ہے۔ اس حدیث سے یہ نہ سمجھ جانا کہ تم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے مرتبہ میں بڑھ گئے کیونکہ مرتبہ میں بڑھ جانا کبھی عمل کی وجہ سے ہوتا ہے کہ ایک شخص کے عمل اور انکے ثواب دوسرے سے بڑھے ہوئے ہیں اور کبھی مرتبہ کا بڑھ جانا محض فضل سے بھی ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ بیوی سے محبت کبھی تو زیور کی وجہ سے ہوتی ہے کہ زیور بہت سے پہنے ہوئے ہر وقت بنی ٹھنی رہتی ہے جس سے خواہ مخواہ اس کی طرف میلان ہوتا ہے اور کبھی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اس کی صورت خداداد ہی ایسی ہے کہ محبوب ہے۔ چاہے اس کے بدن پر زیور بالکل بھی نہ ہو تو وہ عورت جس کے زیور زیادہ ہیں یہ نہیں کہہ سکتی کہ بس میں ہی محبوب ہو سکتی ہوں اور وہ عورت مجھ سے زیادہ محبوب نہیں ہو سکتی جس کے پاس زیور زیادہ نہیں ہے۔ ارے اس کو تو خدا نے کچھ ایسی چیز عطا فرمائی ہے جس کے سامنے تیرے زیور کی کچھ بھی حقیقت

نہیں۔ زیور تو ایک عارضی چیز ہے جس وقت اتر گیا کچھ بھی نہ رہا اور حسن خداداد ایسی چیز ہے کہ اسے اتارنا بھی چاہیں تو اتر نہیں سکتا۔ اسی طرح صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو زیادتِ قرب کا ایک وہ ذریعہ میسر ہے جو کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا اور وہ فضلِ خداوندی ہے اور اس کیلئے کوئی قاعدہ نہیں وہ اعمال پر متفرع نہیں ورنہ اگر یہ کہا جائے کہ درجات کے بڑھنے کی بنا محض اعمال ہی ہیں تو چاہیئے کہ نبوت جو سب سے بڑا درجہ ہے وہ بھی عمل سے حاصل ہو سکے حالانکہ وہ محض حق تعالیٰ کے فضل سے ملتی ہے۔ اس واسطے حق تعالیٰ نے کفار کے اس اعتراض کے جواب میں کہ ہم احکامِ خداوندی کو جب مان سکتے ہیں کہ ہم پر بھی وحی آئے یوں فرمایا ''اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ'' (۱) یعنی خدا ہی کو خوب معلوم ہے کہ رسالت کہاں چاہیئے۔ یعنی ہم مختار مطلق ہیں جس پر چاہا وحی اتار دی کسی کو اس میں دخل دینے کا مجاز نہیں اور اس کے واسطے کوئی علت اور کوئی وجہ بجز ہمارے ارادہ کے نہیں ہو سکتی۔ جس کو ہم نے چاہا فضیلت دے دی۔ معلوم ہوا کہ حصول درجات اور ترقیٔ مراتب کا مدار صرف اعمال پر نہیں اور اگر تسلیم کر لیا جائے تو ہم پوچھیں گے کہ عمل کہاں سے آیا۔ اس کی اصل اخیر میں جا کر ارادہ نکلے گی اور ارادہ منجانب اللہ ہے تو بعد قطع وسائط (۲) کے نتیجہ یہی نکلے گا کہ ترقیٔ درجات منجانب اللہ ہے سو جو بواسطہ عطا فرماتے ہیں کیا وہ بلا واسطہ عطا نہیں فرما سکتے۔ غرض آپ کے اعمال پر ثواب مل جانے سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر آپ کی فضیلت یا مساوات ہرگز لازم نہیں آتی۔

فضیلت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی ایک بلیغ مثال

دیکھئے آدمی مہمان کا تو اعزاز و اکرام کیا کرتا ہے اس کی خوب خاطر کرتا ہے طرح طرح کے کھانے کھلاتا ہے اور اپنے بیٹے اور گھر والے وہی کھاتے ہیں جو گھر میں

---

(۱) سورۃ الانعام، ۱۲۴ (۲) واسطے ختم کرنے کے بعد

پکتا ہے تو کیا مہمان کا یہ منہ ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ میں اس کے بیٹے سے اس کی نظر میں زیادہ عزیز ہوں۔ بیٹے کا عزیز ہونا اور وجہ سے ہے اور وہ وجہ مہمان کو قیامت تک نصیب نہیں ہو سکتی تو اب اگر کسی عمل کے ثواب میں حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بڑھ بھی گئے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان پر آپ کو فضیلتِ کلّیہ حاصل ہو جائے۔ ہاں یہ مسلم ہے کہ اس ایک عمل میں بڑھ گئے جیسے وہ مہمان روٹیوں کی تعداد میں اور کھانے کے انواع و اقسام میں بیٹے سے بڑھا ہوا ہے۔

(القاف ملحقہ مواعظ ذکر و فکر ص ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵)

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین حضور اکرم ﷺ کے عاشق تھے

جنگ احد میں بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ایک غلطی ہو گئی تھی وہ یہ کہ سیدنا رسول ﷺ نے جنگ شروع ہونے سے پہلے جب لشکر کی صف بندی فرمائی تو پچاس آدمیوں کو پہاڑ کی ایک گھاٹی پر متعین فرمایا اور ان سے ارشاد فرمایا کہ تم یہاں سے بدوں میری اجازت کے ہرگز نہ ہٹنا خواہ ہمارے اوپر کچھ ہی حالت گزر جائے۔ اس گھاٹی کی اس قدر حفاظت کی یہ ضرورت تھی کہ اس راستے سے دشمن کے آجانے کا اندیشہ تھا اور یہ گھاٹی لشکر اسلام کی پشت پر تھی اگر دشمن کی فوج کا ایک دستہ ادھر سے آجاتا اور ایک دستہ مقابل ہو کر لڑتا تو مسلمان بیچ میں گھر جاتے اور ظاہر ہے کہ آگے، پیچھے دونوں طرف سے لشکر کا گھر جانا سخت خطرناک ہے۔ اس لئے حضور ﷺ نے صف بندی کرتے ہوئے اس گھاٹی پر ایک جماعت کو تاکید کے ساتھ متعین فرمایا۔ خدا تعالیٰ نے حضور ﷺ کو قوتِ انتظام بھی ایسی عطا فرمائی تھی کہ غیر اقوام بھی اس کو تسلیم کرتی ہیں حتیٰ کہ وہ تو اشاعتِ اسلام کو حضور ﷺ کی قوت عقلیہ ہی کا نتیجہ سمجھتے ہیں تو وہ ہم سے بھی زیادہ حضور ﷺ کی قوت عقلیہ کے معتقد ہوئے کہ جس چیز کو ہم امداد غیبی کا نتیجہ سمجھتے ہیں وہ اس کو بھی حضور ﷺ کی قوت عقلیہ پر محمول کرتے ہیں۔ اس انتظام کے بعد حضور ﷺ نے لشکرِ اسلام کو حملہ کی اجازت دی اور الحمد للہ تھوڑی

ہی دیر میں مسلمانوں کو کھلی فتح حاصل ہوئی کہ ابوسفیان بن حرب جو اس وقت لشکر کفار کے سردار تھے مع لشکر کے بھاگ پڑے (اور جھنڈا بھی گر پڑا) حضرت ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ بھی بھاگیں اور بھاگتے ہوئے ان کے خلخال (۱) اور پنڈلیاں تک کھل گئیں۔ غرض کفار کو شکست فاش ہوئی اور مسلمان ان کے تعاقب میں دوڑے۔ ان پچاس آدمیوں میں اختلاف ہوا جو گھاٹی پر متعین تھے۔ بعض نے کہا کہ ہمارے بھائیوں کو فتح حاصل ہوگئی ہے اب ہم کو گھاٹی پر رہنے کی ضرورت نہیں۔ حضور ﷺ نے جس غرض کیلئے ہم کو یہاں متعین فرمایا تھا وہ غرض حاصل ہو چکی ہے اس لئے حکمِ قرار (۲) بھی ختم ہوگیا اب یہاں سے ہٹنے میں حضور ﷺ کے مقصود کی مخالفت نہ ہوگی اور ہم نے اب تک جنگ میں کچھ نہیں کیا تو کچھ ہم کو بھی کرنا چاہئے۔ ہمارے بھائی کفار کا تعاقب کر رہے ہیں ہم کو مال غنیمت جمع کر لینا چاہئے۔ بعض نے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا کہ حضور ﷺ نے صاف فرمادیا تھا کہ بدوں میری اجازت کے یہاں سے نہ ہٹنا اس لئے ہم کو بدوں آپ کی اجازت کے کچھ نہ کرنا چاہئے مگر پہلی رائے والوں نے نہ مانا اور چالیس آدمی گھاٹی سے ہٹ کر مالِ غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ یہ ان سے اجتہادی غلطی ہوئی اور گھاٹی پر صرف دس آدمی اور ایک افسر رہ گئے۔

حضرت خالد بن ولید اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے اور اس جنگ میں وہ لشکرِ کفار کی طرف تھے۔ یہ ہمیشہ سے بڑے مدبر اور جنگ آزمودہ ہیں۔ انہوں نے اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے تا کہ اس گھاٹی کی خبر وقتاً فوقتاً ان کو پہنچاتے رہیں چنانچہ عین اس وقت جبکہ حضرت خالد مع تمام لشکر کفر کے بھاگے جا رہے تھے ان کے جاسوس نے اطلاع دی کہ اب وہ مورچہ خالی ہے اور بجز دس، گیارہ آدمیوں کے وہاں کوئی نہیں

---

(۱) پازیب (۲) ٹھہرے رہنے کا حکم

ہے۔ حضرت خالد نے بھاگتے بھاگتے اپنا رخ پلٹا اور پانچ سو جوانوں کو ساتھ لے کر اس گھاٹی پر پہنچ گئے۔ دس، گیارہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو وہاں باقی رہ گئے تھے ان سے مقابل ہوئے مگر تھوڑی ہی دیر میں سب شہید ہو گئے اور حضرت خالد نے مسلمانوں کے پیچھے سے آکر ان پر حملہ کر دیا۔ یہ رنگ دیکھ کر کفار کا باقی لشکر بھی لوٹ پڑا اور مسلمان آگے، پیچھے دونوں طرف سے نرغے میں آگئے اور جس خطرے کیلئے حضور ﷺ نے حفاظت فرمائی تھی بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اجتہادی غلطی سے اس خطرے کا سامنا ہو گیا چنانچہ ستر کے قریب مسلمان شہید ہوئے اور شیطان کی اس جھوٹی آواز پر کہ محمد ﷺ قتل ہو گئے بہت سوں کے پیر اکھڑ گئے اور جنگ کا نقشہ بالکل بدل گیا (یہ سب کچھ ہوا مگر مسلمانوں کو شکست نہیں ہوئی کیونکہ شکست کے معنی ہیں کہ لشکر مع اپنے سردار کے بھاگ جائے اور یہاں ایسا نہیں ہوا کیونکہ سیدنا رسول اللہ ﷺ مع چند جاں نثاروں کے میدان میں جمے رہے آپ کبھی نہیں بھاگے اور تھوڑی دیر کے بعد جب حضور ﷺ نے ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ بھاگنے والوں کو پکارے تو فوراً میدان میں سب مسلمان آموجود ہوئے۔ (ہاں اتنا ضرور ہوا کہ اس جنگ میں مسلمانوں کو نمایاں فتح حاصل نہیں ہوئی۔۱۲)

حق تعالیٰ نے اس واقعہ میں مسلمانوں پر مصیبت آنے کا سبب ان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی غلطی اجتہادی کو قرار دیا جو حضور ﷺ کی اجازت کے بغیر گھاٹی سے ہٹ گئے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے "وَعَصَيْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ" (۱) (اور تم کہنے پر نہ چلے بعد اس کے کہ تم کو تمہاری دل خواہ بات دکھادی گئی تھی)

اس کے بعد بطور عتاب کے فرماتے ہیں "فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِكَيْلَا

---

(۱) سورۃ آل عمران، ۱۵۲

تَحۡزَنُوۡا عَلٰی مَا فَاتَکُمۡ"(۱) یعنی پھر خدا تعالیٰ نے تم کو بھی غم دیا بدلہ (اس) غم کے (جو تم نے نافرمانی کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا) اس کے بعد اس انتقام کی حکمت ارشاد فرماتے ہیں "لِکَیۡلَا تَحۡزَنُوۡا عَلٰی مَا فَاتَکُمۡ"(۲) تا کہ تم کو (انتقام لینے کے بعد) اس بات پر زیادہ رنج نہ ہو جو تم سے فوت ہوگئی۔ یہ وہی بات ہے جو میں نے ابھی بیان کی تھی کہ بعض طبیعتوں پر خطا کا انتقام نہ لینے سے ندامت زیادہ غالب ہوتی ہے اور انتقام لینے سے ندامت کم ہو جاتی ہے۔ اس بنا پر ارشاد ہے کہ ہم نے تم کو تھوڑی سی مصیبت اس لئے دے دی تا کہ بدوں سزا کے معافی دینے سے تم پر ندامت و رنج کا غلبہ زیادہ نہ ہو۔ بعض مفسرین نے اس جگہ لکیلا تحزنوا (تا کہ تم مغموم نہ ہو) میں لا نافیہ کو زائدہ مانا ہے۔ ان کو یہ خیال ہوا کہ موقع عتاب کا ہے اور سزا تو رنج دینے کیلئے دی جاتی ہے۔ پھر اس کا کیا مطلب کہ تم کو اسلئے غم دیا تا کہ تم مافات (۳) پر رنج نہ کرو۔ ان کے نزدیک لا کو اپنے معنی پر رکھ کر مطلب نہ بن سکا اس لئے انہوں نے لاء کو زائدہ کہہ کر یہ مطلب بیان کیا کہ تم کو غم دیا تا کہ تم کو مافات پر رنج ہو۔ مگر جس نے اس حالت کو سمجھا ہے جو میں نے اوپر بیان کی ہے وہ سمجھے گا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق تھے۔ اگر ان کی خطا بدوں کسی انتقام کے معاف کر دی جاتی تو عمر بھر مارے ندامت کے نظر نہ اٹھا سکتے۔ اس لئے ان کو تھوڑی سی مصیبت دے دی گئی تا کہ زیادہ رنج غالب نہ ہو۔ پس یہ کہنا غلط ہے کہ سزا ہمیشہ رنج دینے کیلئے ہوا کرتی ہے بلکہ بعض دفعہ رنج کو کم کرنے کیلئے بھی سزا دی جایا کرتی ہے۔ اس حالت پر نظر کر کے تفسیر نہایت صاف ہے اور لا کو زائدہ کہنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اب بتلایئے جس شخص کی یہ حالت ہو کہ خطا کر کے بدوں سزا کے اسے چین ہی نہ پڑے وہ واقعات رحمت سن کر گناہوں پر دلیر ہوگا یا غیرت سے زمین میں گڑ جائے گا۔ یقیناً جو لوگ صحیح مزاج ہیں اور جن کو خدا تعالیٰ سے محبت کا تعلق

---

(۱) ایضاً (۲) ایضاً (۳) گزشتہ جو نہ مل سکا

ہے وہ تو واقعات رحمت سن کر پہلے سے زیادہ اطاعت پر گریں گے۔نمک حرام ہے وہ نوکر جس کو خطا بدوں سزا کے معاف کر دی جائے تو ناز کرنے لگے اور نافرمانی پر دلیر ہو جائے۔شریف وہ ہے جو آقا کی اس عنایت کو دیکھ کر عمر بھر کیلئے گڑ جائے۔

(ذم النسیان ملحقہ مواعظ ذکر وفکر ص ۳۸۹ تا ۳۹۱)

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی اولوالعزمی

اور اسی بنا پر جب ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک شخص نے یہ طعن کیا کہ تم کو تمہارے نبی ﷺ ہگنا، موتنا بھی سکھلاتے ہیں تو ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہایت دلیری سے جواب دیا کہ بے شک ہمارے نبی ﷺ ہم کو ہگنا، موتنا بھی سکھلاتے ہیں۔صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ حقیقت سمجھتے تھے ایسے موقع میں اعدائے دین (۱) سے الجھتے نہ تھے۔اب ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ صریح دین کی باتوں میں بھی الجھنے لگتے ہیں۔ایک شخص کہتے تھے کہ میں نے ریل میں نماز اس لئے نہیں پڑھی کہ سب کے سب ہندو ہی اس میں تھے وہ میری حرکات پر ہنستے اور دین کی اہانت ہوتی استغفر اللہ اور گو الحمد للہ ہم پر تو اتنا اثر نہیں ہوتا کہ نماز چھوڑ دیں لیکن اتنا اثر ضرور ہوتا ہے کہ اگر ہم غیروں کے سامنے کھانا کھاتے ہوں اور ہمارے ہاتھ سے ٹکڑا زمین پر گر جائے تو اس کو اٹھا کر کھانے کی ہمت نہ ہوگی اس کو عار سمجھیں گے۔اگر بہت ہی ادب اور دین داری کا غلبہ ہوگا تو کسی نوکر کو اٹھا کر دیں گے کہ اس کو کہیں ادب سے رکھ دو مگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی یہ حالت تھی کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی جگہ کے حاکم ہو کر گئے۔ایک مرتبہ دورہ میں تھے کہ کھانا کھاتے وقت ایک لقمہ آپ سے گر گیا، مٹی لگ گئی۔معلوم ہوتا ہے کہ کوئی فرش بھی کافی آپ کے آگے نہ تھا۔آپ نے اس لقمہ کو اٹھا کر صاف کر کے کھا لیا اور سب عجمی دیکھتے رہے۔ایک شخص

---

(۱) دین کے دشمن یعنی کفار

نے اسی وقت آپ کے کان میں کہا کہ یہ لوگ ایسی باتوں کو ذلت سمجھتے ہیں۔آپ نے باآواز بلند یہ جواب دیا کہ ان احمقوں کی خاطر اپنے نبی کریم ﷺ کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتا۔

صاحبو! ہم کو جو کچھ ذلت ہوئی وہ اپنے اسلاف کی اتباع چھوڑنے سے ہوئی۔ایسا ہی قصہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے کہ ماہان ارمنی کے پاس جب مسلمان گئے تو وہاں حریر کا فرش بچھا ہوا تھا۔حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ اس کو الٹ دیا جائے۔ماہان ارمنی نے کہا کہ میں نے آپ کی عزت کی تھی آپ نے اس کو قبول نہیں فرمایا۔حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ حضور ﷺ نے ہم کو اس سے منع فرمایا ہے اور تو جو یہ کہتا ہے کہ میں نے عزت کی تھی تو سمجھ زمین خدا کا فرش ہے جو تیرے حریری فرش سے بدرجہا بہتر اور افضل ہے۔

نباشد اہل باطن در پئے آرایش ظاہر　　بنقاش احتیاجے نیست دیوار گلستاں را

(جو اہل باطن ہوتے ہیں وہ اپنے ظاہر کو سنوارنے کی فکر میں نہیں رہتے۔ باغ کی چار دیواری جس پر خود پھولوں کی بیلیں ہوتی ہیں اس کو نقش ونگار بنانے والے کی کیا ضرورت؟)

ان حضرات کے قلوب ایسے کھلے ہوئے تھے کہ بڑے بڑے آدمی کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے۔صاحبو! یہ ہے اولوالعزمی اور جب ہر چمک دار چیز کی چمک دمک سے ہماری آنکھیں چندھیانے لگیں تو قلوب میں سے وہ اولوالعزمی جاتی رہی۔ایک کنیسہ (۱) میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو قید کی حالت میں عیسائیوں نے محض اپنی شان وشوکت وعظمت دکھلانے کو جہاں نہایت ہی آرائش اور چمک دمک

---

(۱) عیسائیوں کی عبادت گاہ

تھی نیز وہاں حسین عورتوں کو جمع کیا گیا تھا۔ مقصود یہ تھا کہ ان عورتوں کو دیکھ کر ان کی طرف میلان ہوگا اور ہمارے دین کی طرف راغب ہوں گے۔ جب اس سامان کو دیکھا ہے تو با آواز بلند کہنا شروع کیا اللہ اکبر اللہ اکبر لکھا ہے کہ اس تکبیر کی ہیبت سے کنیسہ میں حرکت ہوگئی اور وہاں کے قندیل آپس میں ٹکرانے لگے۔ صاحبو! آج ہم لوگوں کی تکبیر سے کیوں نہیں ٹکرا جاتے۔ واللہ ہم لوگ گر گئے ہیں۔ (ملحقہ مفاسد گناہ ص۴۳۲، ۴۳۳)

مشاجراتِ صحابہؓ کے بارے میں ایک شبہ کا جواب

فرمایا ایک شخص منشی صفدر حسین تھے انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں شبہ کیا کہ حدیث میں وارد ہے ''مَنْ سَبَّ اَصْحَابِیْ فَقَدْ سَبَّنِیْ'' (جس نے میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر تنقید کی اس نے مجھ پر تنقید کی) اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایسا کرتے تھے۔ پس یہ وعید ان پر ضرور عائد ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ یہ وعید غیر اصحاب کیلئے ہے۔ اسکی نظیر ہمارے محاوروں میں یہ ہے کہ کہتے ہیں جو میری اولاد کو نظر بھر کر بھی دیکھے گا اس کو میں سمجھوں گا تو اس سے مراد غیر اولاد ہوتی ہے۔ انہوں نے کھسیانہ ہو کر کہا کہ یہ ذہانت کے جواب ہیں۔ میں نے کہا اور کیا غباوت کے جواب چاہئیں۔

(حکیم الامتؒ کے حیرت انگیز واقعات ص ۲۰۱)

کسی صحابی سے گناہ کے صدور پر بھی ان کی غیبت جائز نہیں

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ایک صاحب کے سوال پر حضرت نے فرمایا کہ انتہائی بات یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گناہ ہوگیا اور فرض کرلو کہ گناہ بھی کبیرہ ہوا مگر اب یہ فیصلہ کرو اگر کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گناہ سرزد ہو جاوے تو ہمیں ان کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے؟ کیا ان کی بدگوئی

اور غیبت جائز ہو جاوے گی؟ دیکھو حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گناہ کبیرہ یعنی زنا، پھر خود رسول اللہ ﷺ سے ان پر سزائے رجم جاری کرنا مخصوص احادیث سے ثابت ہے مگر جب ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غیبت کی تو حضور ﷺ نے سختی سے منع فرمایا۔

(مجالس حکیم الامتؒ ص ۱۶۴، ۱۶۵)

مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا سبب

دو فقیروں میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ کوئی ان میں بڑائی کا طالب نہیں (یعنی جو حقیقت میں فقیر ہوں ان میں اختلاف نہیں ہوسکتا نہ یہ کہ فقیر کی صورت میں ہوں جن کی نسبت کہا ہے۔

اینکہ مے بینی خلاف آدم اند نیستند آدم غلاف آدم اند

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ پھر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں اختلاف کیوں ہوا؟ حالانکہ وہ کامل، مکمل فقیر اور مہذب تھے۔ان سے زیادہ اصلاحِ نفس کون کرسکتا ہے؟ اس کا جواب بھی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہی کے کلام میں موجود ہے۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے سوال کیا کہ شیخین کے وقت میں تو اختلاف نہیں ہوا۔آپ کے وقت میں اختلاف کیوں ہوا؟ آپ نے جواب دیا کہ سلطنت کا مدار وزراء پر ہوتا ہے۔شیخین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے وزیر ہم تھے لہذا اختلاف نہیں ہوا اور ہمارے وزیر تم ہو تو اب جو کچھ اختلاف ہے وہ تمہاری بدولت ہے۔ہمارا قصور نہیں۔کیسا اچھا جواب دیا اور بات کیسی سچی ہے۔ بڑوں پر چھوٹوں کے کہنے کا اثر ضرور ہوتا ہے۔اسی واسطے حضور ﷺ فرماتے ہیں کوئی کسی کی شکایت مجھ کو نہ پہنچاوے "وَدِدْتُ اَنْ اَخْرُجَ اِلَیْکُمْ وَاَنَا سَلِیْمُ الصَّدْرِ" یعنی مجھے یہ پسند ہے کہ میں تم لوگوں سے ملوں تو صاف دل ملوں۔اس سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ شکوہ شکایت کا اثر ضرور ہوتا ہے جبھی تو حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا اگر اثر نہ

ہوتا تو منع فرمانے کی کیا حاجت تھی؟ بیچ والوں کو دخل ضرور ہوتا ہے اگر چہ یہ بھی یقینی
ہے کہ حضور ﷺ پر شکوہ شکایت کا طبعی اثر ہونے پر بھی اس کے مقتضی پر عمل نہ ہوگا
کیونکہ حضور ﷺ مغلوب النفس نہ تھے۔ آپ جو کچھ کریں گے سوچ سمجھ کر کریں گے
اور حضور ﷺ صاحب وحی بھی ہیں اگر کوئی بات سمجھ میں بھی نہ آئے گی وحی سے
اطلاع ہو جائے گی مگر یہ تو ثابت ہوا کہ کہنے سننے کا اثر ہوتا ہے۔ تب تو حضور ﷺ نے
اس کی پیش بندی فرمائی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سلطنت تو بڑی چیز ہے گھروں میں اور
چھوٹے چھوٹے کاموں میں بیچ والوں اور متعلقین پر کچھ نہ کچھ وثوق ہوتا ہے اور ایسا
کرنا پڑتا ہے ورنہ تنہا ایک آدمی کام نہیں کر سکتا کیونکہ ہر کام میں دوسروں کی اعانت
کی ضرورت کچھ نہ کچھ ہوتی ہے۔ انسان اپنے سارے کام اپنے ہاتھ سے نہیں کر سکتا
تو کام پورا ہونے کی صورت سوائے اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ معینین پر اس کام کے
اجزاء تھوڑے تھوڑے بانٹ دیئے جاویں اور اس جزو میں اس پر اعتماد کیا جاوے
اور اگر ایسا نہ کیا جاوے تو کام پورا ہی نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ذرا سا کام کھانا پکانا ہے دیکھ
لیجئے ہر انسان اپنے ہاتھ سے کھانا نہیں پکا سکتا اس واسطے اس کام کیلئے باورچی کو رکھتے
ہیں مگر یہ کام پورا جب ہی ہوگا جبکہ باورچی پر اعتماد کیا جاوے اور اگر اعتماد نہ ہو اور
اس کے کام میں وہم نکالے جائیں کہ ممکن ہے وہ زہر ملا دے اور جان جاتی رہے یا
کوئی نجاست ملا دے یا چرا لے تو کھانے پکانے کا کام پورا نہیں ہو سکتا بلکہ بدگمانی کو
دخل دیا جاوے تو کوئی ایسا کام بھی پورا نہیں ہو سکتا جس میں دوسرے کی اعانت کی
ضرورت نہ ہو مثلاً محلّہ کے کنویں سے کوئی شخص پانی نکال کر وضوء کرنا چاہے مگر یہ وہم
کرے کہ شاید کسی نے استنجے کا ڈھیلا ڈال دیا اور یہ ناپاک ہو تو وضوء ہو چکا اور نماز
پڑھی جا چکی۔ غرض اعتماد سے چارہ نہیں اور اپنے احباب پر اعتماد کرنا کوئی جرم نہیں۔
نہ یہ غلطی میں داخل ہے۔ ہاں یہ غلطی ہو سکتی ہے کہ غیر معتبر کو معتبر سمجھ لیا جاوے اور اس
میں بھی بعض وقت آدمی مجبور ہوتا ہے کیونکہ کسی کے ظاہری حالات ہی کو دیکھ سکتا ہے
اور انہیں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور ممکن ہے کسی کا ظاہر کچھ ہو اور دل میں کچھ چھپا رکھا

ہویا حالت کا بدل جانا بھی ممکن ہے۔ہو سکتا ہے طمع وغیرہ سے کسی کی نیت بدل جاوے چنانچہ سلطنت میں ایسا بہت ہوتا ہے اور ہوتا ہے تو ظاہر پر نظر کر کے اعتماد میں غلطی ممکن الوقوع ہے بڑے بڑوں سے ایسی غلطی ہونا ممکن ہے اور اس میں وہ معذور ہیں اور جب اعتماد سے چارہ نہیں اور اس میں غلطی ہونا ممکن ہے تو اس کی تدبیر بس ایک ہی ہو سکتی ہے کہ معتمد علیہ کے اخلاق کی درستی کی جاوے کہ وہ کسی قسم کا دھوکہ نہ کرے۔آگے اس کا فعل ہے وہ اس پر عمل کرے نہ کرے۔غرض دو شخصوں کا لڑا دینا درمیانی غیر اصلاح شدہ لوگوں کا کام ہے تو اگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے درمیان اشخاص کی لگائی بجھائی کا اثر ہو گیا جن کو قابل اعتماد سمجھتے تھے تو تعجب کی کیا بات ہے؟اس میں ان پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔یہ اصل ہے مشاجرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی۔

ہمارے لئے تعظیم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ضروری ہے

باقی ہمارے وہ سب سے بڑے بزرگ ہیں۔ایک باپ ہیں تو دوسرے چچا ہیں۔اگر کچھ غلطی ہو تو چچا کی غلطی بھتیجے کو پکڑنا نہیں چاہئے۔ان کے اختلاف میں تاویل کریں گے۔وہ تاویل یہ ہے کہ کسی طرف اجتہادی غلطی ہو گئی جس میں مجتہد معذور ہوتا ہے اور یہ یقینی ہے کہ دونوں میں سے کسی نے ہوائے نفسانی سے ایسا نہیں کیا۔شاید کوئی کہے کہ جیسے ان کی بزرگی کو اس کا موجب قرار دیا جاتا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور کسی پر طعن نہ کیا جائے اسی طرح ان کی بزرگی اس کی بھی تو موجب ہے کہ ان کی غلطی کی سزا بھی تو بڑی ہو کیونکہ بڑوں کی غلطی اور ان کی سزا بھی بڑی ہوتی ہے لہذا اس سزا کا ذکر کر کے طعن کرنے میں کیا حرج ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ یہ کیا تھوڑی سزا ہے کہ ہم اس ناپاک منہ سے ان کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ ان سے غلطی اجتہادی ہو گئی۔ ہمارے لئے تو یہ بھی چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔اس سے آگے تم جزاو سزا کے تخمینے لگانے والے کون ہو؟ جہنم تمہاری ملک

نہیں جس کی ملک ہے وہ جائیں۔ سو ان کی سن لیجئے جہنم جن کا ہے وہ اپنے رسول کی زبان سے فرماتے ہیں ''طُوْبٰی لِمَنْ رَآنِیْ وَاٰمَنَ بِیْ'' اور فرماتے ہیں ''لَا تَمَسُّ النَّارُ مَنْ اٰمَنَ بِیْ'' وہ تو ان کو جہنم سے بری فرماتے ہیں اور آپ ان کیلئے سزائیں تجویز کرتے ہیں۔ مدعی سست گواہ چست۔ ہمیں اس معاملہ میں گفتگو نہ کرنا چاہئے۔ جب خدا تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے خون سے رنگین ہونے سے بچالیا تو ہم پاگل ہیں کہ اپنی زبان کو ان کی تحقیر سے گندہ کریں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں:

''تِلْکَ دِمَاءٌ قَدْ طَهَّرَ اللّٰهُ مِنْهَا اَیْدِیَنَا فَلَا نُلَوِّثُ بِهَا اَلْسِنَتَنَا''

فرسودہ تاریخ

یہ تو جواب تحقیقی ہے اور جواب الزامی یہ ہے کہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا جس تاریخ میں ذکر ہے وہ تاریخ غلط ہوگی۔ تاریخ کی صحت پر کونسی وحی آچکی ہے بلکہ وحی تو اس کے خلاف پر ہے۔ حق تعالیٰ ان کی نسبت فرماتے ہیں ''رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ'' رحماء میں کہیں جنگ وجدال بھی ہوتی ہے۔ الغرض ہم کو ان قصوں میں نہ پڑنا چاہئے۔ ہمارا منہ تو ان حضرات کے سامنے ایسا ہے کہ اس سے ان کی مدح کے بھی لائق نہیں ۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک وگلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

میں کہتا ہوں کہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے واقعات صحیح روایات میں دیکھے جائیں تو یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ ہر فریق نے جو صورت بھی اختیار کی اس میں وہ مجبور تھا۔ واقعات ایسے پیش آئے کہ حضرت معاویہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے تسلیم نہ کرنے میں مجبور تھے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی مخالفت کو بغاوت پر محمول

کرنے میں مجبور تھے۔(۱) (الکاف ملحقہ مواعظ مفاسد گناہ ص ۱۴۰ تا ۱۴۲)

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی لغزشیں سب معاف ہیں

تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی محبت کا یہ عالم تھا اور اس محبت کا مقتضی بھی یہی ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی ذلات (۲) بالکل معاف ہوں۔دیکھئے اگر کسی جان نثار خادم سے کبھی کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو اس کی پرواہ بھی نہیں کیا کرتے۔ابھی حال ہی میں ایک واقعہ ہوا کہ ایک صاحب کے بدن میں ایک گہرا زخم ہوگیا تھا۔ڈاکٹر نے دیکھ کر کہا کہ اس زخم میں اگر کسی آدمی کا گوشت لے کر بھرا جائے تو یہ برابر ہو جائے گا۔ان صاحب کا ایک نوکر اس وقت موجود تھا کہنے لگا کہ میری ران میں سے جس قدر گوشت کی ضرورت ہو، لے لیا جاوے۔اب بتلایئے کہ اگر اس خادم سے کبھی کوئی سرسری لغزش ہو جائے تو کیا وہ آقا اس پر مؤاخذہ کرے گا ہرگز نہیں۔پس یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر طعن کرنا جائز نہیں۔

(فوائد الصحبۃ ملحقہ مواعظ تدبیر وتوکل ص ۵۰۶)

مشاجرات صحابہؓ کا نہایت قابل اطمینان جواب

صاحبو! جو مشاجرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے منقول ہیں اور جتنی لغزشیں ہوئی ہیں اگر ان سے دس حصہ زیادہ ہوتیں وہ بھی معاف تھیں۔غضب کی بات ہے کہ آپ اپنے کو قدر دان سمجھتے ہیں کہ وفادار جان نثار کی غلطی کو قابل معافی سمجھتے

---

(۱) واقعات میں غور کرنے کے بعد کسی تأمل کی ضرورت نہیں رہتی ۱۲ ظفر۔اور غور کرنے کے بعد ان واقعات میں دوسروں کا ہاتھ نظر آوے گا۔۱۲۔حاشیہ حضرت مولانا حکیم محمد مصطفیٰ صاحب بجنوریؒ

(۲) خطائیں

ہیں اور خدا تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کو اتنا بھی قدر دان نہیں سمجھتے۔ اس لئے ہم بلا تامل کہتے ہیں ''لَا تَمَسُّ النَّارُ مَنْ رَانِیْ'' (جس شخص نے مجھ کو دیکھا اس کو آگ نہ چھوئے گی) اور اگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بعض افعال ذلت ہیں تو ہم ان کی نسبت کہیں گے۔

خونِ شہیداں زآب اولیٰ ترست ایں خطا از صد ثواب اولیٰ ترست

(شہیدوں کا خون پانی سے اولیٰ تر ہے۔ یہ خطا سو ثواب سے بہتر ہے)

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی جان نثاری

غرض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی یہ شان تھی اور ان کی اس محبت کا علم اور اندازہ ان کفار کو بھی تھا چنانچہ جب حدیبیہ کی صلح ہوئی ہے اور علی سبیل التعاقب رؤساءِ کفار مسلمانوں میں آگئے تو ایک رئیس نے جا کر اپنی قوم سے کہا کہ میں نے بڑے، بڑے شاہان دنیا کا دربار دیکھا ہے۔ قیصر اور کسریٰ کے درباروں میں شریک ہوا ہوں مگر کسی کے حشم و خدم کو میں نے اتنا مطیع نہیں دیکھا جس قدر کہ اصحابِ محمد ﷺ مطیع ہیں۔ یہ حالت ہے کہ اگر آپ ﷺ تھوک پھینکتے ہیں تو وہ زمین پر نہیں گرتا اور جب وضوء کرتے ہیں تو اس کا غسالہ (۱) لوگ اپنے ہاتھوں پر لیتے ہیں اور اگر کسی کو نہیں ملتا تو وہ دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مل کر اپنے منہ پر پھیر لیتا ہے۔ گویا وہ حالت تھی کہ

مرا از زلف تو موئے بسند ست ہوس را رہ مدہ بوی بسند ست

(یعنی اگر محبوب نہ ملے تو اس کا بال ہی کافی ہے۔ اگر بال بھی نہ ملے تو خوشبو ہی بہت ہے۔)

صاحبو! بتلایئے یہ بھی کہیں قرآن میں یا حدیث میں حکم ہے کہ نبی کریم ﷺ کا

---

(۱) بچا ہوا پانی

غسالۂ وضو اپنے منہ پر ضرور ملا کرو۔ اللہ اکبر۔ اس وقت بہت جماعتیں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر طعن کرتی ہیں مگر ان کی اس حالت کو نہیں دیکھتے بھلا نماز، روزہ وغیرہ کی بابت تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جنت کے شوق میں کرتے تھے لیکن غسالۂ وضوء کا حکم وجوبی یا استحبابی کہیں آیت میں تھا کہ اس کو منہ پر مل لیا کرو تو فلاں فضیلت ملے گی؟ اس وقت تو واللہ بعض ایسے مستقل مزاج ہیں کہ اگر حضور ﷺ کو وضو کرتے دیکھتے تو کبھی حرکت بھی نہ ہوتی۔ کیا اس وقت سو میں ایک شخص بھی ایسا برتاؤ کر سکتا ہے جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کیا بلکہ عجب نہیں کہ اس فعل سے استنکاف (۱) کرتے۔

(فوائد الصحبۃ ملحقہ مواعظ تدبیر و توکل ص ۵۰۸)

صحابہؓ کی اطاعت اور انقیاد کی ایک عجیب حکایت

میں نے ایک مقام پر دیکھا ہے مگر اس وقت یاد نہیں کہ ایک شخص ایک عورت سے نکاح کرنا چاہتے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اس کو دیکھ بھی لیا ہے۔ مقصود یہ تھا کہ کسی تدبیر سے ایک مرتبہ اس کو دیکھ لو۔ یہ مطلب نہیں تھا کہ جا کر اس کے ماں باپ کو پیغام دو کہ مجھے اپنی لڑکی کو دکھلا دیں مگر وہ ایسے بھولے، بھالے تھے کہ جا کر اس عورت کے ماں باپ کو پیغام دیا کہ مجھے اپنی لڑکی دکھلا دو۔ اس لڑکی کے ماں باپ کو یہ بات ناگوار ہوئی۔ انہوں نے کچھ کہنا چاہا۔ پس پردہ لڑکی بھی موجود تھی حضور ﷺ کا نام سن کر فوراً پردہ ہٹا دیا اور اپنے ماں باپ سے کہا کہ خبردار حضرت ﷺ کے ارشاد کے بعد کچھ نہ بولنا اور اس شخص سے کہا کہ جب حضور ﷺ نے فرمایا ہے تو میں حاضر ہوں تم مجھے دیکھ لو۔

صاحبو! یہ محبت کا خاصہ ہے کہ اس میں مصالح اور ننگ و عار سب بالائے طاق رکھے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

---

(۱) شرمندگی محسوس کرتے۔

شاد باش اے عشق خود سودائے ما اے دوائے جملہ علتہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما اے تو افلاطون و جالینوس ما

(اے عشق خدا تجھ کو خوش رکھے تو ایسا ہے کہ تیری بدولت خیالات درست ہو جاتے ہیں اور تجھ سے تمام امراض کا علاج ہو جاتا ہے۔ تجھ سے نخوت و ناموس کا دفیعہ ہو جاتا ہے۔ تو ہماری لئے مثل افلاطون اور جالینوس کے ہے)

کیا اچھی بات فرمائی کہ اے دوائے نخوت و ناموس ما۔

(فوائد الصحبۃ ملحقہ مواعظ تدبیر و توکل ص ۵۱۰،۵۱۱)

صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین کی عجیب شان

صاحبو! یہ حالت تھی کہ کثرت سے صحابیات (رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین) نے مختلف اوقات میں آ کر حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ہم کو قبول فرما لیجئے اور اپنی کنیزی میں رکھ لیجئے اور آپ نے فرما دیا کہ مجھ کو ضرورت نہیں۔ پھر کیا اس فعل پر ان کی مذمت کی گئی۔ ہرگز نہیں۔ ان کی جو قدر کی گئی اس کو بھی سن لیجئے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی نے ایک مرتبہ ایسے ہی واقعہ میں یہ کہہ دیا کہ مَا اَقَلَّ حَیَاءَ ھَا (کیسی بے شرم ہے) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بگڑ گئے اور فرمایا کہ وہ تجھ سے ہزار درجہ اچھی تھی کہ اپنے کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتی تھی۔

ولی کا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے برابر نہ ہونے کا راز

اور یہی راز ہے کہ غیر صحابی خواہ کتنا ہی بڑا ہو جاوے لیکن صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ حضرت غوث الاعظم سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا کہ اگر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھوڑے پر سوار ہوں اور اسکے پیروں کی گرد اڑ کر اس گھوڑے کی ناک پر جا بیٹھے تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی

وہ ناک کی گرد عمر بن عبد العزیز اور اویس قرنی (رحمہما اللہ تعالیٰ) سے افضل ہے۔ ہم کو اس فتوی کی قدر نہیں ہے مگر اہل محبت جانتے ہیں کہ حضرت غوث الاعظم (رحمہ اللہ تعالی) نے کیا بات فرمائی۔

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

(گوہر کی قدر بادشاہ جانتا ہے یا جوہری جانتا ہے)

تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں بڑی بات یہ تھی کہ وہ حضرات پورے عاشق تھے اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے علمی، عملی وہ اصلاح کی کہ نہ کوئی فلسفی اپنی قوم کی کرسکا اور نہ کوئی سلطان اپنی رعایا کی کر سکا کیونکہ ان کے پاس تو نور ہی دوسرا تھا جس کو فرماتے ہیں "اَوَمَنْ كَانَ مَيْتاً فَاَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَالَهُ نُوْراً يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ" (۱) (کیا جو مردہ ہو پس اس کو ہم زندگی بخشیں اور اس کیلئے ایک نور کر دیں کہ وہ اس کو لوگوں میں لیے پھرتا ہے) اس کو نور سے تعبیر کیجئے یا برکت صحبت کہئے سب کا خلاصہ ایک ہی ہے۔

عبارا تنا شتی وحسنک واحد

وکل الی ذاک الجمال یشیر

(ہمارے عنواناتِ بیان مختلف ہیں مگر تیرا حسن ایک ہی ہے۔ ہر عنوان اسی حسن کی طرف اشارہ کرتا ہے)

اگر ہم بھی اس مقام پر پہنچنا چاہیں جس پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تھے (یعنی باعتبار عطا کے کیونکہ وہ جاہ تو ہم کو کہاں نصیب)

(فوائد الصحبۃ ملحقہ مواعظ تدبیر وتوکل ص ۵۱۱، ۵۱۲)

تو صورت یہ ہے کہ ہم ان سے وابستگی اطاعت کی پیدا کرلیں کہ اس کی بدولت

---

(۱) سورۃ الانعام، ۱۲۳

انہی کے ساتھ لگے چلے جاویں جیسے ایک انجن پشاور سے چلے اور کلکتہ پہنچے اور ایک ٹوٹی ہوئی گاڑی بھی کلکتہ پہنچنے کی متمنی ہو تو اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ اس انجن کے ساتھ اپنی زنجیر ملا لے۔ تو اب ہمارا بھی یہی کام ہونا چاہئے کہ ہم صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے ساتھ تعلق پیدا کرلیں۔ خیر یہ سب جملہ معترضہ تھے۔ مقصود یہ تھا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی محبت کا یہ عالم تھا اور کفار کو بھی اس کا علم تھا اس لئے ان کا مقصود یہ تھا کہ تھوڑی دیر کیلئے ان میں جدائی ہی ڈال دیں تو یہ رنگ لائے مگر دوستی کے پیرائے میں۔

دشمن ار چہ دوستانہ گویدت دام داں گرچہ ز دانہ گویدت

زآنکہ صیاد آورد بانگ صفیر تا کہ گیرد مرغ را آں مرغ گیر

(دشمن کوئی بات دوستانہ طریقے پر تم سے کہے مگر تم اس کو دھوکہ ہی سمجھو کیونکہ شکاری جانوروں کو پکڑنے کیلئے ان ہی جیسی آوازیں نکالا کرتا ہے)

بدخواہوں کا ہمیشہ قاعدہ ہے کہ برنگ خیر خواہی بدخواہی کیا کرتے ہیں۔ دنیا میں بہت لوگوں نے مسلمانوں سے ایسا کیا ہے تو حضور ﷺ سے بھی ان کفار نے یہی معاملہ کیا۔ حضور ﷺ کی فراست عجیب تھی لیکن احتمال سے کہ شاید یہ لوگ ایمان لے آویں، اس شرط کو منظور فرمالیا۔ رہا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے رنج کا خیال تو حضور ﷺ جانتے تھے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تو اپنے ہیں ان کو تو اگر ساری عمر کیلئے الگ کر دیں تب بھی الگ ہو جائیں گے کیونکہ وہ تو طالب رضا ہیں۔ ان کی تو وہ حالت ہے کہ۔

ارید وصالہ ویرید ھجری فاترک ما ارید لما یرید

(میں تو اس کے وصال کا خواہشمند ہوں اور وہ فراق چاہتا ہے تو اس کی خاطر میں اپنی خواہش چھوڑے دیتا ہوں)

فرماتے ہیں۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب　　　　که حیف باشد از غیر او تمنائے

کیسا وصال اور کس کا فراق؟ رضائے محبوب کی تمنا ہونی چاہئے۔اس کی تمنا کے علاوہ دوسری تمناؤں کا افسوس ہوگا۔

(فوائد الصحبۃ ملحقہ مواعظ تدبیر وتوکل ص ۵۱۲،۵۱۴)

شان حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم

آخر خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں کیا بات تھی۔زیادہ تجربہ بھی نہیں تھا اور بھی کوئی ایسی ظاہری ممتاز بات نہ تھی مگر ہر بات میں نور رہوتا تھا پھر دیکھ لیجئے کیسی حکومت کر گئے کسی نے دم تک نہیں مارا۔وہ قوت اخلاص کی تھی۔

(الافاضات الیومیہ ج ۶ ص ۱۸)

شانِ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خان صاحب نے فرمایا کہ ایک مرتبہ مولانا نانوتوی (رحمہ اللہ تعالی) نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مختلف لوگوں کی نسبت احادیث میں لفظ أحبّ (۱) وارد ہوا ہے۔کہیں حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو، کہیں حضرت فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو وغیرہ وغیرہ۔لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت احادیث میں وارد ہوا ہے کہ اگر میں اللہ تعالی کے سوا کسی کو خلیل بناتا (۲) تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بناتا اور یہ بات جس میں

---

(۱) محبوب (۲) قولہ: کسی کو خلیل بناتا۔اقول: اگر اس پر یہ سوال ہو کہ حدیث میں حضرت ابراہیم (علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام) کو خلیل اللہ فرما کر اپنے تفضیل کی علت میں اپنے کو حبیب اللہ فرمایا ہے جس سے اس کے عکس کا شبہ ہوتا ہے۔جواب یہ ہے کہ اس حکم کا مبنی لغت نہیں بلکہ محاورہ ہے۔محاورات میں خلیل کا اطلاق عاشق پر بھی ہوتا ہے مگر حبیب کا اسی معشوق پر۔حاشیہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ　　　　(شریف الدرایات، معارف الاکابر ص ۲۶۰،۲۶۱)

مادہ خلت ہو اور کسی کیلئے نہیں فرمائی۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ خاص، خاص مادوں کی خاص، خاص خصوصیات ہوتی ہیں مثلاً جس مادہ میں فاء کی جگہ (یعنی فائے فَعَلَ کی جگہ) شؔ ہوگا اس کے معنی میں علو کے معنی پائے جائیں گے جیسے شرف، شرر، شیطان وغیرہ۔ اسی طرح جس مادہ میں ف، ع کی جگہ خ، ل ہوں گے اس میں علیحدگی اور یکسوئی کے معنی پائے جائیں گے جیسے خلوت، خلو، بیت الخلاء، خلال وغیرہ۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ محبت کا تعلق قلب سے ہے اور قلب میں بہت سے پردے ہوتے ہیں اور اس کے بیچ میں ایک خلاء ہوتا ہے۔ پس عام محبوبوں کی محبت تو قلب کے پردوں میں ہوتی ہے اور خلیل کی محبت اس خلاء میں، جو قلب کے اندر ہوتا ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب حدیث کے یہ معنی ہوئے کہ میرے جوف قلب میں خدا کی محبت کے سوا کسی اور کی محبت کی جگہ نہیں اور بالفرض اس جگہ کسی اور کی محبت کی جگہ ہوتی تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت کی ہوتی اور جب ابوبکر صدیقؓ آپ ﷺ کو اس درجہ محبوب تھے تو ضروری ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت اور سب سے زائد ہوگی اور دوسروں کی محبت کا تعلق جوف قلب سے دور پردوں سے ہوگا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت کا تعلق جوف قلب سے قریب تر ہے۔ (ارواح ثلاثہ ص ۲۷۱)

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور ﷺ کا قرب خاص حاصل تھا

فرمایا: حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ سے بعد نہ ہوا تھا جیسا قرب حیات میں تھا، وصال کے بعد بھی ویسا ہی حاصل تھا۔ اس لئے ان کو دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی طرح بدحواسی اور زیادہ پریشانی نہیں ہوئی۔ وہ اسی طرح مستقیم رہے جیسا کہ حضور ﷺ کے سامنے مستقیم تھے۔ جب حضور ﷺ کے وصال کی خبر سن کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو پریشان اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہتے ہوئے پایا۔ خبردار! حضور ﷺ کی نسبت

وفات کا لفظ کسی کی زبان سے نہ نکلنے پائے ورنہ اس تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دوں گا۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے حجرے میں پہنچے۔ آپ ﷺ کے چہرۂ اطہر سے چادر ہٹا کر دیکھا تو دیکھتے ہی یقین آ گیا کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا ہے۔ اس وقت ثابت قدم رہے ہاں زبان سے یہ الفاظ نکلے:

''وَاہُ خَلِیْلَاہُ وَاہُ حَبِیْبَاہُ طِبْتَ حَیًّا وَمَیِّتًا وَاللہِ لَا یَجْمَعَنَّ اللہُ عَلَیْکَ مَوْتَتَیْنِ اَبَدًا اَمَّا الْمَوْتَۃُ الَّتِیْ کُتِبَ عَلَیْکَ فقدمنھا۔''

''واہ حبیب، واہ خلیل! تو اچھا زندہ رہا اور تجھے اچھی موت نصیب ہوئی۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ تجھ پر کبھی دو موتیں جمع نہیں کریں گے۔ بس یہ موت تجھ پر لکھی ہوئی تھی سو وہ آ گئی''

پھر ضبط کے ساتھ تشریف لائے۔ اول حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اے شخص! ٹھہر خاموش ہو جا لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جوش میں بھرے ہوئے تھے خاموش نہ ہوئے تو حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر تشریف لے گئے خطبہ پڑھا۔ اس وقت سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین آپ کی طرف متوجہ ہوئے۔ حمد و صلوۃ کے بعد فرمایا:۔

''فَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللہَ فَاِنَّ اللہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلِ اَفَئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ وَمَنْ یَنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْہِ فَلَنْ یَضُرَّ اللہَ شَیْئًا وَسَیَجْزِی اللہُ الشَّاکِرِیْنَ وَاِنَّکَ مَیِّتٌ وَاِنَّھُمْ مَیِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عِنْدَ رَبِّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ۔''

''پس جو شخص حضرت محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو بے شک آپ ﷺ فوت ہو چکے ہیں اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا، پس اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رہیں گے جن کو کبھی موت نہیں آسکتی اور محمد ﷺ نرے رسول ہی تو ہیں۔ آپ ﷺ سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں۔ سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہی ہو جائیں تو کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے اور جو شخص الٹا پھر بھی جائے گا تو اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ جلدی ہی عوض دے گا حق شناس لوگوں کو۔ اور بیشک آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔ پھر قیامت کے روز تم مقدمات اپنے رب کے سامنے پیش کرو گے۔''

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے آیا ہے ''لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرَ'' یعنی اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوتے لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ بات نہیں فرمائی۔ اس کے جواب مختلف طور پر علماء نے دیئے ہیں مگر مجھ کو اپنے استاذ کا جواب زیادہ پسند ہے۔

وللناس فیما یعشقون مذاهب

مولانا نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور ﷺ کے ساتھ قرب اور فنائے تام کا ایسا تعلق تھا کہ وہاں بعدی کہنے کی گنجائش نہ تھی کیونکہ بعدیت کیلئے غیریت ضروری ہے اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور ﷺ سے گویا بالکل غیریت نہ تھی وہ تو گویا۔

من تو شدم تو من شدی　　من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں　　من دیگرم تو دیگری

''میں آپ کا ہو گیا آپ میرے ہو گئے۔ میں مثل بدن ہو گیا آپ مثل جان ہو گئے

تا کہ اس کے بعد کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ میں اور آپ دو ہیں'' کا مصداق تھے۔ اس لئے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوتے۔ ان میں بعدیت اور غیریت کا مرتبہ نہ تھا اور اس بات میں محض نکات وغیرہ پر مدار نہیں بلکہ نصوص قرآنیہ اور حضور ﷺ کے برتاؤ وغیرہ کافی دلائل ہیں مثلاً جب حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ ﷺ ہجرت کیلئے غار ثور میں جا کر چھپے اور کفار تلاش کر کے غار تک پہنچے یہاں تک کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو چلتا، پھرتا دیکھا تو گھبرا گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر یہ لوگ ذرا اپنے قدموں کی طرف نگاہ ڈالیں تو ہمیں دیکھ لیں گے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا لاتحزن ان اللہ معنا'' غم نہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔'' (پوری آیت یوں ہے)

'' اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْاَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِىَ اثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِى الْغَارِ اِذْيَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا .'' (التوبۃ: ۴۰)

'' اگر تم لوگ رسول اللہ کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد اس وقت کر چکا ہے جبکہ آپ کو کافروں نے جلا وطن کر دیا تھا جبکہ دو آدمیوں میں ایک آپ تھے جس وقت کہ دونوں غار میں تھے جبکہ آپ اپنے ہمراہی سے فرما رہے تھے کہ تم غم نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔'' (تحقیق الشکر ص ۱۹، الکلام الحسن ملفوظ ۱۵۸)

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

پروانے کو چراغ بلبل کو پھول بس صدیقؓ کیلئے ہے خدا کا رسول بس

(معارف الاکابر ص ۳۲۷ تا ۳۳۰)

حضرت صدیق اکبر کا حضور ﷺ سے تعلق فنائے تام

گو قرب معنوی بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو زیادہ ہو جیسا کہ واقعات شاہد ہیں چنانچہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پریشان ہو گئے۔ اگر کوئی شخص مستقل رہنے والا اور ثابت قدم تھا تو وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اس وقت تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو معلوم ہو گیا کہ واقعی ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم سب سے افضل اور اعلم ہیں۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو حضور ﷺ کی وفات ایک عجیب بات معلوم ہوتی تھی۔ اس وقت ان کے خیال سے وہ آیات بھی غائب ہو گئیں جن میں حضور ﷺ کی وفات کی بابت ذکر تھا کہ آپ کا بھی کسی وقت وصال ہو جائے گا جیسا کہ دوسرے انبیاء گزر گئے اور عام لوگ وفات پاتے ہیں۔ جس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ آیات پڑھیں:

"وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَئِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ"

(آل عمران، ۱۴۴)

"اور محمد ﷺ نرے رسول ہی تو ہیں۔ آپ ﷺ سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں۔ سو اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہی ہو جائیں تو کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے اور جو شخص الٹا پھر بھی جائے گا تو اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ جلدی ہی عوض دے گا حق شناس لوگوں کو"

اور

"اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ

تَخۡتَصِمُوۡنَ'' (سورۃ الزمر،۳۰،۳۱)

''آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔ پھر قیامت کے روز تم مقدمات اپنے رب کے سامنے پیش کرو گے۔'' (الزمر،۳۰)

اس وقت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی آنکھیں کھل گئیں اور سب کی زبانوں پر یہی آیتیں تھیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ آیتیں گویا آج ہی نازل ہوئی ہیں۔ حضرات صوفیہ نے اس واقعہ کا راز بیان کیا ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور ﷺ کے وصال کے بعد بھی آپ سے بعد نہ ہوا تھا۔ جیسا قرب حیات میں تھا وصال کے بعد بھی ویسا ہی حاصل تھا۔ اس لئے ان کو دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی طرح بدحواسی اور زیادہ پریشانی نہیں ہوئی۔ وہ اسی طرح مستقیم رہے جیسا کہ حضور ﷺ کے سامنے مستقیم تھے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کمال فہم

فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کفار نے خبر دی کہ کچھ سنا بھی تمہارے دوست معراج کا دعوی کرتے ہیں تو فوراً تصدیق کی۔ کفار نے کہا کہ ایسی عجیب بات کی بھی تم نے تصدیق کر دی۔ فرمایا کہ میں تو اس سے بھی زیادہ عجیب بات کی اس سے پیشتر تصدیق کر چکا ہوں کہ آسمان والے یعنی فرشتے خود ان کے پاس آتے ہیں تو یہ بات تو اس سے کم ہے کہ خود آسمان والوں نے ان کو اپنے پاس بلا لیا۔ پھر اس میں تعجب ہی کی کون سی بات ہے؟ پھر ہمارے حضرت نے فرمایا کہ دیکھئے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے یہ علوم ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حکایت بھی اکثر بیان فرمائی کہ جب ہجرت کر کے بہ ہمراہی حضور سرور عالم ﷺ مدینہ طیبہ پہنچے تو حضرات انصار جوق در جوق بغرض زیارت حاضر ہوئے کیونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بوجہ اس کے کہ قوی میں حضور ﷺ کے برابر نہ تھے، عمر

میں بڑے معلوم ہوتے تھے۔ اس لئے لوگوں نے انہی کو رسول اللہ سمجھ کر مصافحہ کرنا شروع کر دیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کمال فہم ملاحظہ فرمائیے کہ انہوں نے انکار نہیں کیا بلکہ برابر مصافحہ کرتے رہے اور چونکہ حضور ﷺ سفر سے تھکے ہوئے تشریف لائے تھے اس طرح مصافحہ کی زحمت سے حضور ﷺ کو بچایا۔

آجکل کوئی اپنے شیخ کے سامنے ایسا کرے تو بڑا گستاخ سمجھا جاوے اور لعن طعن ہونے لگے۔ آجکل ظاہری تعظیم و تکریم ہی کو خدمت سمجھا جاتا ہے۔ اصلی خدمت تو راحت پہنچانا ہے خواہ اس میں خود اپنے قلب پر کوئی بار ہی کیوں نہ ہو۔ محبت کے تو یہی معنی ہیں۔ خدمت تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کر کے دکھلا دی۔ چنانچہ جب حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ کو تعظیماً کھڑے ہونے سے تکلیف ہوتی ہے تو اپنے جوش کو دبائے ہوئے بیٹھے رہتے تھے اور گو بہت تقاضا دل میں پیدا ہوتا ہو گا لیکن کھڑے نہ ہوتے تھے۔ اسی طرح صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس موقع پر کیا۔ اتنے میں دھوپ آ گئی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی چادر تان کر کھڑے ہو گئے تاکہ حضور ﷺ پر دھوپ نہ پڑے۔ اس وقت لوگوں نے جانا کہ مخدوم کون ہیں اور خادم کون۔ (۱)

(حسن العزیز ج ۱ ص ۲۷)

مقام فنا فی الرسول ﷺ

عارفین نے اس واقعہ کا نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو

---

(۱) اسی ضمن میں ارشاد فرمایا کہ ''اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضور ﷺ پر دھوپ آتی تھی اور یہ جو بات مشہور ہے کہ حضور ﷺ کا سایہ نہیں تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر سر مبارک پر ابر رہتا تھا۔ یہ وجہ تھی سایہ نہ ہونے کی مگر وہ بھی دواماً نہ تھا۔ (الافاضات الیومیہ ج ۲ ص ۱۵۲)

مرتبہ فنا فی الرسول کا عطا ہوا ہے جسکی وجہ سے ان کو حضور ﷺ سے غایت درجہ اتحاد نصیب تھا اس کے اظہار کے واسطے حق تعالیٰ نے یہ صورت ظاہر کر دی اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ھذا رسول اللہ لوگوں کی زبان سے کہلوا دیا اور اہل حال صوفیوں کو خشک فتوی سے بچا دیا۔ صدیق کا مقام ایسا عالی ہوتا ہے کہ اس کے علوم کا مأخذ بھی وہی ہوتا ہے جو نبی کا مأخذ ہوتا ہے اور جو بات نبی کے دل میں آتی ہے وہ صدیق کے دل پر بھی فائز ہوتی ہے مگر صدیق کے علوم کا اعتبار نبی کی تائید کے بغیر نہیں ہوتا۔ مأخذ اگرچہ ایک ہے مگر نبی کا علم خطا سے محفوظ ہوتا ہے اور اسکا علم قطعی ہے اور صدیق کا علم ظنی ہوتا ہے جسکی صحت کیلئے تائید نبی کی ضرورت ہوتی ہے۔

(تحقیق الشکر ملحقہ مواعظ تدبیر و توکل ص ۴۵۱)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنت کے ہر دروازے سے بلایا جائے گا

فرمایا: حدیث شریف میں ہے کہ جنت کے مختلف دروازے ہیں۔ کسی کا نام باب الصلوۃ ہے، کسی کا باب الزکوۃ اور کسی کا نام باب الریان وغیرہ۔ جس شخص میں جو عمل غالب ہوگا وہ اسی دروازے سے بلایا جائے گا۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! گو اس کی ضرورت تو نہیں مگر کوئی کیا ایسا بھی ہوگا جو ہر دروازے سے بلایا جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں بعضے ایسے ہوں گے وَاَرْجُوْ اَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ. "مجھے امید ہے کہ تم بھی انہی میں سے ہو گے" اب جو لوگ تضاعف فی النفس کے قائل نہیں وہ تو یوں کہتے ہیں کہ شخص واحد کو ہر دروازے سے تشریفاً و تکریماً بلایا جائے گا۔ پھر وہ جس دروازے سے چاہے گا چلا جائے گا مگر تضاعفِ نفس کی تقدیر پر یہ حدیث بے غبار ہو جائے گی اور یوں کہا جائے گا کہ حق تعالیٰ بعض بندوں کو جسم و روح متعدد عطا فرمائیں گے۔ حقیقت میں وہ ایک شخص ہوگا مگر تعدد جسد سے وہ متعدد ہوگا اس لئے وہ ہر دروازے سے بلایا جائے گا اور ہر دروازے سے

الگ الگ جائے گا بھی۔ (خیر الحیات وخیر الممات ص ۸۴، اشرف الکلام ص ۲۳، ۲۴)

خلافت ملتے ہی حضرت صدیقؓ کو تین امور درپیش تھے

بسلسلۂ گفتگو فرمایا کہ شریعت مقدسہ کے قوانین میں حقائق اور مصالح واقعیہ مرعی (۱) ہوتے ہیں اور باقی جتنے قوانین ہیں وہ سب اغراض کے تابع ہوتے ہیں۔ شریعت کے قوانین اٹل ہیں اور اکثر انکا نفع جب معلوم ہوتا ہے جب ان پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو تین اہم امور درپیش تھے۔ ایک تو مانعینِ زکوۃ کے خلاف جہاد کرنے کے متعلق اختلاف رائے تھا، دوسرے مرتدین کے خلاف لشکر بھیجنا تھا جو مسیلمہ کذاب سے جا ملے تھے، تیسرے جیشِ اسامہ کی روانگی کا مسئلہ درپیش تھا جسکے جھنڈے کو خود حضور سرورِ عالم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے باندھا تھا مگر قبل روانگی حضور ﷺ مرض وفات میں علیل ہو گئے اور وہ لشکر بھی اسی پریشانی میں نہ روانہ ہو سکا۔ مانعینِ زکوۃ کے خلاف جہاد کے جواز ہی میں بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کلام تھا لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ قطعی رائے تھی کہ ان کے خلاف جہاد کرنا واجب ہے کیونکہ وہ تاویل کے ساتھ ایک رکن اسلام کے منکر تھے (کیونکہ ضروریات دین میں تأویل دافع کفر نہیں) چنانچہ حضرت نے نہایت شد ومد کے ساتھ فرمایا کہ اگر کوئی شخص حضور سرور عالم ﷺ کے زمانہ میں ایک رسی بھی زکوۃ میں نکالتا تھا اور اب دینے سے انکار کرتا ہے تو میں اس کے خلاف بھی جہاد کروں گا چاہے کوئی میرا ساتھ دے یا نہ دے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ أَجَبَّارٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خَوَّارٌ فِي الْإِسْلَامِ تم جاہلیت میں ایسے مضبوط تھے اسلام میں آ کر ایسے بودے ہو گئے۔ یہ تقریر سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اس کے متعلق بالکل شرح

---

(۱) ان کی رعایت کی جاتی ہے۔

صدر ہو گیا۔ نیز حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی بھی یہی رائے تھی کہ جیش اسامہ کو ابھی نہ روانہ کیا جائے کیونکہ اندرون ملک میں جو گڑ بڑ ہے پہلے اس کو رفع کیا جائے لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جس جھنڈے کو حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے باندھا ہے میں اس کو کسی حال میں نہیں کھول سکتا۔ میں اس لشکر کو ضرور روانہ کروں گا چاہے مدینہ کے اندر کتنا ہی فتنہ وفساد کیوں نہ برپا ہو جائے حتیٰ کہ میں اس کی بھی پرواہ نہ کروں گا کہ فتنہ وفساد کی وجہ سے خدانخواستہ مقدس بیبیوں کی ٹانگیں پکڑ کر کتے مدینے کی گلیوں میں گھسیٹتے پھریں۔ چنانچہ یہی کیا اور تینوں کام ایک ساتھ شروع کر دیئے۔ مانعینِ زکوۃ کے خلاف جہاد کی کاروائی بھی شروع کر دی، مرتدین کے مقابلہ میں بھی لشکر کشی کر دی اور جیش اسامہ کو بھی روانہ کر دیا۔ اس سے تمام کفار پر رعب طاری ہو گیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس اندرونی کوئی بڑی زبردست قوت ہے کہ تین، تین جگہ لڑائی چھیڑ رکھی ہے۔ دیکھئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شریعتِ مقدسہ پر بلالحاظ دیگر مصالح کے عمل فرمایا اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ سب کفار مرعوب اور مغلوب ہو گئے جسکا پہلے سے کسی کو علم بھی نہ تھا۔ مسلمانوں کی دھاک تمام بلاد وامصار(۱) میں بیٹھ گئی۔ غرض اکثر شریعت مقدسہ کے مصالح اس پر عمل کرنے کے بعد معلوم ہوتے ہیں۔

(الافاضات الیومیہ ج ۹ ص ۱۶۱، ۱۶۲)

مقام ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ راز ہے اس کا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوتے تو اس پر ظاہراً یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے بعد نبوت کا مستحق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا حالانکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

(۱) ممالک

ان سے افضل تھے اس لئے ان کا استحقاق زیادہ معلوم ہوتا ہے تو اس کا راز ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب (رحمہ اللہ تعالی) فرماتے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو حضور ﷺ کے اندر فنا ہو گئے تھے وہ من بعدی میں داخل ہی نہ تھے وہ آپ کے غیر تھوڑا ہی تھے وہ تو عین ہو گئے تھے۔ یہ وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے بعد ان کو مستحق نہیں کیا کیونکہ وہ تو معی تھے ان کو من بعدی کیسے کہا جا سکتا ہے۔

یہ راز ہے اس کا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کی وفات پر اتنے پریشان نہیں ہوئے جتنے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پریشان ہوئے تھے۔ پریشانی تو بعد سے ہوتی ہے جو فانی ہو چکتا ہے وہ بعد نہیں ہوتا۔ وہ تو ہر وقت مشاہدہ کر رہے تھے پھر کیسی پریشانی؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تو بڑی شان ہے ادنی اولیاء اللہ کی حکایات لکھی ہیں کہ ان کے احباء کو انتقال پر بالکل رنج نہ ہوا۔

چنانچہ ایک عورت تھیں ان کی چند اولاد کا انتقال ہو گیا وہ روئیں تک نہیں اور کہا کہ میں روؤں کیوں خدائے تعالی کی قسم میں تو ان کو دیکھتی ہوں میرا دل خوش ہے پھر میں کس لئے روؤں؟

تو جیسے ان کو اپنے عزیز کا مشاہدہ تھا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سے بڑھ کر حضور ﷺ کا مشاہدہ تھا۔ گو ان کو ظاہراً بعد ہو گیا تھا مگر بعد باطنی نام کو نہ تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے جزو کی مثل تھے۔

(حقیقت مال و جاہ ص ۸۸، ۸۹)

مقام ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

فرمایا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور ﷺ نے منع فرمایا تھا کہ دو شخصوں کے درمیان فیصلہ مت کیجیو اور یتیم کے مال کی تولیت مت کیجیو۔ ان کیلئے تو یہ تجویز فرمایا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوبکر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے سلطنت تجویز فرمائی تو ہر ایک کا جدا حال ہے۔

(الافاضات الیومیہ ج ۶ ص ۴۷)

ارشاداتِ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خلافت کو حضرت عمرؓ کی ضرورت ہے، نہ کہ عمر کو خلافت کی

فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت سپرد فرمائی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مجھے خلافت کی حاجت نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ سچ ہے کہ آپ کو خلافت کی ضرورت نہیں مگر خلافت کو آپ کی ضرورت ہے۔

(مزید المجید ملفوظ ۱۲۴)

محاسبۂ نفس

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا گیا کہ خلوت میں بیٹھے ہوئے زبان کھینچ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں: هٰذِهٖ اَوْرَدَتْنِی الْمَوَارِدَ کہ اسی نے مجھ کو ہلاکتوں میں ڈالا ہے. جس طرف چاہتی ہے نکل جاتی ہے کسی کی شکایت کر دی، کسی کو برا کہہ دیا، کسی کی غیبت کر لی۔ بات یہ ہے کہ جیسا جس کا مقام ہوتا ہے اس کو اسی قدر حیرانی ہوتی ہے۔ (وعظ الظلم)

شان فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قیصرِ روم کے پاس قاصد بھیجا تھا۔ قیصرِ روم نے اس سے پوچھا کہ تمہارا خلیفہ کیسا ہے؟ اس قاصد نے کیا جامع اور مختصر جواب دیا ہے یہ کہا کہ ہمارے خلیفہ کی شان یہ ہے ''لا یَخدع ولا یُخدع''، یعنی نہ کسی کو دھوکہ دیتا ہے اور نہ کسی کے دھوکے میں آتا ہے۔ ہرقل سن کر متحیر رہ گیا اور اپنے لوگوں

سے کہا کہ اگر یہ صحیح ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی تائید اس کے ساتھ ہے اس لئے
کہ دھوکہ نہ دینے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین اس کا کامل ہے اور دھوکہ نہ کھانا یہ
علامت ہے عقل کے کامل ہونے کی۔ پس جس شخص کے اندر یہ دونوں صفتیں ہوں اس
پر ہم غالب نہیں آسکتے۔ اس کا ارادہ ایمان لانے کا تھا لیکن قوم نے مخالفت کی اس لئے
رہ گیا۔ ایک اور قصہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے کہ ایک مرتبہ اونٹ تقسیم فرمارہے
تھے اور دو آدمیوں کو ایک ایک اونٹ دے رہے تھے۔ ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض
کیا یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ! اِحْمِلْنِیْ وَسَحِیْماً عَلٰی بَعِیْرٍ وَاحِدٍ یعنی مجھ کو اور سحیم کو
ایک اونٹ دیجئے۔ سحیم آدمی کا نام زیادہ ہوتا تھا اور مشک کو بھی کہتے ہیں مگر اس کے معنی
میں مشہور نہیں تو بظاہر وہ دھوکہ سے چاہتا تھا کہ مجھ کو ایک اونٹ سالم مل جاوے اور یہ
سخت غریب تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً سمجھ گئے اور فرمایا: میں تجھ کو قسم دیتا
ہوں سچ بتلاؤ سحیم سے مراد مشک ہے؟ اس نے عرض کیا یا امیر المؤمنین ! مشک ہی مراد
ہے۔ فرمایا کہ ہم کو دھوکہ دینا چاہتے ہو۔ غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی کسی کے
دھوکہ میں نہیں آئے۔ اہل ارشاد کی یہی شان ہوتی ہے۔

(التوکل ملحقہ مواعظ تدبیر وتوکل ص ۹۸، الافاضات الیومیہ ج ۱۰ ص ۱۱)

کسریٰ کے خزائن مفتوح ہونے پر حضرت عمرؓ کی دعا

جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کسریٰ کا خزانہ مفتوح ہو کر آیا تو
سونے، چاندی کا بڑا انبار تھا۔ آپ نے اس کو دیکھ کر اس طرح دعا کی۔ خداوندا! آپ
کا ارشاد ہے ''زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ
الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ
وَالْحَرْثِ'' (۱) کہ لوگوں کے دلوں میں خواہشوں کی محبت آراستہ کر دی گئی ہے۔ جن

---

(۱) آل عمران، ۱۱۴

میں عورتیں بھی ہیں اور اولاد بھی اور سونے، چاندی کے ڈھیر بھی اور گھوڑے نشان کردہ اور چوپائے اور کھیتی بھی۔ زُیِّنَ صیغہ مجہول کا ہے جس کا فاعل یہاں مذکور نہیں۔ علماء میں اس کے فاعل کے بارہ میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض نے اس کا فاعل شیطان کو مانا ہے کہ شیطان نے ان چیزوں کی محبت قلوب میں آراستہ کردی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کو فاعل مانا ہے۔ دونوں میں منافات کچھ نہیں دونوں صحیح ہیں کیونکہ تزیین کے دو درجے ہیں ایک وہ درجہ جو معصیت کی طرف مفضی ہو اس کا فاعل تو شیطان ہے اور ایک درجہ طبعی تزیین کا ہے جو کسی حکمت سے ودیعت رکھی گئی ہے۔ اس کے فاعل اللہ تعالیٰ ہیں کیونکہ طبعیات سب خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ ہیں۔ آخر آپ کو کھانے، پینے کی محبت نہیں؟ یقیناً ہے پھر طبعاً مال وزر کی محبت بھی ہو تو کیا حرج ہے؟ اور جس طرح طبیعت کے درجہ میں طعام وشراب کی محبت قبیح نہیں اسی طرح اس درجہ میں مال واولاد کی محبت بھی قبیح نہیں۔ اب اللہ تعالیٰ اس کے فاعل ہوں تو کچھ اشکال نہیں۔ ہاں جو درجہ مفضی الی المعصیت ہے اس کا فاعل شیطان ہے۔ غرض حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مال کی محبت آپ نے ہمارے دلوں میں مزین کی ہے اس لئے ہم یہ تو نہیں چاہتے کہ ہم کو مال کی محبت نہ ہو اور نہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے ہم کو خوشی نہ ہو۔ ہاں یہ درخواست کرتے ہیں کہ اس محبت کو اپنی رضا کی طرف منعطف کر دیجئے (۱) اور اس کو اپنے دین کے کام میں صرف کر دیجئے۔ سبحان اللہ! یہ حضرات ہیں عارف کامل۔ یہ حکایت میں نے اس واسطے ذکر کی ہے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ جس طرح لوگوں نے صبر کی حقیقت سمجھنے میں غلطی کی ہے کہ صورت شکایت کو بھی خلاف سمجھتے ہیں اسی طرح ترک دنیا اور زہد کی حقیقت سمجھنے میں بھی غلطی کی ہے۔ لوگ محبتِ مال کو مطلقاً زہد کے خلاف سمجھتے ہیں حالانکہ طبعی محبت زہد کے خلاف نہیں بلکہ خلاف زہد وہ درجہ ہے جو معاصی کی طرف مفضی ہو اور یہ جو صوفیاء کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے

---

(۱) پھیر دیجئے

کہ ان کو مال کی محبت مطلقاً نہ تھی ان میں طبعی محبت دوسری محبت سے مغلوب ہو جاتی ہے جو بوجہ مغلوبیت کے کالمعدوم معلوم ہوتی ہے اور کبھی اس کے بعض آثار معلوم بھی ہوتے ہیں مگر وہ مقصود بالذات نہیں ہوتی۔ مقصود بالغیر ہوتی ہے تو صورت اس کی تعلق کی ہوتی ہے حقیقی تعلق نہیں ہوتا۔

(الفصل والانفصال فی الفعل والانفعال ملحقہ مواعظ تدبیر وتوکل ص۱۹۲، ۱۹۳)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خشیت خداوندی

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چند ہمراہیوں کے ہمراہ تشریف لے جارہے تھے۔ ظاہر ہے کہ ہمراہی بڑے حضرات ہی ہوں گے یعنی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا تابعی (رحمہ اللہ تعالیٰ)۔ چلتے چلتے کسی ضرورت سے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو جتنے ہمراہی تھے وہ سب مارے ہیبت کے گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ اس پر بجائے اپنے رعب پر خوش ہونے کے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میں نے اس نیت سے ان کو نہیں دیکھا تھا اور اے اللہ! آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ جتنا یہ لوگ مجھ سے ڈرتے ہیں اس سے زیادہ میں آپ سے ڈرتا ہوں۔ (الافاضات الیومیہ ج۹ ص ۱۶۸)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دبدبہ

جب حضور ﷺ کے غلامانِ غلام کی یہ حالت تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ ایک جماعت کے ساتھ چلے جارہے تھے کہ دفعتہً آپ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو سب مارے ہیبت کے گھٹنوں کے بل گر پڑے حالانکہ یہ وہ حضرات تھے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرید نہ تھے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ پیر بھائی تھے جن میں گونہ مساوات ہوا کرتی ہے مگر ان پر بھی آپ کا اس قدر رعب تھا مگر اس میں شاید کوئی یہ شبہ نکالے کہ وہ حضرات معتقد تو تھے تو سنئے کہ غیر معتقدین پر آپ کے رعب کی یہ

شان تھی کہ ایک مرتبہ سفیر روم بڑی شان وشوکت کے ساتھ مدینہ منورہ میں آپ کی خدمت میں آیا اور شہر میں داخل ہوکر لوگوں سے دریافت کیا کہ خلیفہ کا قصر کہاں ہے۔

گفت کو قصر خلیفہ اے حشم تا من اسپ ورخت را آنجا کشم

قوم گفتندش کہ اورا قصر نیست مرعمر را قصر جان روشنے ست

(کہنے لگا اے لوگو! خلیفہ کا محل کہاں ہے تاکہ میں وہاں حاضر ہوں۔لوگوں نے کہا کہ ان کا کوئی محل نہیں ہے۔ان کا محل ان کا قلب روشن ہے۔)

(اس موقع پر حضرت مولانا پر گریہ طاری ہو گیا مگر بہت ضبط سے کام لیا۔۱۲) لوگوں نے کہا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے نہ قصر ہے نہ ایوان۔بس ان کا تو دل ہی قصر و ایوان ہے۔قاصد کو بڑی حیرت ہوئی کہ وہ خلیفہ جس کے نام سے سلاطین کانپتے ہیں اس کا نہ محل نہ قصر۔کیا معاملہ ہے؟ پھر اس نے پوچھا کہ آخر وہ کہاں بیٹھا کرتے ہیں ؟لوگوں نے کہا مسجد میں اکثر بیٹھا کرتے ہیں اور کبھی بازاروں میں،گلی کوچوں میں اور کبھی جنگل میدانوں میں گھومتے پھرتے ہیں۔تلاش کرلو کہیں مل جائیں گے۔اب وہ آپ کی تلاش میں چلا معلوم ہوا کہ ابھی جنگل کی طرف تشریف لے گئے ہیں۔سفیر کو بڑی حیرت ہوئی کہ عجیب بادشاہ ہے جو تنہا بازاروں جنگلوں میں پھرتا ہے نہ ساتھ میں پہرہ دار ہیں نہ پولیس۔آخر وہ جنگل کی طرف چلا جس وقت اس باغ کی حدود میں قدم رکھا جہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑے سو رہے ہوئے تھے قدم رکھتے ہی اس کے دل پر ہیبت ورعب نے غلبہ کرلیا کیونکہ جنگل میں ایک خدا کا شیر پڑا ہوا تھا اور قاعدہ ہے جہاں شیر پڑا ہوتا ہے اس جنگل میں قدم رکھتے ہی بڑے بڑے بہادروں کے دل کانپ جاتے ہیں۔اب اس سفیر کو بڑی حیرت ہوئی کہ اس شخص کے پاس نہ پہرہ چوکی ہے،نہ جاہ وحشم ہے،نہ ساز وسامان ہے پھر یہ کیا بات ہے کہ صورت دیکھنے سے پہلے ہی میرا دل ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے یہاں تک کہ جب قریب پہنچا تو دیکھا کہ ایک خدا کا شیر

جنگل میں تن تنہا پڑا سو رہا ہے نہ اسے کسی دشمن کا خوف ہے، نہ جاسوس کا ڈر۔ سر کے نیچے ایک اینٹ تکیہ کے بجائے رکھی ہے نہ کوئی فرش ہے، نہ بستر۔ بس گلے میں ایک تلوار پڑی ہوئی ہے اور بے فکر سو رہے ہیں۔ اس حالت کا مقتضا یہ تھا کہ سفیر کے دل میں خلیفہ کی بے وقعتی ہوتی مگر یہاں برعکس معاملہ یہ ہوا کہ صورت دیکھتے ہی سفیر روم لرزنے لگا جونہی نظر پڑی ہے پیر اٹھانے کی ہمت نہ رہی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس وقت وہ سفیر اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ میں نے تو بڑے بڑے سلاطین کے دربار دیکھے ہیں جن کے دربار میں رعب وداب کے ہزاروں سامان ہوتے ہیں مگر مجھ پر کسی کا رعب طاری نہ ہوا۔ آج کیا بات ہے کہ اس بے سروسامان شخص کے رعب سے میرا پتہ پانی ہوا جاتا ہے؟ آخر اس شخص کے اندر کیا چیز ہے کہ میری رگ رگ میں اس کے دیکھنے سے لرزہ پیدا ہو گیا؟ بیشک ؎

ہیبت حق است وایں از خلق نیست ہیبت آں مرد صاحب دلق نیست

(یہ ہیبت حقیقت میں حق تعالیٰ کی ہوتی ہے۔ اس مخلوق یا اس گدڑی والے کی نہیں ہوتی)

یہ خدائی رعب وجلال تھا جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا۔ بالآخر سفیر روم کو ہمت نہ ہوئی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خود جگائے۔ وہ تو اپنی جگہ دیر تک کھڑا کانپتا رہا۔ کچھ دیر بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود ہی بیدار ہوئے تو دیکھا کہ ایک پردیسی اجنبی آدمی کھڑا کانپ رہا ہے۔ آپ نے اس کو پاس بلایا اور تسلی دی۔

(الاسعاد والابعاد ملحقہ مواعظ اصلاح اعمال ص ۱۱۱، ۱۱۲۔ الافاضات الیومیہ ج ۸ ص ۹۳)

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعائے پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اور لیجئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے بہادر اور بہت قوی، دلیر تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ! اسلام کو عمر بن ہشام یعنی ابوجہل یا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قوت دے یعنی ان میں سے ایک کو مسلمان کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی اور سامان اس کا یہ ہوا کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زرہ، تلوار پہن کر چلے۔ بعض غربائے اسلام نے پوچھا کہ کہاں جاتے ہو؟ کہا محمد کو قتل کرنے کیلئے جاتا ہوں۔ وہ سہم گئے کہ یہ عمر ہے خدا جانے کیا کر کے رہیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں پہرہ نہیں، چوکی نہیں۔ اللہ اکبر! ہمارے بزرگوں پر کیسی کیسی مصیبتیں آئی ہیں لیکن ہر حال میں ثابت قدم رہے۔ ایک ہم ہیں کہ ذرا سی بات میں پیچھے ہٹ جاتے ہیں چنانچہ انہوں نے سن کر کہا کہ میاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے قتل کیجیو پہلے اپنی بہن اور بہنوئی کی خبر لو وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ سن کر جھلا گئے اور اسی وقت بہن کے یہاں پہنچے۔ وہ دروازہ بند کئے ہوئے قرآن مجید پڑھ رہے تھے ۔کنڈی بند تھی۔ انہوں نے کہا دروازہ کھولو۔ بہن بہنوئی دونوں سہم گئے اور قرآن شریف کو چھپا کر دروازہ کھول دیا۔ پوچھا تم کیا پڑھتے تھے؟ انہوں نے نہ بتلایا۔ انہوں نے بہن کو مار کر لہولہان کر دیا اور کہا کہ بتلاؤ۔ بہن نے کہا خواہ مارو، خواہ چھوڑو ہم تو قرآن پڑھتے تھے۔ انہوں نے کہا مجھ کو دکھلاؤ۔ بہن نے کہا تم ناپاک ہو۔ غسل کرو تو تم کو دیں چنانچہ ان کو غسل کرایا پھر ان کو قرآن دیا۔ یہ آیتیں نظر پڑیں ''طٰہٰ مَا اَنْزَلْنَا الخ'' دیکھ کر حیران رہ گئے اور دل پر ایک چوٹ لگی اور کہا کہ مجھ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو چنانچہ وہ ان کو آپ کی خدمت میں لائے۔ آپ مع اپنے اصحاب کے دروازہ بند کئے ہوئے بیٹھے تھے۔ جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے تو بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ڈرے اور دروازہ کھولنے کی جرأت نہ ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھول دو۔ وہ

آئے آپ ﷺ نے انکو بغل میں اس طرح دبایا کہ بیتاب ہوئے اور یہ اس لئے کیا تاکہ ان کو اپنی قوت پر گھمنڈ نہ رہے کہ میں بڑا زور آور ہوں۔ اگر ایمان نہ لاتا تو غالب آسکتا تھا۔ غرض وہ مسلمان ہوگئے۔

(الظلم ملحقہ مواعظ موت وحیات ص ۴۷۸، ۴۷۹)

بے شک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اکرم ﷺ نے اللہ سے مانگ کرلیا۔

عمرؓ دعائے پیمبر، عمرؓ مرادِ رسول عمرؓ قبول و عمرؓ قابل و عمرؓ مقبول

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتح بیت المقدس

غیر قوموں کے طریقہ پر تم کو چلنے کی ضرورت نہیں بلکہ اسی طریقہ پر چلو جو اسلام نے تم کو سکھلایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس شام سے لشکر اسلام نے ایک عرضداشت بھیجی تھی کہ بیت المقدس فتح نہیں ہوتا اور وہاں کا پادری کہتا ہے کہ فاتح بیت المقدس کا حلیہ ہماری کتابوں میں موجود ہے تم اپنے خلیفہ کو بلالو ہم دیکھ لیں گے۔ اگر ان کا وہی حلیہ ہوا جو اس کتاب میں ہے تو ہم بدوں لڑائی کے قلعہ کھول دیں گے ورنہ تم قیامت تک فتح نہیں کرسکتے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ امیر المومنین یہاں تشریف لے آئیں شاید قلعہ بدوں لڑائی کے فتح ہو جائے۔ امیر المومنین نے اس درخواست پر سفر کا ارادہ کیا۔ اب غور فرمایئے کہ یہ ایک ایسے شخص کا دورہ تھا جس کے نام سے کسریٰ اور ہرقل بھی تھرّاتے تھے مگر حالت یہ تھی کہ جس قمیص میں آپ نے سفر کیا اس میں چند در چند پیوند تھے اور سواری کیلئے صرف ایک اونٹ تھا اس سے زیادہ کچھ نہ تھا جس پر کبھی آپ سوار ہوتے، کبھی آپ کا غلام۔

آجکل ادنیٰ سے ادنیٰ ڈپٹی کے دورہ میں بڑا سامان ہوتا ہے۔ یہاں خلیفۂ اعظم کے دورہ میں کچھ بھی سامان نہ تھا پھر آج ادنیٰ حاکم کے دورہ میں رعایا پریشان ہو

جاتی ہے کیونکہ رعایا کو ان کے دورہ میں رسد کا سامان کرنا پڑتا ہے یہاں خلیفہ کے دورہ میں ایک متنفس کو بھی تکلیف نہیں ہوئی کیونکہ نہ رعایا سے مرغے لئے، نہ انڈے، نہ دودھ لیا، نہ گھی۔

جب آپ اسی شان سے کبھی سوار اور کبھی پیدل چلتے ہوئے شام کے قریب پہنچے تو لشکر اسلام نے استقبال کرنا چاہا۔ آپ نے ممانعت کر دی۔ خاص خاص حضرات نے آپ کا استقبال کیا۔ اسوقت بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! اس وقت آپ دشمن کے ملک میں ہیں اور وہ لوگ آپ کو دیکھیں گے۔ اس لئے مناسب ہے کہ اپنا یہ قمیص اتار کر دوسرا قمیص عمدہ سا پہن لیجئے اور اونٹ کی سواری چھوڑ کر گھوڑے پر سوار ہو جایئے تا کہ ان کی نظر میں عزت ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: نحن قوم اعزنا اللہ بالاسلام کہ ہم وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے اسلام سے عزت دی ہے۔ ہماری عزت قیمتی لباس سے نہیں ہے بلکہ خدا کی اطاعت سے عزت ہے مگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اصرار سے ان کا دل خوش کرنے کیلئے درخواست منظور کر لی چنانچہ ایک عمدہ قمیص لایا گیا جس کو پہن کر آپ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ دو چار ہی قدم چلے تھے کہ فوراً گھوڑے سے اتر پڑے اور فرمایا کہ میرے دوستو! تم نے تو اپنے بھائی عمر کو ہلاک ہی کرنا چاہا تھا۔ واللہ میں دیکھتا ہوں کہ اس لباس اور اس سواری سے میرا دل بگڑنے لگا ہے۔ تم میرا وہی پیوند لگا قمیص اور اونٹ لے آؤ۔ میں اسی لباس میں اپنے اونٹ پر سوار ہو کر چلوں گا۔

اے صاحبو! جب ایسے شخص کا دل قیمتی لباس سے بگڑتا ہے تو کیا ہمارا دل اور ہمارا منہ نہ بگڑے گا؟ پھر ہم اپنے قلب کی نگہداشت سے اتنے غافل کیوں ہیں اور ہم کو کس چیز نے مطمئن کر دیا ہے کہ ہمارے لئے کوئی لباس مضر نہیں۔ اور یہ جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نحن قوم الخ واقعی بات یہی ہے کہ اگر ہم خدا کے مطیع اور فرماں بردار ہیں تو ہم سادہ لباس میں بھی معزز ہیں ورنہ قیمتی لباس سے بھی کچھ عزت

نہیں ہوسکتی۔

زعشق ناتمام ما جمال یار مستغنی ست

بآب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبارا

(خوبصورت چہرے کو زیب وزینت کی حاجت نہیں۔ وہ تو ہر لباس میں حسین ہے) (اصلاح المسلمین ص ۴۴۱ تا ۴۴۲)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تائید غیبی

ایک انگریز کا قول یاد آیا اسکے پاس ایک صاحب سررشتہ دار تھے۔ ان سے اس انگریز نے کہا تھا ہماری جماعت میں بڑے بڑے متعدد بیدار مغز کام کررہے ہیں اور تقریباً ڈیڑھ سو برس حکومت کرتے ہو گئے مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیرہ برس تک انتظام کی جس حد تک پہنچے ہماری جماعت ڈیڑھ سو برس میں نہیں پہنچی۔ انہوں نے کہا کہ آپ اب تو قائل ہوں گے کہ ان کے ساتھ تائید غیبی تھی؟ اس نے کہا کہ یہ تو آپ کا عقیدہ ہے مگر ہمارے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ عاقل اعلیٰ درجے کے تھے۔ سررشتہ دار صاحب نے کہا ہمارے نزدیک عقل کے ایسے ہی درجہ کا نام تائید حق ہے۔ اسی عقل کے متعلق سفیر اسلامی نے ہرقل کے دربار میں کہا تھا لا یَـخـدع ولا یُـخـدع کہ نہ وہ دھوکہ دیتے ہیں، نہ دھوکہ میں آتے ہیں چنانچہ ہرقل نے اہل دربار سے کہا کہ لا یَخدع خلیفہ کے دین کے کامل ہونے کی دلیل ہے ولا یُخدع ان کے فراست اور عقل کے کامل ہونے کی دلیل ہے اور جس میں دین اور عقل جمع ہوں گے وہ سارے عالم پر غالب آکر رہے گا۔ (الافاضات الیومیہ ج ۳ ص ۱۷۹)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مصیب الرائے ہونا

حق تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مصیب الرائے ہونے کا شرف عطا فرمایا تھا۔ رائے کی اصابت ان کو خاص طور پر عطا کی گئی تھی۔ بعض مرتبہ ان کی

رائے کے مطابق وحی اترتی تھی۔ (کلمۃ الحق، الکلام الحسن وغیرہ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کا توافق بالوحی ہونا جس سے تلقی بالفیض بلاواسطہ رسول اللہ ﷺ متوہم ہوتی ہے اس میں بڑا اشکال ہے کہ جو بات رسول اللہ ﷺ کے ذہن میں نہ تھی اسکو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتلا دیا اسکا اصل جواب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہ علم حضور ﷺ کے واسطہ سے حاصل ہوا اور وہ شق بھی حضور ﷺ کے ذہن میں تھی مگر بعض دفعہ اقتضائے وقت کے لحاظ سے حضور ﷺ کی نظر ایک طرف زیادہ ہوتی تھی اور دوسری طرف نہ ہوتی تھی۔ اس طرف بعض وقت خادموں کے ذریعہ حاضر کر دی جاتی تھی جیسے ایک استاذ جو صاحب تصنیف بھی ہو، کسی مقام کو حل کر رہا ہو وہ اپنے کسی شاگرد کے روبرو کسی مقام کو حل کر رہا ہو اور شاگرد اس موقع پر متنبہ کر دے کہ آپ نے تو فلاں جگہ اس کو دوسری تقریر سے حل کیا ہے اور استاذ کی نظر فوراً اس طرف چلی جائے تو اس کو یوں نہ کہا جائے گا کہ شاگرد استاذ سے بڑھ گیا بلکہ یوں کہا جائے گا کہ یہ استاذ ہی کا ظل ہے جو اس کو یاد آ گیا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اندر مشکوۃ نبوت ہی کے انوار و برکات تھے کہ وہ شق حاضر ہو گئی جس سے توافق بالوحی (۱) ہو گیا۔ (جدید ملفوظات ص ۱۸۳)

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک دلچسپ مکالمہ

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان چل رہے تھے (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذرا چھوٹے قد کے تھے اور حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دراز قد کے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شاعر بھی تھے اور بڑے خوش مزاج تھے اور عموماً شاعر خوش مزاج

---

(۱) وحی کے ساتھ موافقت

ہوتے ہیں۔) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: علی بیننا کالنون فی لنا. الخ
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فی البدیہہ یہ جواب دیا: لو لا کنت بینکما لکنتما
آپ بڑے ذی علم اور ذہین اور تیز طبع تھے۔　　(جدید ملفوظات ص ۱۵۵)

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت کیلئے نامزد کرنا

فرمایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زندگی ہی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی بیعت لے لی تھی۔ آپ نے ایک نلکی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لکھ کر کہا کہ میرے بعد جو خلیفہ ہوں گے ان کا نام میں نے اس نلکی میں لکھ کر رکھا ہے۔ تم سب لوگ اسی نام پر بیعت کرلو۔ (آپ کو یہ اندیشہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ ذرا تیز مزاج ہیں شاید لوگ منظور نہ کریں۔ اس لئے آپ نے اس ترکیب سے بیعت لی) سب لوگوں نے بیعت کر لی چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی بیعت کی۔ سبحان اللہ! ذہانت اس قدر تھی کہ آپ نے بیعت کے وقت یہ بھی فرمایا کہ میں نے بیعت کی چاہے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کیوں نہ ہوں۔ بیعت کے بعد ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ اے ابوبکر! خدا کو کیا جواب دو گے جو ہمارے اوپر ایسے سخت آدمی کو خلیفہ بنایا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تو مجھے خدا سے ڈراتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہر مؤمن ڈرتا ہی ہے لیکن اس شخص کا جو مقصود تھا، اس کا منکر ہونا اس کے اعتبار سے بات فرمائی اور اس کا یہ جواب دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھیں گے تو یہ جواب دوں گا کہ اے اللہ! میں ایسے شخص کو خلیفہ بنا کر آیا ہوں کہ آج اس کا مثل روئے زمین پر نہیں ہے۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ واقعی حکومت اور خلافت کا پورا پورا حق آپ نے ادا کیا ایسا کوئی کر نہیں سکتا۔ شیعہ ناحق لڑتے ہیں میں تو کہتا ہوں کہ عقلمندو! خلفائے ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا شکریہ ادا کرو اتنے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آرام پہنچایا ورنہ ابتداء ہی سے مشقت میں پڑتے کیونکہ ان کی خلافت آجکل کے اودھ بادشاہوں کی سی تھوڑا ہی تھی کہ

اپنے عیش میں مشغول رہے۔ (جامع کہتا ہے کہ وہاں تو یہ ہوتا تھا کہ کوڑا لے کر تمام رات گشت کرتے تھے۔ مخلوق آرام سے سوتی تھی وہ جنگلوں میں جہاں جگہ مل جاتی پتھروں پر سو جاتے تھے۔ مشکوں سے پانی بھر بھر کر گھروں تک پہنچاتے۔ خدا کے خوف کی یہ حالت تھی کہ زمین پر کوڑا مار کر فرماتے اے کاش! عمر تو پیدا ہی نہ ہوتا، تیری ماں تجھے نہ جنتی۔ اے کاش! میں گھاس ہوتا جو چوپائے چر جاتے۔ ایک دفعہ قحط سالی میں تیل کھاتے کھاتے آپ کے پیٹ میں قراقر پیدا ہو گیا تو آپ نے انگلی سے پیٹ کو دبا کر یوں فرمایا کہ ہمارے پاس تیرے لئے سوائے اسکے کچھ نہیں جب تک مخلوق آرام میں نہ ہو جائے۔ اللہ اکبر۔

زباں پر بار خدایا یہ کس کا نام آیا کہ میری نطق نے بوسے میری زباں کے لیے

امیر المؤمنین کی اہلیہ کا ایک مسافرہ عورت کے وضع حمل میں خدمت

فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگل میں گشت فرما رہے تھے کہ یکا یک ایک خیمہ میں کچھ روشنی نظر آئی۔ آپ اس کے قریب ہوئے تو معلوم ہوا کہ ایک مسافر ہے کسی جگہ جا رہا تھا راستہ میں اس کی بیوی کے دردزہ شروع ہو گیا اس لئے یہیں خیمہ کھڑا کر لیا اور اس کی بیوی درد کی وجہ سے بے چین ہے اور کوئی عورت ساتھ نہیں ہے جو اس کام کو سرانجام دے اس وجہ سے اور زیادہ پریشانی ہے۔ آپ انہیں پیروں گھر لوٹ آئے اور بیوی صاحبہ سے کہا کہ تم یہاں آرام سے سوتی ہو اور تمہاری ایک بہن جنگل میں درد کی وجہ سے بے چین ہے۔ جلد چل کر اس کام کو انجام دو۔ بیوی بھی ایسی مطیع اور خدا ترس تھیں کہ فوراً ساتھ ہو لیں (غور کا مقام ہے کہ امیر المؤمنین کی بیوی ایک مسافرہ کے بچہ جنانے کیلئے پا پیادہ جنگل میں تشریف لئے جاتی ہیں۔ یہ ہے وہ خلافت جس پر شیعہ سر چیرتے ہیں کہ یہ آرام تھا۔ جامع) جب خیمہ پر پہنچے تو آپ نے اس شخص سے کہا کہ اب تم باہر آ جاؤ میرے ساتھ یہ بی بی اس کام کیلئے آ گئی ہیں اب کوئی فکر کی بات نہیں۔ (اور آپ نے راستہ میں یہ بیوی کو سمجھا دیا کہ دیکھو میرا امیر المؤمنین ہونا ظاہر نہ کرنا وہ بیچارہ شرمندہ ہوگا) چنانچہ آپ نے اندر پہنچ کر تدابیر وضع حمل کی اختیار کیں۔ لڑکا پیدا ہوا تو آپ نے فرط

خوشی میں (کیونکہ طبعاً لڑکے کی خوشی زیادہ ہوتی ہے گو لڑکیوں سے بھی نفرت نہ ہو۔) فرمایا: أبشر بالإبن یا أمیر المؤمنین اور اس کا خیال نہ رہا کہ آپ نے منع فرمایا تھا۔ وہ شخص امیر المؤمنین کا نام سن کر گھبرا گیا۔ آپ نے اس کو بہت تسلی تشفی کی اور پھر مکان واپس تشریف لے آئے۔ (مجالس حکیم الامت ص ۲۵۷، ۲۵۸)

حضرت عمرؓ کی رعایا کی خبر گیری کا واقعہ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کا حضرت عمرؓ کے بارے میں قول

فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گشت فرما رہے تھے اور غلام بھی آپ کے ساتھ تھا کہ دفعتاً ایک خیمہ میں سے بچوں کے رونے کی آواز آئی۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ان کو فاقہ ہے اور ماں نے چولہے پر خالی ہانڈی چڑھا دی ہے اور وہ انہیں سمجھا رہی ہے کہ گھبراؤ نہیں اب کھانا تیار ہوا جاتا ہے ذرا صبر کرو۔ آپ نے یہ حالت دیکھ کر ان سے فرمایا کہ تم نے امیر المؤمنین کو اطلاع کیوں نہیں کی؟ انہوں نے کہا کیا اطلاع کرنا ہمارے ذمہ ہے آخر امیر المؤمنین کیوں بن بیٹھے ہیں؟ قیامت کے دن دیکھیں گے۔ آپ خاموش ہو کر مکان پر تشریف لے آئے اور کچھ غلہ، کچھ ستو لے کر اپنے سر پر رکھ کر چلے۔ خادم نے عرض کیا کہ میں لے چلوں تو آپ نے فرمایا: لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ. قیامت میں عمر کی طرف سے تو جواب دہ تھوڑا ہی ہوگا۔ عمر ہی سے جواب طلب ہوگا۔ سارا سامان اس کے خیمہ پر پہنچ کر اس کے حوالہ کیا۔ غلام نے عرض کیا واپس چلئے۔ فرمایا ابھی نہیں چلوں گا جس طرح میں نے ان بچوں کو روتا ہوا دیکھا ہے جب تک ہنستا ہوا نہ دیکھ لوں گا اس وقت تک نہ جاؤں گا اور آپ اس خیمہ کے ادھر ادھر ٹہلنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب کھانا تیار ہو گیا اور بچے کھانے کو بیٹھے تو خوشی میں ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کرتے تھے۔ جب یہ حالت آپ دیکھ چکے تو ان سے فرمایا کہ بھائی یہ بڑی ناانصافی ہے کہ امیر المؤمنین تنہا ایک شخص ہے وہ سب کی نگرانی کیسے کر سکتا ہے لوگوں کو چاہئے کہ اس کی مدد کریں یعنی اپنی حاجات کی اے

جا کر اطلاع کریں۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ تیرہ برس آپ کی خلافت رہی۔ اس قدر کام کیا کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ رہا تقوی اور خشیتِ حق وہ ایک الگ مستقل کام تھا۔ غرض کہ ہر کام کا پورا پورا حق ادا کیا ایسا کہ کوئی کر نہیں سکتا۔ (جامع کہتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالی ازالۃ الخفاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''سینۂ فاروق بمنزلۂ خانۂ تصویر کن کہ درہائے مختلف دارد و ہر درے صاحب کمال نشستہ و در یک در مثلاً سکندر ذوالقرنین باآں ہمہ سلیقہ ملک گیری و جہاں ستانی وجمع جیوش و برہم زدن اعداء و در درِ دیگر نوشیروانے باآں ہمہ رفق ولین ورعیت پروری و داد گستری (اگرچہ ذکر نوشیروان در بحث فضائل فاروق اعظم سوئے ادب است) و در دیگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالی وامام مالک رحمہ اللہ تعالی باآں ہمہ قیام بعلم فتوی واحکام و در درِ دیگر مرشدی مثل سیدی عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالی یا خواجہ علاء الدین رحمہ اللہ تعالی و در دیگر محدثے بروزن ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما و در درِ دیگر حلیمے مانند جلال الدین رومی رحمہ اللہ تعالی یا شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ تعالی مردمان گرداگرد ایں خانہ ایستادہ و ہر محتاجے حاجت خود را از صاحب فن درخواست می نماید وکامیاب می گردد'' اھ

زبان پہ بارخدایا یہ کس کا نام آیا　　کہ میرے نطق نے بوسے میری زبان کے لیے

(جامع)

(جدید ملفوظات ص ۲۵۸، ۲۵۹)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں
حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کا خواب

فرمایا کہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وفات سے دو برس کے بعد خواب میں دیکھا کہ پیشانی سے پسینہ صاف کر

رہے ہیں۔ پوچھا یا امیر المؤمنین! آپ کا کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مغفرت کی ابھی حساب سے فارغ ہوا ہوں۔ قریب تھا کہ عمر کا بخت الٹ جائے مگر میں نے اللہ کو بڑا رحیم وکریم پایا۔ ہمارے حضرت نے فرمایا کہ دیکھ لیجئے یہ حکومت ایسی چیز ہے جس کی لوگ ہوسیں کرتے ہیں۔ کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا انصاف کسی میں ہوسکتا ہے اور پھر بھی ان کا یہ واقعہ ہوا۔ (جدید ملفوظات ص۲۶۰)

امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زہد

سید احمد دحلان نے غالباً فتوحات اسلامیہ میں آپ کے زہد کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب انتقال کے وقت عزرائیل (علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) آئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کو دیکھ کر بولے۔ سبحان اللہ! یہ امیر المؤمنین کا گھر ہے جہاں کچھ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا جس گھر میں تم آنے والے ہو اس کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔ (اسباب الفتنہ ملحقہ مواعظ اصلاح ظاہر ص۸۱)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذوقِ اجتہاد

احادیث میں اس کے ثبوت بہت ملتے ہیں۔ دیکھئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذوق اجتہادی ہے تو جس کا ایسا اطمینان ہوا کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بشارت سے روک دیا اور یہ روکنا عند اللہ مقبول رہا (۱) حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی

---

(۱) یہ تفصیلی واقعہ کتب حدیث میں موجود ہے۔ جس کا ترجمہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہم چند صحابہ رسول اللہ ﷺ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارے ساتھ حضرت ابو بکرؓ وحضرت عمرؓ بھی تھے کہ رسول اللہ ﷺ اچانک ہمارے درمیان سے اٹھے اور کہیں باہر تشریف لے گئے۔ جب آپ ﷺ کو گئے ہوئے بہت دیر ہوگئی (اور واپس تشریف نہیں لائے) تو ہمیں سخت تکلیف ہوئی کہ کہیں ہماری غیر موجودگی میں کسی دشمن کی جانب

سے آپ کو کوئی ایذا نہ پہنچ جائے (اس خیال سے ہم گھبرائے اور اٹھ کھڑے ہوئے چونکہ سب سے پہلا شخص میں تھا جو گھبرا اٹھا اس لئے (سب سے پہلے) میں رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں باہر نکلا اور ڈھونڈتا ہوا قبیلہ بنی نجار کے ایک انصاری کے باغ کے قریب پہنچ گیا (اس خیال سے کہ شاید آپ اس باغ میں ہوں) میں نے (اندر جانے کیلئے) چاروں طرف دروازہ تلاش کیا مگر (اضطراب اور گھبراہٹ میں) دروازہ نظر نہ آیا۔ اچانک ایک نالی نظر آئی جو باہر کے کنوئیں سے باغ کے اندر جا رہی تھی لہٰذا میں سمٹ سکڑ کر اس نالی میں داخل ہوا اور اس کے ذریعہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ آپ ﷺ نے (اس طرح اچانک اپنے سامنے مجھے دیکھ کر حیرت سے) فرمایا۔ ابوہریرہ تم؟ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے پھر آپ اٹھے اور چل دیئے۔ جب بہت دیر ہوگئی اور واپس نہ ہوئے تو ہم گھبرائے کہ کہیں ہماری عدم موجودگی میں (خدانخواستہ) آپ کسی حادثہ سے دوچار نہ ہو جائیں اور جب سے پہلے گھبراہٹ مجھ پر طاری ہوئی چنانچہ آپ ﷺ کو ڈھونڈتا ہوا اس باغ تک آنکلا (یہاں دروازہ نظر نہیں آیا) تو لومڑی کی طرح سکڑ کر (نالی کے راستہ سے) اندر گھس آیا، بقیہ لوگ بھی میرے پیچھے آرہے ہوں گے۔ (یہ سن کر) آپ نے اپنی دونوں جوتیاں نکال کر مجھے دیں اور فرمایا ''اے ابوہریرہ! جاؤ اور ان جوتیوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ (تاکہ لوگ جان لیں کہ تم میرے پاس سے آئے ہو) اور باغ کے باہر جو شخص صدق دل اور پختہ اعتقاد سے یہ گواہی دیتا ہوا تمہیں ملے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو اس کو جنت کی بشارت دے دو۔'' (حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے اس پیغام کو لے کر میں باہر نکلا تو) سب سے پہلے حضرت عمرؓ سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے پوچھا اے ابوہریرہ! یہ جوتیاں کیسی ہیں؟ میں نے کہا یہ جوتیاں رسول اللہ ﷺ کی ہیں آپ نے یہ جوتیاں (نشانی کے طور پر) دے کر اس لئے بھیجا ہے کہ جو شخص صدق دل اور پختہ اعتقاد کے ساتھ یہ گواہی دیتا ہوا ملے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو میں اس کو جنت کی بشارت دے دوں۔ (یہ سنتے ہی) عمرؓ نے میرے سینے پر اتنے زور سے ہاتھ مارا کہ میں سرین کے بل نیچے گر پڑا اور پھر انہوں نے کہا۔ ابوہریرہ! جاؤ واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس لوٹ آیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ادھر عمرؓ =

رائے کو قول رسول ﷺ اور نص پر کسی طرح ترجیح نہیں ہو سکتی مگر ان کے ذوق اجتہادی ہی نے بتا دیا تھا کہ یہ بشارت نظم دین میں مخل ہوگی اور باوجود ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دلیل پیش کرنے کے اس شد و مد سے تردید کی کہ ان کو دھکا دے کر گرا بھی دیا اور حضور ﷺ کے سامنے یہ سارا قصہ پیش ہوا تو حضور ﷺ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجرم کیوں نہ ہوئے؟ اس قصہ سے اجتہاد کا بدیہی ثبوت ملتا ہے یہ کوئی کچا محل نہیں ہے۔ دین کی اہل اجتہاد نے من گھڑت باتوں پر بنا نہیں رکھی ان کے یہاں تو خود رائی کا کام ہی نہیں جیسے کہ مجتہدین دوسرے کو پابند بناتے ہیں، خود بھی پابند ہیں۔ کوئی بات بلا قرآن وحدیث کے نہیں کہتے تو ان کی تقلید قرآن وحدیث ہونی چاہئے۔ اس کا نام کچھ رکھ لو۔

(ادب الاعلام ملحقہ مواعظ اصلاح ظاہر ص ۵۲۳، ۵۲۴)

= کا خوف مجھ پر سوار ہی تھا اب کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بھی میرے پیچھے پیچھے آ پہنچے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے (یہ حالت دیکھ کر) فرمایا۔ ''ابو ہریرہ! کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (میں آپ کا پیغام لے کر باہر نکلا تو) سب سے پہلے میری ملاقات عمرؓ سے ہوئی۔ میں نے آپ کا وہ پیغام ان تک پہنچایا (انہوں نے اس کو سنتے ہی) میرے سینے پر اتنے زور سے ہاتھ مارا کہ میں سرین کے بل زمین پر آ پڑا اور پھر انہوں نے کہا کہ واپس چلے جاؤ۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے (حضرت عمرؓ سے) پوچھا ''عمر! تم نے ایسا کیوں کیا؟'' انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ قربان، کیا واقعی آپ نے ابو ہریرہ کو اپنی جوتیاں دے کر اس لئے بھیجا کہ جو شخص صدق دل اور پختہ اعتقاد کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کہتا ہوا ملے اس کو یہ جنت کی بشارت دے دیں؟ آنحضرت نے فرمایا: ہاں۔ عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسا نہ کیجئے۔ مجھے ڈر ہے کہ لوگ کہیں اس بشارت پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں (اور عمل کرنا ہی چھوڑ دیں) اس لئے آپ انہیں (زیادہ سے زیادہ) عمل میں لگا رہنے دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (اگر تمہارا یہی مشورہ ہے تو پھر) لوگوں کو عمل میں لگا رہنے دو۔ (مسلم) ۱۲۔ اعجاز غفرلہٗ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایفائے عہد

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس فارس کا ایک شہزادہ آیا۔ آپ نے اس پر اسلام پیش کیا اس نے انکار کیا۔ آپ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ وہ کہنے لگا کہ امیر المؤمنین! آپ مجھے قتل تو کریں گے ہی لیکن اس سے پہلے میری ایک درخواست پوری کر دیجئے۔ وہ یہ کہ مجھ کو پانی پلا دیجئے، میں پیاسا ہوں۔ آپ نے حکم دیا کہ اسکو پانی پلا دیا جائے۔ جب پانی اس کے سامنے آیا تو وہ کہنے لگا کہ امیر المؤمنین اسکا وعدہ فرمالیں کہ جب تک میں یہ پانی نہ پی چکوں اس وقت تک مجھے قتل نہ کیجئے گا تاکہ پینے کے درمیان میں مجھے کوئی قتل نہ کر دے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وعدہ فرمالیا۔ اس نے وہ پانی زمین پر گرا دیا اور کہا لیجئے آپ مجھ کو قتل کیجئے۔ آپ مجھے قتل ہی نہیں کر سکتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: قد خدعنی الرجل کہ مجھے اس شخص نے بڑا دھوکہ دیا۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ اس کو قید سے رہا کر دیا جائے۔ حضرات! ہے کہیں ایسا قانون جو ایک قیدی کے معاملہ میں سلطانِ وقت کو عاجز کر دے کہ اب وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ مگر اس کا یہ اثر ہوا کہ اس شہزادے نے تھوڑی دیر کے بعد کہا اشھد ان لا الہ الا اللہ و محمد رسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بجز اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور کہنے لگا امیر المؤمنین! اسلام میرے دل میں پہلے ہی آ چکا تھا مگر اس وقت اگر میں اسلام لاتا تو آپ یہ سمجھتے کہ تلوار کے خوف سے اسلام لایا ہے۔ اس واسطے میں نے یہ تدبیر کی کہ پہلے آپ کو اپنے قتل سے میں نے عاجز کر دیا پھر اسلام ظاہر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کی بڑی قدر ہوئی اور ان سے ہمیشہ امور سلطنت میں مشورہ کیا کرتے تھے۔

(الاسراف ملحقہ مواعظ حدود و قیود ص ۴۴۱، ۴۴۲)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کرتے میں اکیس پیوند

شیخ دحلان نے اپنی کتاب فتوحات اسلامیہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی خلافت کے زمانے میں طواف کرتے ہوئے اس حالت میں دیکھا کہ ان کے کرتے میں اکیس پیوند لگے ہوئے تھے جن میں سے بعض کپڑے کے بھی نہ تھے۔

(مجالس حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۳۱۶)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے اعزہ کو عہدہ نہ دینا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اپنے عزیزوں کو نوکر نہ رکھنا چاہئے۔ چنانچہ ایام خلافت میں آپ نے کسی عزیز کو عہدہ نہ دیا۔ (حسن العزیز ج ۳ ص ۲۴۳)

واقعۂ قرطاس اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بوقتِ وصال رسول اللہ ﷺ نے دوات قلم مانگا اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ کیا ضرور؟ بجواب اس کے ارشاد فرمایا کہ یہ اعتراض صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نہیں بلکہ اس میں تو خود حضور ﷺ پر بھی کتمانِ حق (حق کو چھپانے) کا اعتراض لازم آتا ہے۔ آپ پر تبلیغِ احکام فرض تھی۔ اگر کوئی حکم واجب تھا تو آپ نے کیوں نہ ظاہر فرمایا۔ اگر اس وقت دوات، قلم نہیں آئی تھی تو دوسرے وقت منگوا کر تحریر فرمادیتے۔ کیونکہ آپ کئی روز اس واقعہ کے بعد زندہ رہے ہیں چنانچہ یہ واقعہ پنجشنبہ کا ہے اور وفات دوشنبہ کو ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو کوئی نیا حکم ارشاد فرمانا نہ تھا بلکہ کسی امر قدیم کی تجدید و تاکید مقصود تھی چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمجھ گئے اس لئے آپ نے گوارا نہ فرمایا کہ حضور ﷺ تکلیف فرمائیں۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ طبیب کسی کو زبانی نسخہ بتلادے پھر براہ شفقت کہے کہ قلم، دوات لاؤ لکھ دوں اور مریض یہ دیکھ کر کہ اس وقت ان کو تکلیف ہوگی، کہے کہ کیا حاجت ہے۔ اس وقت

تکلیف مت دو۔اور جواب الزامی یہ ہے کہ قصۂ حدیبیہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صلح نامہ لکھا ہے ھذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللّٰہ کفار نے مزاحمت کی کہ ابن عبداللہ لکھو کیونکہ اس میں تو جھگڑا ہے۔اگر ہم رسالت تسلیم کرلیں تو نزاع ہی کس بات کی؟ حضور علیہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اس کو مٹادو۔انہوں نے انکار فرمایا۔پس ایسی مخالفت تو اس میں بھی ہوئی جس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مخالفت کی تھی کہ یہ جوابِ الزامی مجھے پسند نہیں مگر بطور وظیفہ کے اس وقت بیان کردیا۔

(الافاضات الیومیہ ج ۳ ص ۳۰۸، ۳۰۹ ، مقالات حکمت ص ۵۸)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تواضع

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر کھڑے ہوکر فرمایا اسمعوا واطیعوا یعنی سنو اور اطاعت کرو۔حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ لا نسمع ولا نطیع یعنی ہم نہ آپ کا حکم سنیں اور نہ اطاعت کریں۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی وجہ پوچھی تو اس شخص نے کہا کہ غنیمت کے چادرے جو آج تقسیم ہوئے ہیں، سب کو تو ایک ایک چادر ملی ہے اور آپ کے بدن پر دو ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تقسیم میں عدل وانصاف نہیں کیا۔آپ نے فرمایا بھائی تو نے اعتراض میں بہت جلدی کی۔بات یہ ہے کہ میرے پاس کرتا نہیں تھا تو میں نے اپنے چادرے کو تہبند کی جگہ باندھا اور اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چادرہ مانگ کر اس کو کرتے کی جگہ اوڑھا ہے۔اس واقعہ سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ ان حضرات میں بڑے چھوٹے سب برابر حصے کے حق دار سمجھے جاتے تھے۔آج بڑوں کا دوہرا حصہ ہونا گویا لازمی بات ہے۔البتہ اگر مالک ہی دوہرا حصہ دے دے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

(تسہیل المواعظ ج ۲ ص ۵۴، ۵۵)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غایت تواضع

ایک صحابی ہیں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صاحب سر رسول اللہ ﷺ کے لقب سے ملقب ہیں ان کا مذاق اس قسم کا تھا کہ خاص خاص حالات مستقبلہ اور فتن کے متعلق حضور ﷺ سے سوالات کیا کرتے تھے چنانچہ وہ فرماتے: كَانَ النَّاسُ يَسْئَلُوْنَ عَنِ الْخَيْرِ وَاَسْئَلُهٗ عَنِ الشَّرِّ. یعنی لوگ تو خیر کی باتیں پوچھا کرتے تھے اور میں شر کے متعلق سول کیا کرتا تھا تا کہ میں اُس سے بچا رہوں جیسے کسی کا مقولہ ہے: عَرَفْتُ الشَّرَّ لَا لِلشَّرِّ لٰكِنْ لِتَوَقِّيْهِ وَمَنْ لَا يَعْرِفُ الشَّرَّ مِنَ الْخَيْرِ يَقَعُ فِيْهِ. کہ جو شخص شر کو خیر سے نہ پہچانے وہ اس میں واقع ہو جائے گا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ان کو اہل شر کے نام تک بھی بتلا دیئے تھے کہ فلاں فلان لوگ بظاہر مسلمان ہیں اور عند اللہ کافر ہیں چنانچہ جس کے جنازے پر حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف نہ لے جاتے تو جو لوگ سمجھ دار تھے اور اس بھید سے واقف تھے وہ بھی اس جنازہ کی نماز میں شریک نہ ہوتے تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو بوجہ علم کے نہ پڑھتے تھے اور لوگ ان کو چونکہ معتبر سمجھتے تھے اس لئے نہ پڑھتے تھے۔ ایک روز حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلایا اور خلوت میں لے جا کر پوچھا کہ سچ بتانا حضور ﷺ نے منافقین میں میرا نام تو نہیں بتلایا۔ اللہ اکبر! اس کو سن کر آپ لوگوں کو تعجب ہوگا کہ باوجود دنیا میں خوشخبری سن لینے کے پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا خیال کیونکر ہوا؟ بات یہ ہے ۔

عشق است و ہزار بدگمانی

آپ کو تعجب اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا قلب خالی ہے۔ ان کو جناب باری تعالیٰ سے محبت و عشق تھا اور محبت و عشق کا خاصہ ہے کہ بہت دور دور کے وسوسے آیا کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ فلاں بات سے میرا محبوب مجھ سے خفا ہو جائے یا فلاں بات اس کو ناپسند ہو۔ اس لئے حضرت پوچھتے تھے کہ منافقین میں حضور ﷺ نے میرا نام تو

نہیں لیا۔ جب حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ واللہ آپ کا نام نہیں لیا، اس وقت تسلی ہوئی۔ (الظلم ملحقہ مواعظ راہ نجات ص ۲۸۰، ۲۸۱)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رعایا کے قلوب میں عظمت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مجذوم عورت کو طواف کرتے دیکھا تو فرمایا: يَا اَمَةَ اللهِ اُقْعُدِیْ فِیْ بَيْتِكِ وَلَا تُؤْذِی النَّاسَ. یعنی اے خدا کی بندی! اپنے گھر میں بیٹھ اور لوگوں کو تکلیف مت دے۔ وہ طوعاً و کرہاً (۱) چلی گئی۔ چند سال بعد دیکھا گیا پھر آرہی ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو چکا تھا مگر اس کو خبر نہ تھی۔ ایک شخص نے اس سے کہا ابشری فقد مات ذاک الرجل یعنی اب دل کھول کر طواف کر لے کیونکہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جنہوں نے منع کیا تھا) وفات پا چکے ہیں۔ اس نے بہت تاسف (۲) کیا اور انا للہ پڑھا اور کہا میں اب آئندہ طواف نہ کروں گی۔ اگر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندہ ہوتے تو طواف کرتی۔ میں ان کو مردہ سمجھ کر نہیں آئی تھی بلکہ زندہ سمجھ کر آئی تھی۔ طواف کے شوق نے مجھے مجبور کیا اور میں نے جی میں کہا کہ طواف کروں گی۔ بہت سے بہت یہ کہ سزا ہو جائے گی۔ عمر ایسا شخص نہ تھا کہ زندگی میں تو اس کا حکم مانا جائے اور مرنے کے بعد نہ مانا جائے۔ یہ کہہ کر چلی گئی۔

(حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ واقعات ص ۸۳، ۸۴)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دریائے نیل کے نام رقعہ

ایک دفعہ دریائے نیل خشک ہو گیا۔ ہمیشہ چڑھا کرتا تھا اسی سے آبپاشی ہوتی تھی اس دفعہ نہ چڑھا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا عبداللہ بن عمرو بن

---

(۱) ناپسند کرنے کے باوجود (۲) افسوس

العاص (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) عامل تھے۔ لوگوں نے آ کر عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کبھی پہلے بھی ایسا ہوا ہے تو تم کیا کرتے ہو؟ لوگوں نے کہا کہ جب ایسا ہوتا ہے تو ہم ایک جوان حسین لڑکی بھینٹ کر دیتے ہیں اس سے وہ جاری ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جاہلیت کی رسم کبھی نہیں ہوگی اسلام میں اور میں خلیفہ کو لکھتا ہوں۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نیل کے نام حکم نامہ بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ اے نیل! اگر تو خدا کے حکم سے جاری ہے تو کسی شیطان کے تصرف سے بند ہونے کے کیا معنی؟ اور اگر یہ نہیں ہے تو ہم کو تیری کچھ پرواہ نہیں۔ خدا تعالیٰ ہمارا رازق ہے۔ آپ کے اس لکھنے پر مخالفین ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ دریا پر بھی حکومت کرتے ہیں۔ مگر "قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید" آپ کو شبہ بھی نہ ہوا کہ ایسا نہ ہوا تو عزت کرکری ہوگی۔ حضرت عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس رقعہ کو اعلان کے ساتھ لے کر چلے اور مخالفین کا گروہ بھی آپ کے پیچھے چلا، ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ اس رقعہ سے اور دریائے نیل کے جوش سے کیا نسبت؟ مگر وہ رقعہ دریائے نیل میں ڈالنا تھا کہ دریا کو جوش آ گیا اور لبریز ہو کر چلنے لگا۔

(حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ واقعات ص ۲۷)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نماز میں انتظام لشکر کشی

کم از کم خلوت میں تو ایسی توجہ ہونا چاہئے کہ اس وقت دل خیالاتِ غیر سے پاک ہو ورنہ وہ خلوت، خلوت نہ ہوگی بلکہ جلوت ہوگی البتہ اگر ایسا خیال ہو جس کی اجازت محبوب کی طرف سے ہو یعنی دین کا ہو اور ضرورت کا ہو تو وہ خلوت کے منافی نہیں اور ایسا خیال قربِ مقصود کے خلاف نہیں۔ اس خیال کی ایک نظیر وہ ہے جس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: انی لاجھز جیشی وانا فی الصلوۃ. کہ میں نماز میں لشکر کشی کا انتظام کرتا ہوں۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ یہ بھی دین ہی

کا کام تھا اور ضروری تھا اور ذکر اللہ وما والاہ (۱) میں داخل تھا کیونکہ اس سے مجاہدین کے ذکر کی تکمیل ہوتی ہے اور غافلوں کو ذاکر بنا کر اس سے کثرت ذاکرین کی تحصیل ہوتی ہے اور کثرتِ مشاغل کے سبب خارجِ نماز اوقات بعض دفعہ اس کیلئے کافی نہیں ہوتے اور نماز میں یکسوئی ہوتی ہے اور تدبیر وانتظام کا کام محتاجِ یکسوئی تھا اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں بضرورت یہ کام کر لیتے تھے۔

(الرغبۃ المرغوبۃ ملحقہ مواعظ حدود و قیود ص ۳۴۶، ۳۴۷)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پابندیٔ شریعت

ایک واقعہ مجھے اسی قسم کا یاد آیا جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں پیش آیا تھا کہ ہرمزان فارسی سے جو شاہان فارس میں سے ایک بادشاہ تھا مسلمانوں کی صلح ہو گئی تھی مگر اس نے صلح کے بعد غدر کیا۔ پھر مسلمانوں نے اس کے ملک پر حملہ کیا اور صلح کیلئے خوشامد کرنے لگا۔ پھر غدر کیا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے پھر اس کے ملک پر حملہ کیا تو پھر صلح کی درخواست کرنے لگا۔ حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اس مرتبہ صلح منظور نہ کی کیونکہ تجربہ ہو چکا تھا تو اس نے درخواست کی کہ اچھا مجھ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دیا جائے وہ جو فیصلہ میرے حق میں کر دیں گے مجھے منظور ہے چنانچہ اس کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دیا گیا ۔اسکی صورت دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ سے تاب نہ رہی کیونکہ اس نے صلح کر کے مسلمانوں کے بڑے بڑے بہادر اور جلیل القدر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو قتل کیا تھا چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غصہ کے ساتھ اس کو ڈانٹ کر فرمایا کہ تیرے پاس اس غدر کا کیا جواب ہے بولو؟ ہرمزان نے کہا: زندوں کی طرح بولوں یا مردوں کی طرح کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہیں بات پورا کرنے سے پہلے ہی آپ

---

(۱) اللہ کا ذکر اور وہ چیزیں جو اس کے قریب کرنے والی ہیں۔

مجھ کو قتل نہ کر دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تکلم لا باس. بولو، ڈرو نہیں۔ اس نے کہا اچھا مجھے پانی پلوا دیجئے کہ پیاس سے بے تاب ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کیلئے پانی منگوایا جو ایک بھدے سے پیالے میں لایا گیا۔ ہرمزان نے کہا کہ میں مر بھی جاؤں تو ایسے پیالے میں پانی نہ پیوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس کے حق میں پیاس اور قتل کو جمع نہ کرو۔ اچھے گلاس میں پانی لے آؤ۔ چنانچہ لایا گیا تو ہرمزان نے گلاس منہ سے لگا کر ہٹا لیا کہ پینے کی ہمت نہیں ہوتی۔ مجھے اندیشہ ہے کہیں گلاس منہ کو لگاتے ہی میرا سر گردن سے جدا کر دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: لا تخف حتی تشربہ. کہ پانی پینے تک کچھ اندیشہ نہ کرو۔ یہ سنتے ہی ہرمزان نے گلاس پھینک دیا اور کہا مجھے پیاس نہیں ہے۔ مجھے تو صرف امن لینا مقصود تھا سو وہ مقصود حاصل ہو گیا۔ اب آپ مجھے قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے تجھ کو امن نہیں دیا۔ ہرمزان نے کہا آپ واقعی مجھ کو امن دے چکے ہیں کیونکہ آپ نے اس کو تکلم لا باس اور لا تخف حتی تشربہ فرمایا ہے اور یہ الفاظ موجب امان ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کلام میں غور کیا تو سمجھ گئے واقعی میری زبان سے الفاظ امان نکل چکے ہیں تو ہرمزان کو رہا کر دیا اور فرمایا: خدعتنی ولا انخدع الا لمسلم. یعنی تم نے مجھے دھوکہ دیا مگر میں مسلمان کے دھوکہ میں آ سکتا ہوں، کافر کے دھوکہ میں نہیں آ سکتا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد ہرمزان مسلمان ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ تو نے جان بچانے کیلئے تدبیریں کیوں کیں؟ اول ہی میں اسلام لے آتا تو تیری جان بچ جاتی۔ کہا اس صورت میں آپ کو میرے اسلام کی قدر نہ ہوتی۔ یہ خیال ہوتا کہ جان بچانے کیلئے مسلمان ہوا ہے اس لئے میں نے دوسرے طریقے سے جان بچالی اور آپ کو اپنے قتل سے روک دیا اس کے بعد مطمئن ہو کر اسلام لایا۔ اب کسی کو یہ کہنے کا موقع نہیں کہ جان بچانے کو اسلام لایا ہے۔

تو اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس قدر شریعت کے پابند، وقّاف عند الحدود(۱) تھے۔عبدیت اسی نام ہے۔بندہ کی شان تو یہ ہے کہ احکام کا اتباع کرے، مصالح کی پرواہ نہ کرے۔؎

رندِ عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار کارِ ملک ست آں کہ تدبیر و تحمل بایدش

انجن کو کیا حق کہ ڈرائیور کے ٹھہرانے کے بعد نہ ٹھہرے بلکہ اس کو ڈرائیور کے ٹھہرانے کے بعد فوراً ٹھہر جانا چاہئے خواہ اس کے نزدیک ٹھہرنے کی جگہ ہو یا نہ ہو۔

(اصل العبادۃ ملحقہ نظام شریعت ص ۱۱۰،۱۱۲)

جبلہ بن ایہم غسانی اور عدلِ فاروقی

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ سچ تو یہ ہے کہ اگر ہفت اقلیم کا بادشاہ بھی مسلمان ہو تو اسلام کو کیا فخر؟ ہاں خود اس کو فخر ہو کہ ہمیں اسلام میں قبول کر لیا گیا تو مضائقہ نہیں۔جبلہ بن ایہم غسانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں مسلمان ہو گیا تھا جس کے پاس تنعم کا اتنا سامان تھا کہ ہرقل کے پاس بھی نہ تھا۔ایک بار طواف کر رہا تھا، لنگی کا پلہ لٹک رہا تھا وہ کسی غریب آدمی کے پیر کے نیچے دب گیا۔جبلہ جو آگے بڑھا، لنگی کھل گئی۔اس کو غصہ آیا اور اس نے ایک طمانچہ مارا۔اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں فریاد کی۔آپ نے بدلہ کا حکم دیا۔اس نے مہلت مانگی اور شب کو مرتد ہو کر چلا گیا مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو افسوس نہیں ہوا کیونکہ وہ حق پر تھے بلکہ ایک مدت کے بعد اس کو افسوس ہوا اور ظاہر بھی کیا کہ کاش میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمانے پر قصاص پر راضی ہو جاتا تو کیا اچھا ہوتا۔ایک قاصد اسلامی سے یہ بھی کہا کہ میں پھر مسلمان ہو کر آسکتا ہوں بشرطیکہ ایک تو اپنے بعد مجھ کو خلافت دے دیں اور اپنی بیٹی سے شادی کر دیں۔قاصد اسلامی نے کہا کہ خلافت مل

---

(۱) اللہ کی حدود کے آگے رک جانے والے

جانے کا تو میں وعدہ کرتا ہوں مگر بیٹی دینے کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا البتہ پیام پہنچا
دوں گا۔ جب آپ کو خبر ملی تو آپ نے فرمایا کہ اس کا بھی کیوں نہ وعدہ کرلیا مگر جس
وقت جواب دینے کیلئے وہاں آدمی پہنچا اس کا جنازہ آرہا تھا۔ اسلام کے فخر نہ کرنے
پر ایک صاحب کے جواب میں فرمایا کہ جس کے ہزاروں عاشق ہوں اور ایک سے ایک
حسین ہو اگر ان عاشقوں میں سے ایک بدشکل بوڑھا نکل جاوے تو کیا محبوب کو افسوس
ہوگا؟ مگر آجکل کم سمجھ لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اگر باوجاہت شخص کوئی مسلمان ہو جاتا
ہے تو اس کو لئے لئے پھرتے ہیں۔ ارے کیوں اس کا دماغ خراب کیا اسکے مسلمان
ہونے پر فخر کرنے سے تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ مسلمان اس کے انتظار میں منہ کھولے بیٹھے تھے
ورنہ اس میں فخر کی کیا بات ہے اور ابھی تو جب تک ایک معتد بہ (۱) زمانہ نہ گزر جائے
بگڑ جانے کا بھی اندیشہ ہے، کیوں اس قدر اچھلتے پھرتے ہو؟ حق تعالیٰ ایسے ہی نازک
باب میں فرماتے ہیں ''لا تفرح ان اللہ لایحب الفرحین.'' (۲) کیونکہ اب تو
اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ مسلمان ہوئے اور پھر مرتد ہو گئے تو ایسی حالت میں تم کس خبط
میں پڑے؟ اسلام تو بزبان حال کہتا ہے۔

ہر کہ خواہد گو بیا و ہر کہ خواہد گو برو

دار و گیر و حاجب و درباں دریں درگاہ نیست

(اس مال وحشمت پر اترامت۔ واقعی اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ جس کا
دل چاہے آوے اور جس کا دل چاہے چلا جاوے۔ اس دربار میں کوئی پکڑ دھکڑ نہیں
ہے)

اور ایسے ہی موقع پر فرماتے ہیں۔

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

---

(۱) کافی (۲) سورۃ القصص، ۷۶

بادشاہ کی خدمت کر کے احسان نہ جتلاؤ کہ ہم نے خدمت کی اور اس کے احسان مند ہو کہ اس نے خدمت لی۔ (الافاضات الیومیہ ج ۳ ص ۲۳، ۲۴)

عدل فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مسلمان کو ایک ذمی کافر کے قصاص میں قتل کیا۔ ”إعدلوا هو اقرب للتقوى.“ (۱)

(مجالس حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۱۴۴)

ارشادات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے خاندان سے خطاب

فرمایا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو اپنے سب خاندان کو جمع کیا اور فرمایا کہ پہلے تم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان کے کہلاتے تھے اب خلیفہ کے خاندان کے سمجھے جاؤ گے۔ اس واسطے اب اگر تم نے کوئی غلطی کی تو اوروں سے دوگنی سزا دوں گا، سمجھے۔ پھر فرمایا یہ قرآن سے ثابت ہے۔ ازواج مطہرات کے باب میں ارشاد ہے ”يضاعف لها العذاب ضعفين“ (۲)

(کلمۃ الحق ص ۱۱۶)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سارے ملک کو درسگاہ بنا دیا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ بازار میں تجارت کیلئے وہ بیٹھے جو فقیہ ہو۔ مطلب یہ تھا کہ جتنے لوگ آکر اس سے خریدیں گے چونکہ ان سب کو خرید و فروخت کے معاملات ایسے لوگوں سے پڑیں گے تو وہ سب کے سب فقیہ ہو

---

(۱) سورۃ المائدۃ، ۸ (۲) سورۃ الاحزاب، ۳۰

جائیں گے ۔اس تدبیر سے سارے ملک کو درسگاہ اور خانقاہ بنا دیا تھا۔ بڑی لطیف تدبیر تھی۔ حکومت سے سب کام سہولت سے بن سکتے ہیں ۔

(النور ماہ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ، راحت القلوب ص ۴۹۲)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب کوئی مسئلہ پوچھتا تو آپ اول یہ سوال کرتے کہ کیا یہ واقعہ پیش آیا ہے یا ویسے ہی سوال کرتے ہو؟ اگر وہ کہتا کہ واقعہ پیش آیا ہے تب جواب دیتے ورنہ دھمکا دیا کرتے تھے ۔

(دستور سہارن پور ملحقہ مواعظ حقیقت تصوف وتقوی ص ۴۶۶)

مزاح سے وقار ختم ہو جاتا ہے

فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مزاح نہ ہوتا تو میں اپنی حیات ہی میں ان کو خلیفہ بنا دیتا۔ مزاح سے وقار جاتا رہتا ہے ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش مزاج بہت تھے ۔ اکثر ہنستے ، بولتے رہتے تھے اور یوں سب ہی حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم خوش مزاج تھے ۔ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو شعر بھی دیکھے ہیں ۔

ابو بکر حبا فی اللہ مالا　　واعتق من ذخائرہ بلالا

وقد واسی النبی بکل فضل　　واسرع فی اجابتہ بلالا

(انفاس عیسیٰ ج ۲ ص ۵۲۷)

سلطنت کیلئے ہیبت ضروری ہے کیونکہ بہت کام تو ہیبت ہی سے نکل جاتے ہیں اور انتظام میں اس سے بہت سی سہولتیں پیدا ہو جاتی ہیں چنانچہ خلافت کے زمانہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لوگوں پر زیادہ رعب نہ تھا اور جن خاص لوگوں کے سپرد انتظام تھا وہ دبتے نہ تھے ۔ اس وجہ سے آپ کے وقت میں گڑ بڑ ہوئی ۔ بہت کام حاکم کی ہیبت سے نکلتے ہیں ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے تو لوگوں کی روح فنا ہوتی تھی ۔

(الافاضات الیومیہ ج ۹ ص ۱۶۸)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علاجِ غرور

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک دفعہ دیکھا گیا کہ کمر پر مشک لادے ہوئے مسلمانوں کو پانی پلاتے پھرتے ہیں ۔ پوچھا گیا کہ اے امیر المؤمنین ! یہ کیا ہے؟ کہا کچھ لوگ بطور وفد آئے تھے ۔ انہوں نے میری مدح کی ، اس سے نفس میں انبساط پیدا ہوا۔ اس کا میں نے یہ علاج کیا۔

(حضرت تھانوی (رحمہ اللہ تعالی) کے پسندیدہ واقعات ص ۹۲)

حضرات شیخینؓ اور حضرات حسنینؓ کی عمر

فرمایا حدیث میں مضمون ہے ”سیدا شباب أهل الجنة الحسن والحسين وسيد اكهول أهل الجنة ابو بكر وعمر .“ یعنی جنت کے نوجوانوں کے سردار حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں گے اور ادھیڑ عمر والوں کے سردار حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں گے۔

اس میں خدشہ ہوتا ہے کہ عمر تو ہر دو امامین (یعنی حضرت حسن و حسینؓ) کی بھی کہولت کو پہنچی ہے کیونکہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال قریباً پچاس برس کی عمر میں ہوا اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ قریباً چھپن ستاون برس کی عمر میں شہید ہوئے ۔ پھر ان کو شباب کیسے فرمایا؟ اور اگر اسکا جواب یہ دیا جائے کہ یہاں شباب شیوخت (بڑھاپے) کے مقابلہ میں ہے چونکہ امامین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی عمر سن شیوخت تک نہیں پہنچی اس لئے ان کو شباب فرمایا تو اس کی توجیہ تو ہو جائے گی مگر یہ وجہ شیخین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) میں بھی مشترک ہے پھر ان کو کہول کہنے کی کیا حکمت؟ سو توجیہ اس کی یہ مناسب معلوم ہوتی ہے کہ حضرات شیخین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) وفات کے وقت

کہول تھے۔ ان کے مجموعہ وفاتین کے وقت یعنی جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوئی ہے حضرات حسنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) شباب (جوان) تھے۔ پس شباب اپنے معنی پر رہے گا۔ (الافاضات الیومیہ ج ۳ ص ۳۱۰، ۳۱۱)

شان حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صبر

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ بیان فرمایا کہ حضرت نے فتنہ کو اور مسلمانوں کی پریشانی کو گوارہ نہیں کیا بلکہ اپنے قتل کو گوارہ فرمایا۔

(حسن العزیز ج ۱ ص ۲۸)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخاوت کا ایک واقعہ

فرمایا کہ میں نے ایک روایت حضرت مولانا گنگوہی (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے خادم غیر عالم سے سنی ہے۔ واللہ اعلم ثابت ہے یا نہیں، اسلئے احتیاط یہ ہے کہ بجائے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنے کے کسی بزرگ کی طرف منسوب کی جاوے۔ بہر حال وہ روایت یہ ہے کہ ایک بار ایک سائل حضور سرور عالم ﷺ کی خدمت میں یا کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چونکہ اتفاق سے اس وقت آپ کے پاس کچھ نہ تھا آپ نے اس کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یا کسی سخی بزرگ کا پتہ بتادیا کہ ان کے پاس جاؤ وہ ان کی خدمت میں پہنچا۔ جب اپنی عرض پیش کرنے کا قصد کیا تو اتفاق سے آپ اسوقت اپنی بیوی پر خفا ہو رہے تھے کہ تم نے چراغ میں بتی موٹی کیوں جلائی جس سے تیل زیادہ خرچ ہوا۔ یہ سن کر سائل نے دل میں کہا کہ جب انکا بتی پر یہ حال ہے تو ان سے اس سے بتی (یعنی اس سے بڑھتی بمعنی زیادہ) کی تو کیا امید ہے۔ پھر بھی چونکہ حضور ﷺ کا یا کسی بزرگ کا بھیجا ہوا آیا تھا اپنی حاجت عرض کی گو امید تو بالکل نہ رہی۔ ان بزرگ کا بہت سا سامان تجارت شام سے آنے والا تھا۔ سو یا دو سو

اونٹ مال کے لدے ہوئے تھے گو ابھی مال راستہ ہی میں تھا لیکن سفیر نے پہلے سے آ کر اطلاع دیدی کہ کل یا پرسوں مال آ جاوے گا اور اس کا بیجک حوالہ کر دیا تھا۔ آپ نے وہ بے جھجک اس سائل کو دے دیا اور کہا کہ جتنا مال آنے والا ہے تم اس بیجک کے ذریعہ سے وصول کر لینا اور بیچ کر اس کی قیمت اپنے کام میں لے آنا۔ سائل کو حیرت ہوگئی کہ یا تو چراغ کی بتی کا ذرا سا موٹا ہونا بھی گوارہ نہ تھا یا اتنا سارا مال دے دینے میں بھی ذرا تأمل نہ ہوا۔ چونکہ حیرت بہت زیادہ تھی اس لئے رہا نہ گیا پوچھا کہ حضرت اس کا سبب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ تیل فضول جا رہا تھا اسلئے وہ گوارہ نہ ہوا اور یہ مال کام میں خرچ کیا جا رہا ہے اس لئے گوارا ہو گیا۔ خیر ممکن ہے کہ یہ واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نہ ہو لیکن اس سے قاعدہ تو معلوم ہو گیا کہ چھوٹی چیز کو بھی بیکار ضائع کرنا مناسب نہیں۔ (الافاضات الیومیہ ج ۱۰ ص ۲۹،۲۸)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حفظِ نظم

فرمایا کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باغیوں نے محاصرہ کر لیا تو آپ کے لشکریوں میں سے ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ باغیوں کا سردار نماز پڑھا رہا ہے ہم لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ پڑھ لو۔ اس فتوی کا مبنی وہی حفظِ نظم تھا۔ (مقالات حکمت ص ۲۰۴)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں نے پوچھا تھا کہ آپ سے جتنے لوگوں نے بغاوت کی ہے وہ نماز پڑھاتے ہیں ہم ان کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہیں؟ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نماز اچھی چیز ہے۔ اچھے کام میں شریک رہو۔ برے کام میں شریک مت ہو۔ آپ نے دلیل کیسی اچھی بیان کی۔ پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برا کہنے والے کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتوی سے تو پھر اور لوگوں کے پیچھے کیوں نہ درست ہوگی۔ (حسن العزیز ج ۳ ص ۳۹۲)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قبر پر رونے کا سبب

دیکھئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ہیں اور جلیل القدر صحابی ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور حضور ﷺ سے دامادی کا دوہرا تعلق رکھتے ہیں اسی وجہ ذوالنورین مشہور ہیں جب آپ کسی قبر پر تشریف لے جاتے تو اس قدر روتے کہ ریش مبارک تر ہو جاتی۔ جب یہ قصہ حدیث میں آتا ہے تو طالب علم پوچھا کرتے ہیں کہ اس قدر رونے کی اور خوف کی کیا وجہ تھی؟ بلکہ بعض بے ہودہ اور فلسفی مذاق رکھنے والے طالب علم تو یہاں تک کہہ بیٹھتے ہیں کہ اس سے تو نعوذ باللہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان اور تصدیق میں شبہ ہوتا ہے کیونکہ جب حضور ﷺ کی زبان مبارک سے اپنے ناجی اور جنتی ہونے کی بشارت سن چکے تھے پھر اس قدر رونا کیوں؟ سوائے اس کے کہ اس خبر میں کچھ احتمال ہے۔ ایسے احمقوں کا جواب زبان سے نہیں دینا چاہئے بلکہ ان کو پھانسی گھر میں کھڑا کر دینا چاہئے اور بقسم پوچھنا چاہئے کہ پھانسی والے کو دیکھ کر تمہارا قلب اپنی حالت پر ہے یا نہیں۔ بس اس وقت ان کو اس شبہ کا جواب کافی مل جائے گا کہ باوجود اپنے پر یہ خطرہ نہ ہونے کے دل کانپتا ہے کیونکہ وہ صورت اور موقع ہی ایسا ہے تو اگر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل باوجود نجات کے یقین ہونے کے قبر کے اہوال دیکھ کر کانپتا ہو تو کیا تعجب ہے؟ یہ ان کی غایت خوف اور تصدیق بالاخبار الواردۃ (۱) کی دلیل ہے۔ نہ معلوم ہم لوگوں کو جنازہ دیکھ کر کیوں ہیبت نہیں ہوتی جبکہ نجات کی خبر تو کیا امید ہونا بھی مشکل ہے۔

(دواء العیوب ملحقہ مواعظ موت وحیات ص ۲۵۲)

---

(۱) آنے والے حالات کی خبروں کی تصدیق کرنا

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان

فرمایا:

"من کنت مولاہ فعلی مولاہ...... الحدیث"

"یعنی حضور ﷺ نے فرمایا جس کا میں دوست ہوں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس کے دوست ہیں"

اس کے بعد حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے نہایت مسرت سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مبارک باد دی کہ انت مولانا یعنی آپ ہمارے دوست اور آقا ہیں۔ نیز ایک بار حضور ﷺ نے فرمایا انت منی بمنزلة هارون من موسی "یعنی تم کو مجھ سے وہ نسبت ہے جو حضرت موسیٰ (علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام) کو حضرت ہارون (علی نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام) سے تھی۔" ان احادیث سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرب اور تعلق بہت اور قرب حسی تو ضرور ان سے زیادہ تھا گو قرب معنوی بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو زیادہ ہو۔

(تحقیق الشکر ص ۱۸، اشرف الکلام فی احادیث خیر الانام ص ۴۵، ۴۶)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے حضور ﷺ کی دعا

فرمایا: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان یہ تھی کہ حضور ﷺ نے ان کیلئے یہ دعا فرمائی تھی "اللّٰهم أدر الحق معه حيث دار" (یعنی اے اللہ! حق کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تابع کر دے)

یہ عجیب دعا ہے یوں نہیں فرماتے "اللّٰهم ادر علياً مع الحق حيث دار" (یعنی اے اللہ! حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حق کے ساتھ کر دے) بلکہ یوں فرماتے ہیں کہ حق کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کر دے۔ جدھر یہ رخ

کریں، حق بھی ادھرہی رخ کرلے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اگر کبھی خطا بھی ہو جائے تو اسباب ایسے پیدا کر دیئے جائیں کہ وہ خطا صواب ہو جائے۔ مثلاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی پر عتاب کریں اور وہ اس وقت محل عتاب نہ ہو تو ان کے عتاب کے بعد اسباب ایسے پیدا ہو جائیں کہ یہ شخص محل عتاب ہو جائے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عتاب انجام کار صحیح ہو جائے۔

(عصم الصوف عن غم الانوف ص ۴۲، اشرف الکلام فی احادیث خیر الانام ص ۲۹)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تعلق مع اللہ کی سلطنت حاصل تھی

فرمایا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت جلد نہ ملنے پر رنجیدہ ہو گئے تھے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دنیا دار اور طالب دنیا سمجھ رکھا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر میں دنیا کی کچھ وقعت یا ہوس نہ تھی۔ ان کو تعلق مع اللہ کی سلطنت حاصل تھی۔

آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند　　　فرزند و عیال و خانماں راچہ کند

(مظاہر الآمال ص ۲۲)

افتخارِ ہر نبی و ہر ولی

جیسا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ مثنوی میں ہے کہ آپ نے ایک دفعہ معرکۂ جہاد میں ایک یہودی کو پچھاڑ لیا اور سینہ پر بیٹھ کر ذبح کرنا چاہا۔ یہودی نے آپ کے چہرہ پر تھوک دیا تو فوراً چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

او خدو انداخت بر روئے علیؓ　　　افتخار ہر نبی و ہر ولی

بعض لوگوں نے اس شعر کو الحاقی کہا ہے کہ یہ کسی شیعی نے مثنوی میں بڑھا دیا ہے کیونکہ اس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو افتخار ہر نبی کہا ہے مگر یہ خیال غلط ہے

کیونکہ فخر ہمیشہ چھوٹوں ہی کو بڑوں پر نہیں ہوتا، کبھی بڑوں کو بھی چھوٹوں پر فخر ہوتا ہے کہ دیکھو یہ ہمارا لڑکا کیسا لائق ہے۔ حدیث میں بھی تو ہے "تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّیْ اُبَاهِیْ بِكُمُ الْاُمَمَ." حضور ﷺ ہمارے اوپر فخر کریں گے۔ ویسا ہی افتخار یہاں مراد ہے۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہودی کو چھوڑ کر الگ ہو گئے تو اس نے سوال کیا کہ حضرت! دشمن پر قابو پا کر اور اس کی گستاخی دیکھ کر چھوڑ دینا تعجب خیز ہے۔ فرمایا گستاخی کی وجہ سے چھوڑ دیا کیونکہ اس سے پہلے تو میں اللہ کے واسطے مار رہا تھا اور گستاخی کے بعد نفس کو ہیجان اور جوشِ انتقام ہوا۔ اب میرا تجھ کو مارنا خالص اللہ کیلئے نہ ہوتا بلکہ اس میں شفائے غیظِ نفس بھی شامل ہوتا۔ اس کو میں نے گوارہ نہ کیا کیونکہ یہ شانِ اخلاص کے خلاف تھا۔

(اصلاح ذات البین ملحقہ مواعظ آداب نیت ص ۳۵۴، ۳۵۵)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے خیالِ عجب کا علاج

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کرتا پہنا، وہ بہت اچھا معلوم ہوا تو آپ نے اس کی آستین بالشت بھر کاٹ دیں تا کہ عیب پڑ جائے اور بدنما ہو جائے۔

(حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ واقعات ص ۹۳)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذکاوت

آج کل کے شیعوں اور جاہل صوفیوں کے دل میں بھی وہی باتیں آتی ہیں جو پہلے لوگوں کے دل میں آتی تھیں تشابهت قلوبهم. (ان سب کے قلوب باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہیں) اور منشأ ان خیالات کا یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذکاوت اور نورِ فہم اعلیٰ درجہ کا تھا۔ ان کے قضایا، فیصلے اور حکیمانہ اقوال بہت عجیب وغریب ہوتے تھے جس سے بعض لوگوں کو شبہ ہوتا تھا کہ حضور ﷺ نے ان کو کچھ خاص اسرار دوسروں سے علیحدہ بتلائے ہیں۔ اس وجہ سے یہ سوال کیا گیا جس کا جواب

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی تاکید کے ساتھ قسمیں کھا کر یہ دیا : والذی برا النسمة وفلق الحبة ما خصنا رسول الله ﷺ بشئ الا ما فی هذه الصحيفة او فهما اوتيه الرجل فی القرآن. قسم اس ذات کی جس نے جان کو پیدا کیا اور دانہ کو پھاڑا (اور اس میں سے درخت وغیرہ کو نکالا) کہ ہم کو حضور ﷺ نے کسی چیز کے ساتھ خاص نہیں کیا مگر وہ باتیں جو اس صحیفے میں ہیں یا وہ فہم جو انسان کو قرآن سمجھنے کیلئے عطا ہوا اور اس صحیفہ میں تو بعض احکام زکوۃ اور صدقہ کے متعلق تھے جو دیگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی معلوم تھے اور فہم ایسی چیز ہے جو حضور ﷺ کے دینے کی نہ تھی۔ ہاں یہ نعمت حق تعالی کے دینے کی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جواب کا حاصل ظاہر ہے یعنی جن لوگوں کا میری نسبت یہ خیال ہے کہ حضور ﷺ نے مجھے خاص علوم بتلائے ہیں یہ خیال بالکل غلط ہے البتہ حق تعالی نے مجھے قرآن کی فہم عطا فرمائی ہے جس کی وجہ سے یہ عجیب وغریب فیصلے اور حکیمانہ اقوال میری زبان سے نکلتے ہیں۔

(تحقیق الشکر ملحقہ مواعظ تدبیر وتوکل ص ۴۳۱، ۴۳۲)

دوزخ کے عذاب کا ثبوت

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک کافر اپنے کافر باپ اور دادا کی دو کھوپڑیاں قبر سے اکھاڑ کر لایا اور کہا کہ دیکھئے یہ بالکل ٹھنڈی ہیں۔ اگر دوزخ کا عذاب ان پر ہوتا تو یہ گرم ہوتیں۔ چونکہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں کوئی تکلف یا تصنع نہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بجائے جواب خود دینے کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا کہ وہ اس کا جواب دیں گے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور ایک چقماق کا ٹکڑا منگوا کر اس شخص کے ہاتھ میں رکھا کہ دیکھو یہ بالکل ٹھنڈا ہے۔ پھر اس سے فرمایا کہ ایک پتھر سے اس پر چوٹ لگاؤ۔ جب اس نے ایسا کیا تو چقماق سے چنگاری پیدا ہوئی۔ فرمایا کہ دیکھو اس کے اندر آگ

موجود ہے لیکن اوپر سے یہ بالکل ٹھنڈا ہے۔اسی طرح کیا یہ ممکن نہیں کہ ان کھوپڑیوں میں دراصل آگ کا اثر ہو گو ہمیں اوپر سے ٹھنڈی معلوم ہوتی ہیں۔

(الافاضات الیومیہ ج۹ ص ۱۶۸)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک عجیب حکایتِ عدل

اکثر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھولے تھے البتہ بعض محاسب بھی تھے۔ چنانچہ میں ایک قصہ بیان کرتا ہوں کہ دو شخص راہ میں رفیق ہوئے۔کھانے کا وقت آیا۔ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین روٹیاں۔اتفاقاً ایک مسافر بھی آگیا۔اس کو بھی بلا کر کھانے میں شریک کیا تینوں نے مل کر وہ روٹیاں کھائیں۔جب وہ مسافر ان سے علیحدہ ہوا تو اس نے ان کے احسان کے صلہ میں آٹھ درہم ان کو دیئے کہ تم آپس میں ان کو تقسیم کر لیجئے۔تقسیم میں دونوں رفیقوں میں اختلاف ہوا۔پانچ والے نے کہا کہ بھائی تیری تین روٹیاں تھیں تین درہم تو لے اور میری پانچ تھیں، پانچ مجھ کو دے۔تین والے نے کہا نہیں نصفا نصف تقسیم ہونا چاہئے۔اس لئے کہ یہ دونوں عدد قریب قریب ہیں۔یہ قصہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا۔حضرت نے دونوں کو سمجھایا کہ صلح کر لو۔صلح پر راضی نہ ہوئے اور درخواست حساب سے دینے کی کی تو تین والے کو فرمایا ایک تم لو اور سات اس کو دیدو۔محاسب سن کر بہت حیران ہوئے کہ یہ کیا فیصلہ ہے؟ لیکن سننے کے بعد معلوم ہوا کہ عین عدل ہے۔اس لئے کہ کل روٹیاں آٹھ تھیں اور تین آدمیوں نے کھائیں اور کمی بیشی کا اندازہ ناممکن۔اس لئے یوں کہیں گے کہ تینوں نے برابر کھائیں تو اب دیکھنا چاہئے کہ ہر ایک نے کتنا کھایا۔پس ہر روٹی کے تین ٹکڑے کر لو تو کل چوبیس ٹکڑے ہوئے۔پس ہر شخص نے آٹھ ٹکڑے کھائے۔سو تین والے کی روٹیوں کے نو ٹکڑے ہوئے جس میں سے آٹھ تو اس نے خود کھائے ایک بچا وہ مسافر نے کھایا اور پانچ والے کی روٹیوں کے پندرہ ٹکڑے ہوئے جن میں سے آٹھ اس نے کھائے اور سات

مسافر نے کھائے۔ بس یہی نسبت درہم میں بھی ہونا چاہیئے کہ سات درہم پانچ والے کو اور ایک تین والے کو ملنا چاہیئے۔

اس قسم کے بہت قصے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں کہ جو حضرت کی ذکاوت اور فطانت پر دال ہیں لیکن اکثر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین لکھے، پڑھے کم تھے مگر دیکھ لیجئے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی کیا فضیلت ہے تو یہ سب ایک ذات پاک کی صحبت کی برکت ہے۔ اسی صحبت کی نسبت حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

شراب لعل و مے بیغش و رفیق شفیق   گرت مدام میسر شود زہے توفیق

یعنی خالص محبت الٰہی اور مرشد کامل شفیق اگر ہمیشہ تم کو میسر رہتے ہیں تو بہت اچھی توفیق ہے۔ (القاء الحجاز فہ ملحقہ مواعظ حدود و قیود ص ۵۱۴، ۵۱۵)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زرہ چوری ہونے کا واقعہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زرہ چوری ہوگئی۔ ایک روز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک یہودی کے پاس زرہ دیکھی۔ آپ نے اس کو شناخت کرلیا کہ یہ زرہ میری ہے۔ اگر چاہتے تو آپ امیر المؤمنین تھے اس سے زرہ جبراً لیتے۔ اس بیچارہ کا وجود ہی کیا تھا مگر آپ نے ایسا نہیں کیا باقاعدہ قاضی شریح کے ہاں دعوی کیا۔ یہ قاضی بھی ظاہر ہے کہ آپ ہی کے محکوم تھے۔ قاضی نے شہادت طلب کی کہ آپ شہادت قائم کریں کہ یہ زرہ آپ کی ہے۔ آپ نے اپنے بیٹے حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور ایک آزاد شدہ غلام قنبر کو شہادت کیلئے پیش کیا۔ قاضی نے عرض کیا کہ غلام کی شہادت تو معتبر ہے مگر بیٹے کی شہادت باپ کے حق میں قبول نہیں۔ اس میں حضرت اور قاضی شریح میں اختلاف تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹے کی شہادت کو جائز سمجھتے تھے قاضی اس کے خلاف تھے۔ جب آپ اور کوئی شہادت پیش نہ فرماسکے تو قاضی نے آپ کے خلاف مقدمہ کردیا اور زرہ یہودی کو دلوادی۔ آپ وہاں سے نہایت خوش خوش چل

دیئے۔ اس یہودی نے دیکھا کہ باوجود امیرالمؤمنین ہونے کے اور ہر قسم کی قوت کے ان پر کوئی اثر مقدمہ کے ہارنے کا نہیں ہوا۔ یہی دلیل ہے اس مذہب کے حق ہونے کی جس کا اثر قلوب میں ایسا خالص ہے۔ وہ آگے بڑھا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ یہ زرہ آپ کی ہے اور مجھے مسلمان کر لیجئے۔ اسی وقت کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ پھر وہ زرہ آپ نے اسے ہبہ کر دی۔

(الافاضات الیومیہ ج ۳ ص ۳۲۵، ۳۲۶)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کا نشان مٹانے میں حکمت

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے متعلق فرمایا کہ چونکہ خوارج کی طرف سے نکالنے کا اندیشہ تھا اس وجہ سے آپ کی قبر کا نشان مٹا دیا گیا۔

(حسن العزیز ج ۲ ص ۲۰۹ ملفوظ ۵۰۲)

ارشادات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بلوغ کے بعد حق سبحانہ وتعالیٰ کی مغفرت ہوتی ہے

فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ جناب کو بچپن میں مر جانا اور بے خطرہ جنت میں جانا اچھا معلوم ہوتا ہے یا بالغ ہو کر خطرے کے اندر پڑنا؟ جواب دیا کہ بڑے ہو کر خطرے میں پڑنا۔ اس لئے کہ بلوغ کے بعد حق تعالیٰ کی مغفرت ہوتی ہے۔ بچپن اس سے خالی ہے۔ (مقالات حکمت ص ۱۸۸)

جبر واختیار کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیق

فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسئلہ جبر واختیار کا دریافت کیا۔ فرمایا کہ ایک پیر اٹھا کر کھڑا ہو جا۔ اس نے ایک پیر اٹھا لیا۔ پھر فرمایا کہ دوسرا پیر بھی اٹھا لے۔ بھلا دوسرا پیر کس طرح اٹھ سکتا تھا۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت

دوسرا پیر تو نہیں اٹھ سکتا۔ فرمایا کہ بس یہی کیفیت بندہ کے اختیار کی ہے کہ اتنا تو اختیار ہے اور اتنا اختیار نہیں۔ نہ پورا اختار ہے نہ پورا مجبور۔ سبحان اللہ! کس خوبی اور آسانی سے اس نازک مسئلہ کو ذہن نشین فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے علوم کی یہ حالت تھی۔ (حسن العزیز ج ا ص ۲۸)

بندہ کا ارادہ کچھ نہیں

فرمایا: ارادہ بندہ کا کچھ نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: عرفت ربی بفسخ العزائم. یعنی میں نے اپنے رب کو پہچانا ارادوں کے ٹوٹنے سے۔ بسا اوقات انسان اپنے ارادوں میں ناکامیاب رہتا ہے۔ ہزاروں ارادے مصمم کیے مگر کچھ نہ ہوا۔ (مقالات حکمت ص ۶۰)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فہم قرآن

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک مقولہ تھا کہ اگر میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھنے بیٹھوں تو ستر اونٹوں کا بوجھ ہو جائے اور ختم نہ ہو۔

(تحقیق الشکر ملحقہ مواعظ تدبیر وتوکل ص ۴۳۴)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خطبہ بے الف

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک خطبہ بے الف مشہور ہے۔ آپ کی مجلس میں ذکر ہوا کہ حروف تہجی میں سے کونسا حرف زیادہ مستعمل ہے۔ کسی نے کہا الف بہت زیادہ مستعمل ہے۔ کوئی کلام بھی اس سے خالی نہیں ہو سکتا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بالبدیہہ پورا خطبہ بے الف لکھوا دیا۔ خدا جانے حضور ﷺ کی ذات پاک کیا چیز تھی جس نے ہم صحبتوں کو ایسا بنا دیا۔ کتاب مطالب السؤل میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعات مذکور ہیں۔ (حسن العزیز ج ۴ ص ۲۲۶)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو شعر

ای یومین من الموت افر — یوم لا یقدر او یوم لا قدر

یوم لا یقدر لا یأتی القضاء — یوم یقدر لا یغنی الحذر

یعنی موت سے بھاگنا چاہیں تو دو حال سے خالی نہیں یا تو اس روز میں اس کی موت مقدر نہیں یا مقدر ہے۔ پہلی صورت میں تو قضا اور موت آ ہی نہیں سکتی پھر ڈرنا کیسا؟ اور دوسری صورت میں موت کا آنا یقینی ہے پھر بھاگنا کیسا؟ اسی کا ترجمہ کسی نے فارسی میں خوب کیا ہے۔

دو روز حذر کردن از موت خطاست

روزے کہ قضا نباشد و روزے کہ قضاست

(مجالس حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۳۱۷)

فضیلت حضرت معاویہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت غوث الاعظم نے اس سائل کو کیسا دنداں شکن جواب دیا کہ تو معاویہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بابت سوال کرتا ہے۔ عمر بن عبد العزیز (رحمہ اللہ تعالیٰ) و اویس (رحمہ اللہ تعالیٰ) کو حضرت معاویہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ناک کی خاک سے بھی تو نسبت نہیں۔

حضرت علی و معاویہ کی مشاجرت کے درپے ہونا غلطی ہے

آجکل بھی بعض لوگوں کو اس قسم کے سوالات کا خبط سوار ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ ایک عالم سے کسی نے سوال کیا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں میں سے کون حق پر تھے؟ انہوں نے خوب جواب دیا کہ میں بقسم کہتا ہوں کہ قیامت کے روز یہ مقدمہ تمہارے اجلاس میں نہیں بھیجا جائے گا اور اگر بھیجا گیا تو میں تم کو مشورہ دیتا ہوں کہ مقدمہ خارج کر دینا اور کہہ دینا کہ مقدمہ

میرے حدود اختیار سے باہر ہے۔ پھر میں واقعات سے بھی بے بہرہ ہوں اور میں نے علماء سے اس کی تحقیق بھی کرنی چاہی مگر انہوں نے مجھ کو جواب نہیں دیا۔ تمہاری گردن تو اس جواب سے چھوٹ جائے گی۔ پھر اگر ہم سے سوال ہوا کہ تم نے اسے کیوں نہیں بتلایا تو ہم خود نپٹ لیں گے۔ واقعی اچھا جواب دیا بھلا اپنے حوصلے سے زیادہ بڑھنا حماقت ہے یا نہیں؟ پہلے ہم اپنے گھر کا تو فیصلہ کرلیں۔ پیچھے ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جھگڑے میں پڑیں۔ دنیا میں اس کی نظیر دیکھ لیجئے کہ اگر کوئی مقدمہ وائسرائے کی عدالت کے متعلق ہو جس کی بابت یقین ہو کہ تحصیل دار صاحب کی کچہری میں کبھی نہ آئے گا اور تحصیل دار اس کے فیصلہ وقوانین معلوم کرنے کے درپے ہو اور نہ معلوم ہونے سے پریشان ہو تو یہ حماقت ہے یا نہیں؟ ہر شخص یہی کہے گا کہ آپ کو اپنی تحصیل کے قواعد معلوم کرنے چاہئیں ان میں اگر کوتاہی ہو گئی تو آپ سے باز پرس ہوگی۔ آپ سے یہ سوال کوئی نہ کرے گا کہ تم نے وائسرائے کے اجلاس کے قوانین کیوں نہیں یاد کئے۔

(تیسیر الاصلاح ملحقہ مواعظ مفاسد گناہ ص ۲۵۱)

نکاح کے قصہ سے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مشاجرات کی حقیقت سمجھ میں آنا

ارشاد: مجھ کو اپنے دوسرے نکاح کے قصہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشاجرات کی حقیقت معلوم ہوگئی۔ حضرت والا نے دوسرا نکاح کیا تھا اور ضرتین (۱) میں کچھ مناقشات پیش آئے تھے اور یہ کہ میں نے دیکھ لیا کہ یوں بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں شخصوں کی حالت اچھی ہو دین کی مگر پھر بھی مناقشے پیش آئیں۔ اس کی صورت تو یہ ہے کہ ہوں تو دونوں دین میں کامل مگر پھر بھی اجتہاد

---

(۱) سوکنیں، سوکن کی جمع

میں اختلاف ہوتا ہے اس لئے مشاجرے پیش آجاتے ہیں۔

اور پھر دوسرے بیچ والے بھی غلطی میں ڈال دیتے ہیں اور یہ کہ اس سے بالکل تأثر نہ ہو تو یہ مشکل ہے۔ بعض اوقات کوئی بات ہوتی تو ہے حد شرعی کے اندر مگر سمجھنے میں غلطی ہوتی ہے اس وجہ سے اختلاف ہوتا ہے۔ بعض صحیح خبر سناتے ہیں مگر اس کا منشأ نہیں معلوم ہوتا کیا ہے اور کس موقع پر کہا تھا حالانکہ بدنفسی کسی میں نہیں ہوتی مگر پھر بھی اختلاف ہوتا ہے۔ (حسن العزیز ج ۳ ص ۲۳۷)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دستر خوان اور ایک اعرابی

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دستر خوان نہایت وسیع ہوتا تھا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ کے دستر خوان پر ایک اعرابی بھی تھا وہ ذرا بڑے بڑے لقمے کھا رہا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ بھائی بڑے بڑے لقمے مت کھاؤ۔ اس سے نقصان پہنچنا محتمل ہے۔ وہ اعرابی کھڑا ہو گیا اور کہا کہ وہ شخص کریم نہیں جس کی نظر مہمانوں کے لقموں پر ہو۔ تمہیں کھلانے کا سلیقہ نہیں۔ تمہارا کھانا نہ کھانا چاہئے۔ انہوں نے عذر کیا کہ اس میں یہ مصلحت تھی مگر اس نے ایک نہ سنی، خفا ہوتا ہوا چل دیا۔

(حسن العزیز ج ۴ ص ۳۱۵)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق ایک خواب کی تحقیق

فرمایا: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا نہ کہنا چاہئے۔ فقہاء نے جوان کی نسبت ''جور'' کا لفظ لکھا ہے تو یہ لفظ بمقابلہ عدل کے ہے جس طرح عدل کے مراتب ہیں جور کے بھی ہیں۔ صغیرہ سے کبیرہ تک سب اس میں داخل ہیں۔ پس اس سے استدلال کبیرہ پر کیونکر کر سکتے ہیں اور اگر بالفرض ارتکاب کبیرہ کا بھی کوئی ثابت کر دے تب بھی برا کہنا نہ چاہئے۔ خود حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر صحابی سے ارتکاب کبیرہ کا ہو جاوے تو اس کو برا کہنا جائز نہیں۔ وہ حدیث یہ ہے بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہم کا گزر ایک مردہ جانور پر ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس مردہ کو کھاؤ۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یہ تو مردہ ہے۔ حضور پرنور ﷺ نے فرمایا کہ تم نے جو ماعزؓ کو کہ ان سے معصیت زنا کی سرزد ہوگئی تھی، برا کہا اس مردہ کا کھانا اس سے زیادہ برا نہیں۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ صحابی کو برا کہنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ علاوہ اس کے اگر دو بھائی یا باپ، بیٹے میں نزاع واقع ہو تو دوسروں کی کیا مجال کہ زبان ہلا وے۔

امام غزالی (رحمہ اللہ تعالی) نے لکھا ہے کہ کسی نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقدمہ پیش ہوا حق تعالی کے سامنے۔ جب فیصلہ ہوا تو آپ باہر تشریف لائے۔ پوچھا گیا کہ کیا معاملہ ہوا؟ آپ نے فرمایا قضی لی ورب الکعبۃ یعنی میرے موافق فیصلہ ہوا۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہر آئے، ان سے پوچھا گیا۔ فرمایا غفر لی ورب الکعبۃ یعنی حق تعالی نے مجھے بخش دیا۔ لوگوں نے لا تسبوا الأموات پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ کس قدر خرابی ہے۔ (مقالات حکمت ص ۴۵)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا کہنے کی مذمت

فرمایا کہ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ حدیث میں ہے "من سب أصحابی فقد سبنی." اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت منقول ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں کچھ کہتے سنتے تھے تو وہ بھی اس وعید میں داخل ہیں اس لئے ان کو برا سمجھنا بھی درست ہے۔ میں نے جواب دیا کہ اس میں من سے مراد غیر اصحاب ہیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ من میں داخل ہی نہیں اور اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ میری اولاد کو جو شخص بھی برا کہے گا اس کیلئے مجھ سے برا کوئی نہیں تو ظاہر ہے کہ جو شخص سے مراد وہی ہوتے ہیں جو کہ اس کی اولاد سے خارج ہوں ورنہ اگر کسی کے دولڑکے آپس میں لڑنے لگیں تو ان میں سے کسی ایک کا بھی

دشمن نہیں ہوتا۔پس اگر ہم تم کسی صحابی کی شان میں گستاخی کریں وہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں یا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم البتہ اس میں داخل ہوں گے۔

(مقالات حکمت ص ۱۲۰)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کثیر النکاح ہونا

سوال کیا گیا کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کثیر الطلاق تھے حالانکہ حدیث میں آیا ہے ''**ابغض المباحات عندی الطلاق**۔''جواب ارشاد فرمایا کہ طلاق مبغوض جب ہے کہ بلا ضرورت ہو اور اصل یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کثیر النکاح تھے اور ظاہر ہے کہ چار عورتوں سے زیادہ نکاح میں رکھنا جائز نہیں تو جب اس سے زائد نکاح کی ضرورت پیش آئے تو لامحالہ ایک کو طلاق دینی پڑے گی اور یہ واضح ہے کہ نکاح زیادہ کرنے میں خصوصاً جب حاجت بھی ہو کوئی گناہ نہیں۔یہ دوسری بات ہے کہ لوگ بدنام کر دیتے ہیں۔علاوہ بریں امام صاحب رضی اللہ تعالی عنہ طلاق دینے میں مشہور تھے۔پس آپ سے جو عورتیں نکاح کرتی تھیں، جانتی تھیں کہ بعد نکاح چند روز میں طلاق دے دیں گے اور طلاق مبغوض اس لئے ہے کہ اس میں دل شکنی ہوتی ہے اور اس صورت میں دل شکنی متصور نہیں کیونکہ عورتیں آپ کے جسد مبارک سے مس کرنا بسا غنیمت سمجھتی تھیں اس وجہ سے کہ وہ جسد آنحضرت ﷺ کی گودوں میں رہا تھا۔بدن کے اکثر حصے کو حضور ﷺ نے لب مبارک لگایا تھا، بوسہ دیا تھا۔اس لئے اس کو مس کرنے کو موجب نجات و برکت خیال کرتی تھیں۔یہی باعث تھا کہ عورتیں باوجود کثیر الطلاق ہونے کے آپ سے عقد کرنے پر آمادہ ہو جایا کرتی تھیں۔

(مقالات حکمت ص ۳۷۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عہدۂ قضا سے انکار کرنا

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے قضا کا

عہدہ قبول کرنے کیلئے کہا انہوں نے انکار کردیا۔ حضرت عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا کہ اگر تم منظور نہیں کرتے تو اپنے انکار کی کسی کو خبر نہ کرنا ایسا نہ ہو کہ سب ہی انکار کر دیں۔ اس واقعہ سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ پہلے بزرگ حکومت سے کیسی نفرت رکھتے تھے اور حقیقت میں ایسا ہی شخص کام بھی کرسکے گا۔ اب آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ دنیا کے لوگ بڑی تکلیف اور عذاب میں پھنسے ہوئے ہیں اور دولت حقیقی دوسری چیز ہے تو خدا تعالیٰ اس آیت میں اس دولت کو بتلاتے ہیں اور اس کا طریقہ ارشاد فرماتے ہیں اور جس طریقہ کا آجکل رواج ہے اس کو رد کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تمہارے مال اور اولاد اس قابل نہیں کہ تم کو ہم سے قریب کریں البتہ ایمان اور اچھے کام اس کا ذریعہ ہیں جیسا بیان ہوا اور اس میں ان لوگوں کا بھی جواب ہو گیا جو کہتے ہیں کہ دنیا کی ترقی سے ہمارا مقصود دین کی ترقی ہے تو خدا تعالیٰ نے بتلا دیا کہ دین کی ترقی کی یہ صورت نہیں کہ بہت سامال سمیٹ لو۔ ہم اس آیت کا ترجمہ کئے دیتے ہیں۔ اگر تین پانچ کرنا ہو تو خدا تعالیٰ سے کرو اور پوچھو کہ کیوں فرمایا۔ (مقبولیت کا طریقہ ملحقہ تسہیل المواعظ ج ۱ ص ۳۵۹)

عظمتِ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضور ﷺ حضرت بلال جو کہ ایک عبد حبشی تھے، سے نہایت لطف وشفقت سے باتیں کرتے تھے۔ چنانچہ ان سے بتقاضا ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اے بلال! ہم کو راحت دو یعنی اذان کہہ دو تا کہ نماز سے راحت ہو۔ نماز واذان کی تعلیم فرمانا ظاہر ہے کہ روحانی فیض رسانی ہے۔ قال

زیر لب مے گفتی از بیم عدو برمنارہ بگو کوری او

اے بلال! تم مکہ میں زیر لب آہستہ سے دشمن کے خوف سے اللہ کا نام لیتے تھے یعنی کلمۂ توحید کبھی کبھی خفیہ کہتے تھے۔ اب مدینہ میں منارہ پر جا کر پکار کر اللہ کا نام لو یعنی اذان کہو اور دشمن کو نامراد بناؤ۔ اور خفیہ کہنے میں بھی کبھی کبھی کی قید اسلئے لگائی کہ ان کی تو یہ حالت منقول ہے کہ یہ ایک یہودی کافر کے غلام تھے اور وہ ان کو تمام

دن دھوپ میں گرم پتھر پر لٹایا کرتا تھا۔اس حالت میں بھی ان کی زبان سے توحید کے کلمات جاری رہتے تھے۔اتفاقاً ایک روز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس طرف سے گزر ہوا جہاں پر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مبتلائے تکلیف تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے مولا کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے پاس ایک غلام نصرانی عداس نامی تھا جو بہت روپیہ کماتا تھا،اس کو دے کر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھڑا لیا۔اس کافر نے کہا کہ ابوبکر! بہت خسارہ میں رہے کہ ایسا اچھا غلام دے کر ان کو لیا ہے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک غلام کیا اگر تو ان کے عوض میرا سارا گھر بھی مانگتا تو میں وہ بھی دے دیتا۔تو کیا جانتا ہے یہ کیا چیز ہیں اور حق تعالیٰ نے اس کافر کے کہنے کا یہ جواب دیا ''والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین اٰمنوا.الخ'' یعنی قسم ہے زمانہ کی بے شک انسان (کافر) خسارہ میں ہے مگر وہ مؤمن جو اعمال صالحہ کرتے ہیں وہ خسارہ میں نہیں ہیں۔

اسی قصہ کی طرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نظم میں اشارہ کیا ہے۔

ابو بکر حبا فی اللہ مالا   واعتق من ذخائرہ بلالا

وقد واسی النبی بکل فضل   واسرع فی اجابتہ بلالا

پہلے بـــلالا میں جو ایک کلمہ ہے،مراد حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور دوسرے بـــلالا سے جو دو دو کلمے ہیں مراد بدون لا کے ہیں۔معنی اشعار کے یہ ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ کی راہ میں مال دیا اور اپنے ذخائر سے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آزاد کیا۔اور نبی علیہ السلام کی ہر مال کے کے ساتھ غمخواری اور ہمدردی کی اور بدوں انکار کے ان کی اجابت میں جلدی کی۔ان ہی حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

مدح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

أبو بكر سيدنا و أعتق سيدنا

''یعنی ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار یعنی بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آزاد کیا ہے''

اللہ اکبر! کہاں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کہاں بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تو وہ شان ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں: لو كان بعدي نبي لكان عمر. ''یعنی اگر کوئی میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتے'' باوجود اس مرتبہ کے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیدنا فرماتے ہیں لیکن کسی کو کیا خبر ہے کہ بلال کی کس شئے کو انہوں نے سیدنا فرمایا ہے اگر چہ اس شئے میں بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی بڑھے ہوئے تھے لیکن ان حضرات نے اپنے کو اسی طرح مٹایا تھا کہ ہر ایک کو اپنے سے افضل جانتے تھے۔ آجکل دیکھا جاتا ہے کہ تھوڑا سا پڑھ لکھ کر یا کسی ادنی بات سے ایسا ناز ہو جاتا ہے کہ دماغ صحیح نہیں رہتا اور جو نسب میں گھٹا ہوا ہو اگر چہ زہد و تقوی میں بڑھ کر ہو اس میں عیب نکالتے ہیں۔ یاد رکھو حق تعالی کے یہاں حسب و نسب کوئی شئے نہیں۔ جس پر چاہتے ہیں فضل فرمادیتے ہیں۔ دیکھو ابوجہل شریف ہو کر مطرود (مردود) ہوا اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود عبد حبشی ہونے کے مقبول ہو گئے۔ عجب شان ہے۔

حسنؓ ز بصرہ بلالؓ از حبش صہیبؓ از روم   ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

غرض حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو بڑے علی الاعلان توحید کو ظاہر کرنے والے ہیں شاید کبھی ایسا ہوا ہو کہ اس مصلحت سے کہ حضور ﷺ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے ،کسی خاص موقع پر اس توحید کا اخفاء فرمایا ہو۔ اس لئے ارشاد ہے کہ اب کوئی احتمال نہیں رہا۔ پکار کر منارہ پر جا کر اذان کہو اور دشمن کا دل جلاؤ۔

قال مولانا الرومی

میدمد در گوش ہر غمگیں بشر خیز اے مستد بر رہ اقبال گیر

یعنی اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہر طالب دردناک اور غمگین جو درد طلب سے بے قرار ہے اس کے کان میں بشیر یعنی جناب رسول اللہ ﷺ پھونک رہے ہیں کہ اے بدبخت! اٹھ اقبال کا راستہ لے یعنی ہدایت کے ابواب مفتوح ہو گئے اس کو اختیار کرو۔

(السرور ملحقہ مواعظ میلاد النبی ﷺ ص ۸۵ تا ۸۷)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ناقص ہرگز نہ تھے

اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: یَا اَبَا ذَرٍّ! اَنَا اُرِیْکَ ضَعِیْفًا وَاِنِّیْ اُحِبُّکَ اِنِّیْ اُحِبُّ لِنَفْسِکَ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِیْ لَا تَقْضِیَنَّ بَیْنَ اثْنَیْنِ وَلَا تَلِیَنَّ مَالَ یَتِیْمٍ. (اے ابوذر! میں تم کو ضعیف دیکھتا ہوں اور تمہارے لئے اور تمہارے نفس کیلئے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے نفس کیلئے کرتا ہوں۔ نہ دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرنا، نہ مالِ یتیم کا ولی بننا)

ان کو دو آدمیوں کے درمیان بھی فیصلہ کرنے سے منع فرماتے ہیں اور مال یتیم کی حفاظت سے روکتے ہیں او حضرات شیخین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو تمام دنیا کے قضایا کا فیصلہ سپرد فرماتے ہیں تو کیا حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ناقص تھے؟ کیا ان میں قوت فیصلہ نہ تھی یا وہ مال یتیم کی حفاظت نہ کر سکتے تھے۔ کوئی عاقل یہ نہیں کہہ سکتا کیونکہ جس شخص نے حضور ﷺ کو آنکھوں سے دیکھ لیا ہو اور آپ کی صحبت میں رہا ہو وہ ناقص نہیں رہ سکتا خصوص جس شخص سے آپ ﷺ کو محبت ہو وہ ناقص رہے، ایسا نہیں ہو سکتا مگر پھر بھی آپ ﷺ حضرات شیخین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے جو کام لیتے ہیں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وہ کام نہیں لیتے۔ شاید کوئی یہ کہے کہ حضور ﷺ نے تو صاف فرما دیا ہے انی أریک ضعیفا کہ میں تم کو ضعیف پاتا ہوں۔ اس لئے آپ ﷺ نے ان کو قضا اور تولیت مال یتیم سے منع فرمایا جس سے صاف معلوم ہوتا

ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نقص تھا اور ان کو قضا اور تولیت مال یتیم کا وہ مادہ ہی نہ تھا۔ میں کہتا ہوں کہ ضعف سے نقص لازم نہیں آتا۔ دیکھو بچہ ضعیف تو ہوتا ہے کہ بالغ کے برابر اس کے اعضاء میں قوت نہیں ہوتی لیکن اگر وہ تام الاعضاء (۱) ہے تو اسے ناقص نہیں کہا جا سکتا۔ ناقص وہ ہے جس کی آنکھ نہ ہو یا ہاتھ کٹا ہوا ہو یا پیر سے لنگڑا ہو لیکن جو بچہ تندرست ہو اور اس کے سب اعضاء سالم ہوں ان سے ناقص نہیں کہہ سکتے بلکہ اپنی ذات کے لحاظ سے وہ کامل ہی کہلائیگا گو ضعیف ضرور ہے تو حضور ﷺ کے ضعیف فرمانے سے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ناقص ہونا لازم نہیں آتا۔ اگر وہ ناقص ہوتے تو آپ ﷺ ان کو فقید فرماتے (یعنی فقید القویٰ) یا فقیر فرماتے مگر آپ ﷺ تو ضعیف فرما رہے ہیں پھر اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں استعدادِ قضا و قابلیت تولیتِ یتیم نہ تھی۔

(الثمرۃ بذبح البقرۃ ملحقہ مواعظ راہ نجات ص ۳۷۰، ۳۷۱)

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی ہیں انہوں نے اسلام کا چرچا سنا تو اپنے گاؤں سے اپنے بھائی کو مکہ بھیجا تا کہ حضور ﷺ کے حالات کی تفتیش کریں تا کہ حق کی تحقیق ہو جائے۔ انہوں نے واپس آ کر کچھ حالات بیان کئے مگر ان سے ان کی تسلی نہ ہوئی بالآخر خود مکہ آئے مگر حضور ﷺ سے مل نہ سکے کیونکہ اس وقت حضور تک پہنچنا بہت مشکل تھا۔

بچہ بچہ اسلام کا اور مسلمانوں کا دشمن تھا۔ یہ پردیسی آدمی کوئی ان کا ٹھکانہ بھی مکہ میں نہ تھا۔ کہاں ٹھہرتے اور کھانے پینے کا آرام ہوتا مگر زمزم شریف عجب دولت

(۱) مکمل اعضاء والا

ہے۔انہوں نے ایک مہینہ تک اسی پر گزر کیا جب بھوک لگتی تو اسی کو پی لیتے جب پیاس لگتی تو اسی کو پی لیتے۔ایک روایت میں ہے کہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے موٹے ہو گئے کہ پیٹ میں بٹ پڑ گئے۔مدت کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا تم یہاں کیسے ٹھہرے ہو؟ انہوں نے اپنا سارا قصہ ان سے خفیہ کہہ دیا۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ چلو مگر زمانہ خوف کا ہے۔اس طرح چلو کہ کوئی یہ نہ پہچانے کہ تم میرے ساتھ چل رہے ہو۔میں آگے آگے تھوڑے فاصلے پر چلوں گا اور تم میرے پیچھے آنا اور اس پر بھی اگر کوئی شخص مل گیا تو میں پیشاب کرنے کے بہانے راستہ میں بیٹھ جاؤں گا تم گزرتے چلے جانا۔یہ ثابت نہ ہو کہ تم میرے ساتھ ہو ورنہ تمہارے واسطے بھی برا ہوگا اور میرے واسطے بھی۔یہ وہ وقت تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ ہونا بھی جرم تھا۔دیکھئے کس قدر خطرناک وقت تھا۔

مگر دل کی آگ اس کو کہتے ہیں کہ اسی ترکیب سے حضور ﷺ کے پاس پہنچے اور اول ہی جلسہ میں مسلمان ہو گئے۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت تم اپنے گاؤں کو چلے جاؤ۔ہمیں امید ہے کہ ہجرت کی اجازت ہو جائے گی تب وہاں آجانا اور اپنے اسلام کو یہاں ظاہر نہ کرنا۔ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ حضرت کفر کو تو ہمیشہ ظاہر کیا اسلام کو کیا چھپاؤں گا۔یہاں سمجھ لینا چاہئے کہ یہ مخالفت امر نہیں کیونکہ ظاہر ہے نہی شفقۃً تھی اس خیال سے کہ مبادا کوئی مخالف کوئی ایذاء نہ پہنچا دے اس صورت میں تعمیل امر نہ کرنا مخالفت نہیں ہے بلکہ عمل علی العزیمت ہے (اور اسی لئے یہ قصہ بیان کیا گیا ہے) غرض انہوں نے گوارہ نہ کیا کہ اخفائے اسلام کریں اور اظہار کیلئے بھی یہ غضب کیا کہ وہ صورت اختیار کی جس میں جان کا خطرہ تھا۔مسجد حرام میں پہنچے وہاں کفار کی بیٹھک تھی جس کا نام دار الندوۃ تھا جو اب حرم شریف کا جزو ہے۔وہاں سب کفار جمع تھے۔آپ نے کیا کیا کہ اپنے ایمان کی اذان دے دی۔اذان بالمعنی المصطلح نہیں بلکہ بمعنیٰ اعلان ایمان کے ہے یعنی سب کفار کے سامنے کھڑے ہو کر علی الاعلان

کلمۂ شہادت پڑھا۔ پھر کیا تھا کفار تو مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے سب لپٹ پڑے اور بہت مارا۔

بجرم عشق توام میکشند وغو غائیست تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

اور اس سے کچھ تعجب نہ کیجئے کہ ایک شخص دین کے واسطے اتنی ہمت کیوں کرے کہ ایک مخلوق کی محبت میں ایسا دیکھا ہوگا کہ کیا کیا ہو جاتا ہے۔ ایک بازاری عورت کے پیچھے لوگوں کی بعض دفعہ کیا کیا گتیں بنتی ہیں۔ اس مار کی قدر وہی شخص جان سکتا ہے جس کو عشق کا مزہ آچکا ہو۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہ غل مچایا، نہ کچھ ان کی خوشامد کی بلکہ چپ چاپ کھڑے پٹتے رہے۔ عجب نہ تھا کہ کفار مار ڈالتے۔ (حسن العزیز ج ۴ ص ۳۲۹، ۳۳۰)

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غیرت کا ایک قصہ

حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ ہے کہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک جانور اس میں آگیا۔ باغ بہت گنجان تھا باہر نکلنے کیلئے اس کو کوئی راستہ نہ ملا۔ پریشان ادھر ادھر اڑتا پھرنے لگا۔ اس کی یہ حالت دیکھ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں ایک قسم کی خوشی پیدا ہوئی کہ میرا باغ کس قدر گنجان ہے اور درخت آپس میں کس قدر ملے ہوئے ہیں کہ کوئی جانور آسانی سے اڑ کر نکل بھی نہیں سکتا۔ یہ خیال آنے کو تو آگیا مگر اس کے ساتھ ہی چونک پڑے اور دل میں سوچنے لگے کہ ہائیں اے طلحہ! تیرے دل میں مال کی یہ محبت کہ نماز میں بھی تیرا اس طرف خیال گیا۔ آخر نماز کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور! میرے باغ نے تو آج نماز ہی کی حالت میں مجھے اپنی طرف مشغول کر لیا اور میرے دل کو خدا کی طرف سے ہٹا دیا اس وجہ سے میں اس کو اپنے پاس ہی نہیں رکھنا چاہتا اور اپنی اس خطا کو معاف کرانے کیلئے اس باغ ہی کو خدا کی راہ میں دیئے دیتا ہوں۔ آخر کار اس کو خدا کی راہ میں دے دیا جب دل کو اطمینان ہوا۔ ان بزرگوں کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر

شیطان کے وسوسہ سے کچھ بھی ان کے دل میں خلش ہوئی، دنیا کی بادشاہت ہاتھ سے نکل گئی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ بادشاہی جاتے رہنے سے بھی اتنی تکلیف نہیں ہوتی جو ان حضرات کو دنیا کی طرف تھوڑی سی رغبت ہو جانے سے تکلیف ہو جاتی ہے۔ شاید لوگوں کو تعجب ہو کہ ذرا سا خیال آجانے سے انہیں اتنا رنج کیوں ہوا؟ تو سمجھ کہ ان کے نزدیک خدا تعالیٰ میں مشغول رہنا اتنا قیمتی تھا کہ دنیا کی اس کے سامنے کچھ بھی ہستی نہیں بلکہ ان کو جنت بھی اسی وجہ سے پسند ہے کہ وہاں ہمشہ کیلئے خدا تعالیٰ کی رضامندی نصیب ہو گی۔　(صوم اور عید کی تکمیل ملحقہ تسہیل المواعظ ج ۱ ص ۱۸۳)

حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اطاعت کا قصہ

دوسری حکایت حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے اگر چہ یہ صحابی مشہور نہیں ہیں لیکن ہیں صحابی۔ گو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درجہ کے نہیں ہیں۔

آسماں نسبت بعرش آمد فرود　　لیک بس عالیست پیش خاک تود

(آسماں اگر چہ عرش کی نسبت پست ہے مگر ایک خاک کے ٹیلے کے سامنے تو بہت بلند ہے) تو ان کا واقعہ یہ ہوا کہ انہوں نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا تھا۔ جب یہ مسلمان ہو کر آئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ: ھل تستطیع أن تغیب وجھک عني؟ (کیا اپنا چہرہ مجھ سے غائب رکھ سکتے ہو؟)

(فوائد الصحبۃ ملحقہ مواعظ تدبیر وتوکل ص ۵۲۴، ۵۲۵)

حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصہ پر ایک شبہ اور اس کا جواب

یہاں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ کو اپنے چچا سے اس قدر محبت تھی کہ ان کی بدولت ایک مسلمان سے ایسے رنجیدہ رہے کہ ان کی صورت دیکھنا بھی پسند نہیں فرماتے تو یہ تو بڑی رنج کی بات ہے کہ آپ ﷺ خلاف مزاج بات سے اس قدر

متاثر ہوتے ہیں تو اس حالت میں عاصی آپ ﷺ سے کیا امید کریں؟ خدا جانے آپ ﷺ کتنے ناخوش ہوں اور ہم کو کہاں دور پھینک دیں مگر ہم کو اس واقعہ ہی سے ایک بہت بڑی بشارت ہاتھ آئی۔ یہی واقعہ ہے کہ جس سے ان شاء اللہ تعالی ہماری تمام مشکلات حل ہوں گی کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ ایسے متاثر ہونے والے ہیں کہ ایک منتسب کی دنیاوی تکلیف کی آپ ﷺ کو سہار نہیں تو قیامت میں اگر ہم حضور ﷺ کا دامن پکڑ کر کھڑے ہو جاویں گے تو یقیناً ہماری مصیبت کو دیکھ نہ سکیں گے اور ہماری مدد فرماویں گے۔

(فوائد الصحبۃ ملحقہ مواعظ تدبیر و توکل ص ۵۲۵، ۵۲۶)

تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے جیسے اس حدیث سے سمجھا اسی انداز پر اس وقت خدا تعالی سے حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ارشاد نبوی سے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ اگر ہم مچل جاویں گے تو ضرور نبی اکرم ﷺ ہماری مدد فرماویں گے۔ غرض حضور ﷺ نے حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اور انہوں نے کر کے دکھلا دیا کہ تمام عمر سامنے نہیں آئے۔

اُرید وصاله ویرید هجری فاترک ما ارید لما یرید

(میں اس کے وصال کا ارادہ کرتا ہوں وہ میرے فراق کا ارادہ کرتا ہے۔ بس میں اپنی مراد کو اس کی مراد کی وجہ سے چھوڑتا ہوں۔)

کیا کیا لہریں ان کے دل میں اٹھتی ہوں گی کہ

از فراق تلخ مے گوئی سخن ہر چہ خواہی کن ولیکن ایں مکن

(فراق کی تلخ باتیں کرتے ہو۔ اور جو چاہے سو کرو مگر یہ نہ کرو۔)

اگر گردن بھی کاٹ لیتے تو یہ غم نہ ہوتا۔ ایک تو جدائی کا غم، دوسرا یہ غم کہ لوگوں کی نظروں میں کیسی ذلت ہو گی مگر عاشق تھے کچھ بھی پرواہ نہ کی۔ جان و مال

وآبرو سب فدا کر دیا۔ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی کیسے مہذب کہ کسی نے ان کو ذرا نہیں چڑایا بلکہ ان کی زیارت کرنے ملک شام جاتے تھے چنانچہ ان سے ایک صحابی ملنے گئے اور ان سے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا واقعہ پوچھا۔ کہنے لگے خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس کا کفارہ بھی ہوگیا کہ میں نے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا۔

(فوائد الصحبۃ ملحقہ مواعظ تدبیر وتوکل ص ۵۲۶ تا ۵۲۸)

زاہر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکایت

حدیث میں زاہر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ وارد ہے۔ یہ دیہات کے رہنے والے تھے۔ حضور ﷺ کی خدمت میں دیہات کی چیزیں لایا کرتے تھے اور آپ ان کو شہر کی چیزیں عطا فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد مذکور ہے ''زاھر بادیتنا ونحن حاضرہ'' (زاہر ہمارا دیہاتی ہے اور ہم اس کے شہری ہیں) حضور ﷺ کو ان سے بہت محبت تھی۔ ایک مرتبہ یہ بازار میں جارہے تھے کہ حضور ﷺ نے پیچھے سے آکر ان کو دبالیا۔ اول تو زاہر بڑے گھبرائے کہ یہ کون ہے۔ جب معلوم ہوا کہ حضور ﷺ ہیں تو حدیث میں آتا ہے کہ پھر تو زاہر اپنی کمر کو حضور ﷺ کے سینے سے خوب لگانے لگے تاکہ جسد اطہر سے مس ہوکر برکت حاصل ہو جائے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی اس غلام کو خریدتا ہے؟ وہ کہنے لگے یارسول اللہ! اگر آپ مجھے فروخت کریں گے تو مجھے بہت کھوٹا پائیں گے، میرا کوئی بھی گاہک نہ ملے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا لیکن تم خدا کے نزدیک کھوٹے نہیں ہو تو کیا کوئی ایسا کہہ سکتا ہے کہ حضور ﷺ کے دبالینے سے حضرت زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئی کلفت ہوئی تھی۔ ہرگز نہیں اس میں جو کچھ ان کو لطف آیا ہوگا انہی کے دل سے پوچھنا چاہئے۔ (پھر غلام کے لفظ سے یاد کرنے میں جو مسرت حضرت زاہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہوئی ہوگی اس کو ان کے سوا کون بتلاسکتا ہے۔) کسی نے خوب کہا ہے۔

بس کہا مجھ کو اے میرے غلام   سب سے پیارا نام ہے میرا یہی

اسی طرح انبیاء و اولیاء پر جب کلفت آتی ہے تو وہ یہ سمجھ کر کہ نازل کرنے والا کون ہے، یوں کہتے ہیں۔

ناخوش تو خوش بود بر جان من دل فدائے من دل رنجان من

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالت عشقی

فرمایا کہ عاشق جب اپنے محبوب کی طرف سے کوئی عنایت دیکھتا ہے تو پھر اس کے ہیجان کی کوئی انتہاء ہی نہیں رہتی۔ دیکھئے آنحضرت ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ لم یکن تم کو سنانے کا حکم دیا ہے حالانکہ حکم صاف تھا مگر فرط جوش میں مکرر ارشاد فرماتے ہیں کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَللّٰہُ سَمَّانِیْ ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: اَللّٰہُ سَمَّاکَ. بے تاب ہو کر رونا شروع کر دیا (ان نکات کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کے دل کو لگی ہو۔)

۔ نوک غمزہ کی ہو جس دل میں چبھی اس سے پوچھئے چاشنی اس درد کی

حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وہ جانے اس تڑپنے کے مزہ کو گزر جس دل میں حضرت عشق کا ہو

(جدید ملفوظات)

حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قوت ایمانی

حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحابی ہیں جس وقت اسلامی لشکر لے کر بحرین کو روانہ ہوئے، درمیان میں سمندر حائل تھا۔ کنارے پر پہنچ کر سب نے رائے دی کہ کشتیوں کا انتظام کیا جائے۔ انہوں نے فرمایا کہ خلیفۂ رسول نے تاکید فرمائی تھی کہ کہیں ٹھہرنا نہیں۔ میں ٹھہر نہیں سکتا ابھی جاؤں گا اور حق تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! آپ نے موسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کو سمندر میں راستہ دیا تھا ہم

بی محمد ﷺ کے غلام ہیں ہم کو بھی سمندر میں راستہ دے دیجئے۔ یہ کہہ کر سمندر میں گھوڑا
ڈال دیا۔ پھر تو سب ساتھ ہو لئے اور صاف سمندر سے پار ہو گئے۔ دیکھنے کے قابل
بات یہ ہے کہ اس پر اطمینان کس قدر تھا۔ خطرہ تک اس کے خلاف کا قلب پر نہیں
گزرا۔ کیا ٹھکانہ ہے قوت ایمانیہ کا۔ کون ان حضرات کی ریس کرسکتا ہے۔ آجکل باتیں
بھگارتے پھرتے ہیں۔ پہلے ان جیسا ایمان تو اپنے اندر پیدا کرلیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا
کہ ہیبت چھا گئی تمام بحرین پر کہ یہ آدمی ہیں یا فرشتے۔ قوت وہ چیز ہے۔

(النور ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ، راحت القلوب ص ۴۷۹، ۴۸۰)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی توبہ قبول ہونے کی خوشی
میں اپنا تمام مال حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا کہ اسکو جہاں چاہیں، خرچ کر
دیں کہ اس کی وجہ سے مجھے تخلف کی نوبت آئی۔

(الخلط ملحقہ مواعظ اصلاح اعمال ص ۲۶۵)

حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انکساری

حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس بہت پریشان
خاطر حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا حال ہے تمہارا اے
حنظلہ؟ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ! میں منافق ہو گیا۔ آپ
ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے بیان کرو؟ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جو قلب کی حالت
آپ کے حضور میں ہوتی ہے وہ غائبانہ نہیں رہتی اور طرح طرح کے خیالات دل میں
آتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: **حنظلة! ساعة فساعة ...... الی آخر
الحدیث.**

دیکھئے وہ اپنے آپ کو حضور ﷺ کے سامنے منافق کہہ رہے ہیں۔ جناب
رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ (مزید المجید ملفوظ نمبر ۱۳۶)

حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے حامیوں کی اولوالعزمی

صاحبو! اولوالعزمی وہ ہے جو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کر کے دکھلائی کہ ہامان ارمنی کے دربار میں جب حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سو آدمیوں کو ہمراہ لے کر تشریف لے گئے۔ ہامان ارمنی نے حریر کا فرش بچھایا ہوا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اٹھا دیا۔ ہامان نے کہا کہ اے خالد! میں نے تمہاری عزت کیلئے یہ فرش بچھایا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا فرش تیرے فرش سے بہت اچھا ہے۔ اب غور کیجئے کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف سو آدمیوں کے ساتھ ہیں اور ہامان ارمنی کے پاس دو لاکھ فوج ہے لیکن حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا گفتگو کرتے ہیں۔ ہامان ارمنی نے کہا کہ اے خالد! میرا جی چاہتا ہے کہ تم کو بھائی بنالوں۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ بہتر ہے کہو لا الـــــه الا الله محمد رسول الله (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔)

ہامان ارمنی نے کہا کہ یہ تو نہیں ہوسکتا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اس حالت میں ہم نے اپنے حقیقی بھائیوں کو بھی چھوڑ دیا تجھ کو کیا بھائی بناتے۔ پھر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اے ہامان! تو مسلمان ہو جا ورنہ وہ دن قریب نظر آرہا ہے کہ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے اس طرح حاضر کیا جاوے گا کہ تیرے گلے میں ایک رسی ہوگی اور تجھ کو ایک شخص گھسیٹتا ہوگا۔ اس پر ہامان ارمنی آگ ہوگیا۔ غضبناک ہو کر کہا کہ پکڑ لو ان لوگوں کو۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوراً کھڑے ہوگئے اور ہمراہیوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ خبردار! اب ایک دوسرے کو مت دیکھنا اب ان شاء اللہ حوض کوثر پر ملاقات ہوگی اور فوراً میان سے تلوار کھینچ لی۔ یہ ہیبت دیکھ کر ہامان مرعوب ہوگیا اور کہنے لگا کہ میں تو ہنسی کرتا تھا جب حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ درست ہو کر بیٹھے۔ یہ ہے اولوالعزمی نہ یہ کہ غایت کبر ونخوت وتنفر عن المساکین (مساکین سے نفرت) سے جنگل میں جا بسے کہ نہ مسلمان ان کو دیکھ

سکیں، نہ یہ مسلمانوں کو دیکھ سکیں۔ نیز جس کا نام آجکل اولوالعزمی رکھا گیا ہے وہ، وہ ہے جس کی بابت قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا"

(نہیں ارادہ کرتے ہیں بڑائی کا زمین میں اور نہ فساد کا)

تو اولوالعزمی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے کر کے دکھلائی ہے اور وہ توحید سے ہوتی ہے۔ آجکل تکبر کا نام اولوالعزمی رکھا گیا ہے اور اس کی تعلیم دی جاتی ہے۔

صاحبو! کیسے افسوس اور رنج کی بات ہے آج بچوں کو وہ تعلیم دی جاتی ہے کہ ان میں بچپن ہی سے اینٹھ مروڑ پیدا ہو جاوے۔

(فوائد الصحبۃ ملحقہ مواعظ تدبیر و توکل ص ۵۳۲، ۵۳۳)

حصۂ دوم

کراماتِ صحابہؓ

صحیح اور مستند احادیث سے انتخاب

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ

سید احمد حسن صاحب سنبھلی

عرض ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زیرِ نظر حصے کا اصلی نام ''ہدیہ الاحباب فی کرامات الاصحاب'' ہے لیکن ''کراماتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین'' کے نام سے مشہور ہے جس میں نہایت معتبر روایتوں سے صحابۂ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کی مشہور و معروف کرامتوں کا تذکرہ ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اس عظیم الشان کام کو شروع فرمایا تھا اور کافی حصہ ارقام بھی فرما چکے تھے لیکن کثرتِ مشاغل کی وجہ سے خود پورا نہ فرما سکے۔

چنانچہ مولوی سید احمد حسن صاحب سنبھلی کو اس کی تکمیل کا حکم دیا اور مولانا موصوف نے اس کام کو پورا فرما کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت نے ایک ایک حرف ملاحظہ فرمایا اور جا بجا مفید اضافے بھی فرمائے جو آپ کی تقریظ سے بھی واضح ہے۔

یہ حصہ اس سے پہلے رسالہ کی شکل میں مکتبہ خلیل اردو بازار سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اب اسے زیرِ نظر کتاب کا حصہ بنایا گیا ہے۔

تقریظ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (رحمہ اللہ تعالیٰ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد حمد وصلوۃ میں نے اس رسالہ کو خود مؤلف (مولوی احمد حسن صاحب) سے حرفاً حرفاً اور جا بجا ضروری اور مفید مشوروں سے متفق طور پر کمی بیشی کی گئی۔ اس کتاب سے میرا دل اس لئے خوش ہوا کہ اس مضمون کو مدت ہوئی ضروری سمجھ کر خود لکھنا چاہا تھا مگر ہجوم مشاغل سے وقت نہ ملا تو اس ضرورت کو پوری ہوتے دیکھ کر جس قدر خوشی ہو، تھوڑی ہے۔ اللہ تعالی اس کو نافع فرمائیں۔

ناظرین ترجمہ میں طرز جدید یعنی غلبۂ اتباع محاورہ کا انتظار نہ فرمائیں۔ مقصود پر نظر رکھنا چاہئے۔ میرے خیال میں اتباع محاورہ میں لسان منقول الیہ کی رعایت ہے اور لفظی ترجمہ میں زبان منقول عنہ کی حلاوت ہے کہ اس میں اصل کا لطف آجاتا ہے۔

وللناس فیما یعشقون مذاهب

کتبہ اشرف علی

۲۹ جمادی الاخری ۱۳۳۲ھ

ازمؤلف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا.من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ.واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمداًعبدہ ورسولہ.(۱)اللّٰھم صل علی سیدنا ومولانامحمد وعلی آلہ وسلم تسلیما کثیرا کلما ذکرہ الذاکرون وکلما غفل عن ذکرہ الغافلون.

امابعد:

پس گزارش کرتا ہے افقر العبید الی رحمۃ العلی الکبیر سید احمد حسن سنبھلی حنفی چشتی اہل فہم وبصیرت کی خدمت میں کہ نصوص قطعیہ اور سنن نبویہ سے یہ امر یقیناً ثابت ہو چکا ہے کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم تمام امت محمدیہ سے افضل ہیں اور اہل تحقیق کا اس امر پر اجماع ہے کہ کوئی ولی اگر چہ وہ اعلیٰ رتبہ پر ہو، کسی ادنیٰ صحابی کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا اور یہ برکت ہے جناب رسول اللہ ﷺ کی صحبت بابرکت کی۔وہ صحبت مبارکہ کہاں سے آوے جس سے اولیاء کو صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کا درجہ حاصل ہو۔ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء مگر باوجود اس کے اس زمانے میں اکثر عوام کو دیکھا جاتا ہے کہ جس قدر اعتقاد ان کو پچھلے صلحاء اور اولیاء کے ساتھ ہے اس کا نصف بھی صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) سے نہیں۔جہاں تک غور کیا گیا اس کی وجہ یہ سمجھ میں آئی کہ ان لوگوں کے کمالات کو کرامات وخوارقِ عادات میں منحصر سمجھ لیا گیا اور حضراتِ صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کی کرامتیں کم سنی گئی ہیں اس وجہ سے ان حضرات کو اس درجہ کا صاحب کمال نہ سمجھا گیا کہ جس درجہ کے وہ حضرات باکمال تھے۔اس لئے اعتقاد میں بھی کمی ہوئی۔ہر چند کہ

---

(۱)رواہ مسلم واحمد وغیرہما

محققین صوفیہ کی تصریح سے یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ کمالِ حقیقی اور چیز ہے۔ کشف وکرامت کی اس کے روبرو کچھ حقیقت نہیں اور وہ چیز استقامت علی الدین (۱) ہے چنانچہ کہا گیا ہے "الاستقامۃ فوق الکرامۃ (۲) اور صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کا شریعتِ ظاہرہ اور طریقۂ باطنہ اور احوالِ رفیعہ میں مستقیم ہونا کس کو معلوم نہیں اور اس مضمون کو تحقیق اور تفصیل کے ساتھ حضرت مجدد الامۃ مصلح الملۃ، علامۂ زماں، قطب دوراں، مولٰنا حافظ حاجی شاہ قاری اشرف علی صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے کرامات امدادیہ میں اچھی طرح ادا فرمادیا ہے۔ اس جگہ مختصر عرض کیا جاتا ہے کیونکہ یہاں اصل مقصود نقلِ کراماتِ صحابہ (رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین) ہے اور بس اور استقامت کو کرامت معنویہ کہتے ہیں۔ فی الواقع حقیقی اور مقصود کرامت یہی ہے۔ چنانچہ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی (رحمہ اللہ تعالیٰ) کی خدمت میں ایک شخص دس سال رہا اور دس سال کے بعد عرض کیا کہ حضرت میں نے آپ سے کسی کرامت کا صدور نہیں دیکھا۔ حضرت جنید (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے جوش میں آکر فرمایا کہ اس مدت میں مجھ سے کوئی گناہ بھی دیکھا؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا اس سے بڑھ کر کیا کرامت ہوگی۔ یہ تھے اہل علم اور اہل تصوف اور اہل تحقیق کہ بالکل قرآن مجید کے مطابق ارشاد فرمایا۔ حق تعالی فرماتے ہیں" ان اکرمکم عند اللہ اتقکم" یعنی بے شبہ بڑی کرامت وعظمت والا تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو۔ معلوم ہوا کہ مدارِ تقرب فقط تقوی ہے لا غیر (۳)۔ دوسرے یہ کہ اکثر خوارق ثمرہ کثرتِ ریاضت ومجاہدہ کا ہوتے ہیں اور صحابہ (رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین) کو بوجہ کمالِ قابلیت وقوتِ فطرت وبرکت وصحبتِ حضرت سید المرسلین ﷺ کے زیادہ ریاضت کی حاجت نہیں اس لئے خوارق کا بکثرت ان حضرات سے صادر نہ ہونا تعجب کی بات نہیں۔ تیسرے بقول حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ (۴) کرامت کا ظہور، تقویتِ یقینِ اہل زمانہ کیلئے ہوتا ہے چونکہ ببرکت

---

(۱) یعنی دین پر سیدھا رہنا اور اس کو مضبوط پکڑنا اور گناہوں کی لغزش سے باز رہنا ۱۲ منہ (۲) استقامت کرامت سے بہتر ہے۔ (۳) اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ (۴) ہذا القول اوردہ العلامۃ الیافعی فی روض الریاحین وحنبل جد احمد لا ابوہ ۱۲ منہ

زمانہ جناب رسول مقبول ﷺ خیر القرون میں یقین وایمان کمال درجہ کا حاصل تھا اس لئے اس حجت کی چنداں حاجت نہ تھی۔ جوں جوں زمانہ برکت مآب ﷺ دور ہوتا گیا، برکات میں کمی ہوتی گئی اور ایمان میں ضعف ہوتا گیا۔ برہان تقویت کا ظہور قرین حکمت ہوا۔ یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اقرب الی السنۃ وہی حالت ہے جو صحابہ (رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین) کی حالت تھی اس لئے کہ یہاں ضعف ایمان نہ تھا جس کی تقویت کی حاجت ہوتی اور ظاہر ہے کہ یہ حالت اقرب الی السنۃ ہے۔ چوتھے صحابہ (رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین) کے واقعات نقل کرنے میں محدثین نے صحتِ روایت کی بہت سی شرطیں مقرر کی ہیں اور اس قدر اہتمام کیا ہے کہ بمقدور احوال صحیحہ سے اطلاع ہو۔ رطب ویابس اقوال سے اعلی درجہ کا پرہیز کیا بخلاف حکایات اولیائے متاخرین کے کہ ان کے نقل کرنے میں اس قدر احتیاط اور تنقیح نہیں کی گئی اور شدتِ شرائطِ صحت کیلئے قلتِ روایت امر لازم ہے و نیز چونکہ اصل مقصود دین میں احکام ہیں اس لئے بھی محدثین نے بہ نسبت نقل حکایات کے روایتِ سنن کا زیادہ اعتناء فرمایا مگر چونکہ بہ وجوہ بعض عوام کے لئے تسلی بخش نہیں تاوقتیکہ ان کو کچھ کرامتیں صحابہ کرام (رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین) کی بھی نہ بتلائی جائیں اس لئے حسبِ ارشاد فیض بنیاد حضرت والا مجدد دوراں قطب زماں سیدی ومحبوبی ومرشدی مولوی شاہ اشرف علی صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) اس احقر نے شروع کیا۔ حق تعالی بطریق احسن تمام فرمادیں ناظرین سے حسبۃً للہ اپنے واسطے دعائے مغفرت وحصول مقاصد کا طالب ہوں۔ واضح ہو کہ اس کتاب کا خطبہ عرصہ ہوا کہ حضرت والا نے تحریر فرمایا تھا اور ایک صاحب سے کچھ متفرق مضامین بھی جمع کرائے تھے لیکن بوجہ عدیم الفرصتی حضرت کے دست مبارک پر یہ کام نہ ہوسکا۔ اس خطبہ میں بہت سے مضامین خطبۂ مذکورہ کے باختصار وبتغیر مناسب بندہ نے درج کئے ہیں۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ۔

کرامات سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ

(۱) أخرج مالک (رحمه الله تعالیٰ) عن عائشة رضی الله تعالی عنها ان أبابکر رضی الله تعالی عنه نحلها جداد عشرین وسقاً من ماله بالغابة فلما حضرته الوفاة قال یابنیة! والله ما من الناس احد احب الیّ غنی منک ولا اعزّ علیّ فقرا بعدی منک وإنی کنت نحلتک جداد عشرین وسقا فلو کنت جددته واحترزته کان لک وإنما هو الیوم مال وارث وإنما هو أخواک وأختاک فاقسموه علی کتاب الله فقالت یا ابت! والله لو کان کذا وکذا لترکته إنما هی أسماء فمن الأخری؟ قال ذو بطن ابنة خارجة أراها جاریة. وأخرجه ابن سعد وقال فی آخره قال ذو بطن ابنة خارجة قد القی فی روعی انها

جارية فاستوصي بها خيرا فولدت أم كلثوم.

(تاریخ الخلفاء ص:۶۱ مطبوعہ فخر المطابع لکھنؤ)

ترجمہ: امام مالک (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بیس وسق (یعنی ساٹھ صاع تقریباً پانچ من) کھجوریں جو درختوں میں لگی تھیں، ہبہ کی تھیں اور اپنی وفات سے پہلے ہی فرمایا: اے میری پیاری بیٹی! مال و دولت کے باب میں مجھے تم سے زیادہ کوئی پیارا نہیں اور مجھے تمہاری حاجت مندی بھی پسند ہے۔ لاریب (۱) بیس وسق کھجوریں میں نے تمہیں ہبہ کی تھیں۔ اگر تم نے انہیں توڑ کر اکٹھا کر لیا ہوتا تو وہ تمہاری مملوکہ ہو جاتیں لیکن اب وہ تمام وارثوں کا مال ہے جس میں تمہارے دو بھائی اور تمہاری دو بہنیں شریک ہیں۔ بس اس کو تم قرآنِ کریم کے احکام کے موافق تقسیم کر لو۔ جس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا: ابا جان! اگر زیادہ بھی ہوتیں تو تب بھی میں اس ہبہ سے دست بردار ہو جاتی لیکن یہ تو فرمائیے کہ میری بہن تو صرف اسماء ہے۔ یہ دوسری کون؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ بنت خارجہ کے پیٹ میں مجھے لڑکی دکھائی دے رہی ہے۔ اس واقعہ کو ابن سعد نے اس طرح روایت کیا ہے کہ بنت خارجہ کے پیٹ کی لڑکی کو میرے دل میں القاء کیا گیا۔ یعنی میری بیوی بنت خارجہ کے پیٹ میں لڑکی ہی ہے۔ پس میری اس نصیحت و وصیت کو قبول کرو۔ بالآخر

(۱) بلاشبہ

جناب ام کلثوم پیدا ہوئیں۔

اس وصیت سے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی الہامی کرامت ثابت ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کے پیٹ ہی میں جناب ام کلثوم کے وجود کو معلوم کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے فرمایا کہ تمہاری بہن موجود ہے۔

(۲) أخرج أبو يعلى عن عائشة رضى الله تعالى عنها قصة وفيها ثم قال (اى أبوبكر رضى الله تعالى عنه فى اى يوم توفى رسول الله ؟قلت: يوم الأثنين. قال أرجو فيما بينى وبين الليل فتوفى ليلة الثلثاء ودفن قبل أن يصبح.

ترجمہ: ابویعلی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے ایک قصہ کے تحت میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے جناب عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے دریافت فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس دنیا سے کس دن رحلت فرمائی؟ انہوں نے کہا پیر کے دن۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ میں ایک رات کے بعد اسی چیز کا امیدوار ہوں۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے منگل کی رات میں داعی اجل کو لبیک کہا اور صبح ہونے سے پہلے ہی پہلے آپ دفن کیے گئے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کی یہ دوسری کرامت ہے کہ آپ نے جو حکم لگایا تھا اسی وقت آپ کی وفات ہوئی۔ اگر چہ زہوقِ روح (۱) شب میں ہوا لیکن وفات کے مقدماتِ بقیہ دن ہی میں واقع ہوئے جو موت کے حکم میں ہیں۔

---

(۱) روح کا نکلنا

(۳) أخرج (ای ابن سعد) عن سعید بن المسیب أن أبابکر رضی اللہ تعالی عنہ لما مات ارتجت مکۃ فقال أبو قحافۃ رضی اللہ تعالی عنہ ما ھذا؟ قالوا: مات ابنک قال رزء جلیل. (تاریخ الخلفاء ص:۶۲)

ترجمہ: جناب ابن سعد نے حضرت سعید بن میتب سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی وفات کے وقت مکہ معظمہ تھرایا تھا جس پر صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کے والد ماجد جناب ابوقحافہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا یہ زلزلہ کیسا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کے صاحبزادہ نے جامِ رحلت نوش فرمایا جس پر جناب ابوقحافہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا یہ تو بڑی سخت مصیبت آن پڑی۔

آپ لوگوں نے دیکھا کہ مکہ معظمہ کانپا، تھرایا اور زلزلہ پذیر ہوکر آپ کی کرامت کا ظہور رہا۔

(۴) عن عبد الرحمن بن أبی بکر رضی اللہ تعالی عنھما فی قصۃ طویلۃ فدعا (ای أبوبکر رضی اللہ تعالی عنہ بالطعام فأکل وأکلوا فجعلوا لا یرفعون لقمۃ الا ربت من اسفلھا أکثر منھا فقال لامرأتہ یا أخت بنی فراس! ما ھذا؟ قالت: قرۃ عینی! إنھا الآن لاکثر منھا قبل ذلک بثلث مرار فأکلوا وبعث بھا الی النبی ﷺ فذکر انہ اکل منھا. متفق علیہ. (مشکوۃ شریف مطبوعہ اصح المطابع لکھنو)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک بڑے قصہ میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہمانوں کی دعوت کی اور خود بھی شریک طعام تھے جس میں ہر شخص یہ محسوس کر رہا تھا اور مشاہدہ میں بھی آ رہا تھا کہ ہر لقمہ اٹھانے کے بعد کھانا پہلے سے زیادہ بڑھ جاتا گویا اور پیدا ہو جاتا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی سے جو بنی فراس کے قبیلہ کی تھیں فرمایا اے ہمشیرۂ بنی فراس! یہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے جواباً عرض کیا: اے آنکھوں سکھ، کلیجہ ٹھنڈک! اس وقت تو یہ کھانا پہلے سے تین گنا زیادہ ہے۔ چنانچہ ان سبھوں نے خوب یہ کھانا کھایا اور رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں بھی روانہ کیا جسے حضور ہادیٔ کل ﷺ نے بھی جان نوش فرمایا۔ (متفق علیہ)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیک نیتی اور برکت کا یہ طفیل تھا بلکہ آپ کی کرامت کا ادنیٰ ظہور تھا کہ تھوڑا سا کھانا تمام مہمانوں نے کھایا جس میں برابر اضافہ ہی ہوتا رہا۔

(۵) عن محمد بن المنكدر (رحمه الله تعالىٰ) قال دخل رسول الله ﷺ على أبى بكر رضى الله تعالى عنه فرأه ثقيلا فخرج من عنده فدخل على عائشة رضى الله تعالى عنها يخبره بوجع أبى بكر اذدخل أبوبكر رضى الله تعالى عنه يستأذن فقالت عائشة رضى الله تعالى عنها : أبى يدخل فجعل النبى ﷺ يتعجب لما عجل الله فيه من العافية فقال ما هو إلا أن خرجت من عندى فعوفيت فاتانى جبريل فسعطنى سعطة فقمت وقد برأت.

معزوّلابن ابی الدنیا و ابن عساکر.

(قرۃ العینین ص:۹۹ مجتبائی دہلی)

ترجمہ: محمد بن المنکدر رسے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور پرنور سرکار دوعالم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کو بیمار دیکھا اور پھر اس بیماری کی اطلاع کیلئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس گئے اور ان سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کی علالت کو بیان ہی فرمارہے تھے کہ عین اسی وقت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے ہادیٔ کل ﷺ کے در دولت پر حاضر ہوکر اندر آنے کی اجازت چاہی جس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا کہ ابا جان تو آرہے ہیں۔ اس پر حضور رحمۃ للعالمین ﷺ نے اس بات سے کہ شافی مطلق نے اتنی جلد اچھا کردیا، تعجب فرمایا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا کہ حضور جوں ہی میرے پاس سے نکلے جبریل امیں نے آکر مجھے ایک دوا سنگھائی اور میں تندرست ہوگیا۔ اس واقعہ کو ابن ابی الدنیا اور ابن عساکر نے بھی بیان فرمایا ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کی یہ کرامت بھی آپ نے دیکھی کہ ایک ہی لمحہ میں بیماری سے صحت یاب ہوگئے اور حضرت جبریل کے ذریعہ احکامات الٰہی کو حاصل کیا۔

(۶) عن أبی جعفر قال: کان أبوبکر رضی اللہ تعالی عنہ یسمع مناجاۃ جبریل النبی لا یراہ. رواہ ابن ابی داود فی المصاحف کذا قال أبن عساکر.

(کنز العمال ج:۶ ص:۳۱۱ مطبوع حیدرآباد)

ترجمہ: ابوجعفر سے روایت کی گئی ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ اور جبریلِ امین کی سرگوشیوں کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنتے تھے اور ان کو دیکھتے نہیں تھے۔ اس کو مصاحف میں بھی ابوداود نے لکھا ہے اور حافظ محدث ابن عساکر نے بھی بیان کیا ہے۔

(۷)فی قصة الحديبية فقال عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه فأتيت نبى الله ﷺ فقلت: يا نبى الله !الست نبى الله حقا؟ قال: بلى .قلت: ألسنا على الحق وعدونا على الباطل ؟قال: بلى .قلت: فلم نعطى الدنية فى ديننا اذن ؟قال: إنى رسول الله ولست عاصيه وهو ناصرى. قلت: أوليس كنت تحدثنا أنا سناتى البيت ونطوف به؟قال: بلى .أفاخبرتك انك تأتيه العام ؟قلت: لا .قال فانك آتيه ومعطوف به .قال: فاتيت أبابكر فقلت: يا أبابكر!اليس هذا نبى الله حقاً ؟قال: بلى.قلت: ألسنا على الحق وعدونا على الباطل ؟قال: بلى.قلت: فلم نعطى الدنية فى ديننا اذن ؟قال: أيها الرجل! إنه رسول الله ولن يعصى ربه وهو ناصره .فاستمسك بعرزه فوالله إنه على الحق .فقلت: أليس يحدثنا انا سناتى البيت ونطوف به؟قال: بلى. أفاخبرك تاتيه العام ؟قلت: لا .قال فإنك آتيه ومعطوف به.قال عمر فعملت لذلك اعمالاً .رواه البخارى وابو داود.

(تیسیر مطبوعہ نول کشور ص:۱۴۵)

ترجمہ: حدیبیہ سے متعلق مذکور ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے کہا کہ میں نے سرورِ عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا یا رسول اللہ ! کیا آپ اللہ کے سچے رسول ہیں ؟ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ہاں ! ہوں ۔ پھر میں نے کہا کیا ہم حق پر نہیں ؟ اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ہیں ۔ پھر میں نے عرض کیا تو ہم اپنے دین کے بارے میں اب ذلت کیوں گوارہ کریں ؟ یعنی جبکہ ہم حق اور سچائی پر قائم ہیں تو وہ صلح جو مصلحتہً کر لی گئی ہے ، اسے برقرار کیوں رکھیں ؟ اس پر سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد ہوا : میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی نہیں کرتا ۔ وہ ہماری مدد کرنے والا ہے اور انجام کار ہمیں غلبہ دے گا ۔ پھر میں نے کہا آپ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم عنقریب بیت اللہ آئیں گے ؟ اور اس کا طواف کریں گے ؟ اس پر سرکار نے فرمایا ہاں لیکن کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ ہم اسی سال آئیں گے ؟ میں نے عرض کیا جی نہیں ۔ اس پر سرورِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا : تم یقیناً یہاں آؤ گے اور بیت اللہ کا طواف کرو گے ۔ اس کے بعد میں نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس آ کر کہا کہ سرور عالم کیا اللہ تعالی کے سچے رسول نہیں ہیں ؟ انہوں نے جواب دیا بے شک ہیں ۔ میں نے کہا کیا ہم حق وراستی پر اور ہمارے دشمن کجراہی اور باطل پر نہیں ہیں ؟ انہوں نے فرمایا کیوں نہیں ۔ میں نے کہا تو اس وقت جبکہ ہم راستی پر ہیں اور مخالف باطل پر تو دین کے بارے میں اس صلح کو برقرار رکھ کر ذلت کیوں اختیار کریں ؟ جس پر صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے جواباً کہا : اے مرد خدا ! سُن سرور عالم ﷺ بلا شک وشبہ اللہ تعالی کے رسول ہیں اور کبھی بھی اللہ تعالی کے احکام کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے ۔ اللہ تعالی ان کا مددگار ہے اور ان کو غلبہ دینے والا

ہے۔ پس تم ان کے احکام کی سختی سے تعمیل کرتے رہو کیونکہ اللہ کی قسم وہ راستی اور حق پر گامزن ہیں۔ پھر میں نے اور دریافت کیا کہ کیا انہوں نے ہم سے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم بیت اللہ آن کر اس کا طواف کریں گے؟ جس پر صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے جواب دیا کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے کیا یہ بھی فرمایا تھا کہ تم اسی سال بیت اللہ آؤ گے اور اس کا طواف کرو گے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ میں نے اس جرأتِ دریافت کے تدارک کیلئے بہت سے نیک اور صالح اعمال کیے (بخاری اور ابوداود نے بیان کیا ہے۔)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کا جواب لفظ بلفظ بالکل رسالت مآب ﷺ کے جواب کے برابر پایا جانا بالعموم لوگوں کی عادتوں کے خلاف ہے۔ اس لئے یہ بھی آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی کرامت تصور کی گئی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی نیک نیتی اور برکت کا طفیل تھا بلکہ درحقیقت آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی کرامت تھی کہ اپنی کرامتوں اور خرقِ عادت کاموں کو دوسروں پر واضح الفاظ میں بیان نہیں فرماتے تھے بلکہ خود کو ادنی بندہ کہتے اور اکثر اوقات اپنے اقوال و کردار سے کرامتوں کا اظہار فرماتے تا کہ تمام لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں۔

کرامات خلیفۂ دوم فاروق اعظم سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ

(۸) أخرج البخاری عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالی عنه قال قال رسول اللہ ﷺ: لقد کان فیما قبلکم من الأمم ناس محدثون فإن یکن فی امتی أحد فإنه عمرای

ملهمون. (تاريخ الخلفاء ص: ۸۴)وأخرج الطبرانی فی الأوسط عن ابی سعيد الخدری مرفوعاًفی حديث طويل وإنه لم يبعث الله نبياًالا كان فی أمته محدث وإن يكن فی امتی منهم احد فهو عمر.قالوا يا رسول الله!كيف محدث؟قال تتكلم الملئكة علی لسانه اسناده حسن.

(تاریخ الخلفاء ص:۸۵)

ترجمہ: امام بخاری نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کی ہے کہ سرورِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: پہلی امتوں میں ایسے لوگ تھے جن کے دل میں اللہ تعالی کی طرف سے باتیں القاء کی جاتی تھیں یعنی الہام ہوتا تھا اور میری امت میں اگر کوئی ایسا شخص ہے تو وہ عمر ہیں۔ نیز علامہ طبرانی نے کتاب الاوسط میں جناب ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ کے ذریعے ایک لمبی مرفوع حدیث کے تحت بیان کیا ہے کہ اللہ تعالی نے جس امت پر کوئی نبی بھیجا تو اس امت میں کوئی نہ کوئی ملہم ضرور ہوتا تھا یعنی نبی کی آمد سے قبل اس امت میں ایسی شخصیت ضرور ہوتی تھی جس پر پروردگار الہام فرماتے رہتے تھے اور اگر ان الہاماتِ الٰہی سے سرفراز ہونے والا کوئی شخص میری ملت میں ہے تو وہ عمر ہیں۔ صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم کے استفسار پر کہ محدث وملہم کی کیا کیفیت ہوتی ہے، رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا: اس کی زبان پر فرشتے بولتے ہیں۔ یعنی اس شخص ملہم کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ فرشتے اس سے جو کچھ کہتے ہیں وہ فرشتوں کی کہی ہوئی باتوں کو انسانوں سے کہہ دیتا ہے اور کوئی بات اپنی طرف سے کسی سے بھی نہیں کہتا۔ اس حدیث کی سند حسن یعنی معتبر ہے۔

ان دونوں حدیثوں سے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صاحب الہام ہونا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت کو ظاہر کرتا ہے اور ان دونوں حدیثوں میں لفظ اِن یکن یعنی اگر کا لفظ اس لئے لایا گیا ہے تاکہ انتہائی وثوق ظاہر ہو اور کلام میں قوت پیدا ہو جیسے کوئی شخص اپنے پکے دوست سے یوں کہے کہ اگر دنیا میں میرا کوئی یار ہے تو وہ تم ہو۔ اس جملہ سے کسی سمجھ دار کو اس کی یاری اور دوستی میں وہم اور شک پیدا نہیں ہوتا بلکہ بہت انتہاء و پکی دوستی کو ظاہر کرتا ہے جبکہ پچھلی امتوں میں صاحبِ الہام ہوا کرتے تھے تو ملت اسلامیہ جو باعتبار علم و فضل افضل تر ہے، اس نعمت انعام سے زیادہ تر مشرف ہوئی۔ ان دونوں حدیثوں میں کوئی لفظ تو کیا، کوئی نقطہ بھی ایسا نہیں جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا دوسرے پر منحصر اور دلالت کرتا ہو۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صاحبِ الہام ہونا پہلے بیان کیا جا چکا ہے جو بالکل صحیح ہے اور فاروق اعظم پر الہامات کی بارش آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوصافِ حمیدہ کے ساتھ متصف ہے۔ نیز ہر شخص پر واضح ہے کہ تقریباً بائیس مقامات ایسے ہیں جہاں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے فرمانِ پروردگار کے عین موافق تھی جن کا تذکرہ قرآن کریم اور احادیث میں موجود ہے۔ (تفصیل کیلئے تاریخ الخلفاء صفحات: ۸۷ تا ۸۹ دیکھئے۔)

(۹) أخرج الترمذی عن عائشة رضی الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله ﷺ: إنی لأنظر الی شیاطین الجن والأنس قد فزوا من عمر. (تاریخ الخلفاء ص: ۸۴) وأخرج احمد من طریق بریدة رضی الله تعالیٰ عنها أن النبی ﷺ قال: إن الشیطان لیفرق منک یاعمر! (تاریخ الخلفاء ص: ۸۵)

ترجمہ: امام ترمذی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے جناب عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کی ہے کہ حضور پرنور ﷺ نے ارشادفرمایا: البتہ میں نے انسانوں جناتوں اور شیاطین کو دیکھا کہ وہ عمر کے خوف سے بھاگ گئے۔ (تاریخ الخلفاء ص:۸۴) اور امام احمد (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی سند سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا: اے عمر! البتہ تم سے شیطان تک ڈرتا ہے۔

(۱۰) عن ابن عمر رضی الله تعالى عنهما قال: وجه عمر جيشاً وراس عليهم رجلاً يدعى سارية فبينا عمر يخطب جعل ينادى يا سارية! الجبل ثلثاً ثم قدم رسول الجيش فسأله عمر فقال يا أمير المؤمنين اهزمنا فبينا نحن ذلک اذ سمعنا صوتاً ينادى يا سارية! الجبل ثلثاً فاسندنا ظهورنا الى الجبل فهزمهم الله. قال: قيل لعمر رضى الله تعالى عنه إنک كنت تصيح بذلک وذلک الجبل الذى كان سارية عنده بنهاوند من أرض العجم. قال ابن حجر فى الإصابة اسناده حسن.

(تاریخ الخلفاء ص:۸۹)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے جناب ساریہ کی قیادت میں جہاد کی غرض سے ایک لشکر روانہ فرمایا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ ایک دن خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اپنے اسی خطبہ کے دوران میں فرمانے لگے۔ اے ساریہ! پہاڑ کی طرف ہٹ جا۔ آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے تین دفعہ اسی طرح فرمایا۔ کیونکہ پہاڑ کی طرف ہٹ جانے سے

مسلمانوں کے غالب ہو جانے کی امید تھی۔ جب تھوڑے دنوں بعد اس فوج کا قاصد آیا تو فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے اس لڑائی کا حال پوچھا۔ قاصد نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! ایک دن شکست کھانے ہی والے تھے کہ ہمیں ایک آواز سنائی دی جیسے کوئی پکار کر کہہ رہا ہے کہ اے ساریۃ! پہاڑ کی طرف ہٹ جا۔ اس آواز کو ہم نے تین مرتبہ سنا۔ اور ہم نے پہاڑ کی طرف پیٹھ کر کے سہارا لیا ہی تھا کہ اللہ تعالی نے ان مشرکین کو شکست فاش دی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کہتے ہیں کہ لوگوں نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا جبھی تو آپ جمعہ کے دن خطبہ کے درمیان اسی لئے چیخ رہے تھے اور یہ پہاڑ جہاں جناب ساریۃ اوران کی فوج تھی مشرق کے شہر نہاوند میں تھا۔ (ابن حجر نے اصابۃ میں اس کو صحیح قرار دیا ہے۔)

(۱۱) عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما قال: قال عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ لرجل: ما اسمک؟ قال: جمرۃ. قال: ابن من؟ قال: ابن شہاب. قال: ممن؟ قال: حرقۃ. قال: این مسکنک؟ قال الحرۃ. قال: بایھا؟ قال: بذات نطی. فقال عمر رضی اللہ تعالی عنہ: ادرک اھلک فقد احترقوا. فرجع الرجل فوجد اھلہ قد احترقوا. (أخرجہ أبو القاسم بن بشران فی فوائدہ ومالک فی مؤطاعن یحیی بن سعید نحوہ وأخرجہ ابن دریدفی الاخبار المشھور-ۃوابن الکلبی فی الجامع وغیرھم.) (تاریخ الخلفاء ص:۹۰)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک شخص سے اس کا نام دریافت کیا۔ اس نے کہا جمرہ (بمعنی چنگاری) پھر آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے استفسار کیا کہ تمہارے باپ کا نام؟ اس نے جواب دیا کہ ابن شہاب (بمعنی شعلہ) پھر پوچھا کہ تم کس قبیلہ کے فرد ہو؟ اس نے کہا حرقہ (بمعنی سوزش) پھر آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا تمہاری بود و باش کی جگہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا حرہ (یعنی گرمی) اور دوبارہ دریافت پر کہ حرہ کے کس حصہ میں سکونت پذیر ہو؟ اس شخص نے کہا کہ ذات نظی (بمعنی شعلہ والا) میں۔ اس پر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے ارشاد فرمایا: جا اپنے کنبے کی خبر لے کہ وہ سب جل کر سوختہ ہو گئے۔ چنانچہ اس آدمی نے لوٹ کر اپنے کنبے والوں کو سوختہ ساماں پایا۔ (اس تاریخی واقعہ کو ابو القاسم بن بشران نے فوائد میں اور جناب مالک (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے بروایت یحیی بن سعید موطا میں اور ابن درید نے اخبار مشہورہ میں اور ابن کلبی نے جامع میں بیان کیا ہے۔)

(۱۲) أخرج ابن عساكر عن طارق بن شهاب قال: إن كان الرجل ليحدث عمر رضى الله تعالى عنه بالحديث فكذبه الكذبة فيقول أحبس هذه فيقول له: كل ما حدثتك حق الا ما أمرتنى أن أحبسه. وأخرج عن الحسن قال إن كان أحد يعرف الكذب اذا حدث فهو عمربن الخطاب رضى الله تعالى عنه. (باب کرامات عمر رضی اللہ تعالی عنہ تاریخ الخلفاء ص:۹۱)

ترجمہ: جناب ابن عساکر (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے طارق بن شہاب (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے روایت کی ہے کہ ایک شخص تھا جو دوران گفتگو میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے جب کوئی جھوٹی بات کہتا تو آپ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے اس بات کو یاد رکھنا۔ پھر باتیں کرنے لگتا اور پھر جب کوئی جھوٹ بات کہتا تو آپ رضی اللہ تعالی عنہ اس کو ٹوک کر فرماتے اس بات کو بھی یاد رکھنا۔ آخر کار اس شخص نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا کہ میری تمام گفتگو میں جہاں جہاں ٹوک کر آپ نے اس بات کو یاد رکھنا فرمایا ہے بس یہ جھوٹی ہیں اور ماقبی (۱) پوری باتیں ٹھیک اور سچی ہیں۔ حافظ حدیث جناب ابن عساکر (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے حضرت حسن بصری (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے روایت کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کے زمانے میں جھوٹی بات کا پہچاننا حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا حق تھا۔

ہر جھوٹی بات پہچان لینا یہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کا سچا ادراک بلکہ درحقیقت کشفِ فراست تھا جو خرق عادت ہے۔ اور آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی کرامتوں کا مظہر ہوا۔ اس شبہ کا جواب کہ بعض عقلمند بھی قرائن سے ایسی باتیں معلوم کر لیتے ہیں جن کو خرق عادت کہا جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عقلمندوں کا اندازہ صرف تحقیق پر مبنی ہوتا ہے اور ان کا قیاس بیشتر اوقات اس لئے صحیح نہیں ہوتا کہ وہ فراست کشفیہ کے مالک نہیں ہیں اور فراستِ کشفیہ میں کسی قرینہ کی تحقیق کی حاجت نہیں بلکہ ایسے کاشف کو خود بخود ضروری علم حاصل ہو جاتا ہے۔ نیز چونکہ کشف کو شرعی حجت قرار نہیں دیا گیا اس لئے محض

---

(۱) باقی

کشف کی بنیاد پر کسی سے بدگمانی کرنا بھی جائز نہیں رکھا گیا۔ پس جس صورت میں کشف پر عمل کرنے سے کوئی شرعی عذر لازم آئے ایسے کشف پر عمل نہ کیا جائے گا بلکہ اسبابِ ظاہری کی تحقیق پر جو نتیجہ ہاتھ آئے اس پر کاربند ہونا چاہیئے۔

(۱۳) أخرج البيهقى فى الدلائل عن أبى هدبة الحمصى قال اخبر عمربان اهل العراق قد حصبوا أميرهم فخرج غضبان فصلى فسها فى صلوته فلما سلم قال اللّٰهم إنهم قد لبسوا على فألبس عليهم وعجل عليهم بالغلام الثقفى يحكم فيهم بحكم الجاهلية لا يقبل من محسنهم ولا يتجاوز من مسيئهم. قلت اشار به الى الحجاج. قال ابن نهيعة وما ولد يومئذ.

ترجمہ: علامہ بیہقی نے کتاب الدلائل میں بروایت ابی ہدبہ حمصی بیان کیا ہے کہ عراقیوں کے اپنے حاکم اعلی کو سنگسار کرنے کی خبر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کو پہنچی تو ان کی یہ ناشائستہ حرکت سن کر آپ کو غصہ آگیا اور آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے نماز ادا فرمائی جس میں آپ رضی اللہ تعالی عنہ کو سجدۂ سہو لازم ہو گیا۔ آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے نماز ختم کر کے دعا کی کہ اے اللہ! ان ظالم عراقیوں نے مجھ شبہ میں ڈال دیا جس سے میری نماز میں سہو ہو گیا۔ اے بارِ خدایا! تو ان کو بھی شبہ میں ڈال دے اور نوعمر ثقفی کی حکومت کو ان پر جلدی سے مسلط کر دے تا کہ ان پر زمانۂ جاہلیت جیسی حکومت نظر آئے۔ نیک و بد کی مطلق تمیز نہ کرنے والی رعایا پر یہ نئی حکومت اپنا حکم چلائے اور ان کی برائیوں سے درگزر کر کے ان کی اچھائیوں کو شرف قبول بھی نہ دے۔ علامہ کہتے ہیں کہ اس نئی حکومت سے فاروق اعظم رضی اللہ

تعالی عنہ کی مراد حجاج سے تھی لیکن ابن لہیہ کا بیان ہے کہ حجاج اس تاریخ تک پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔

حضرت فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کا غصہ کی حالت میں ان ظالم عراقیوں کیلئے ایسی دعا کرنا جس سے بددعا کا غالب گمان واضح ہوتا ہے کہ یہ بددعا دراصل دعوی اور مقابلہ کے عنوان اور طریق پر ہے اور اس صورت میں اس قسم کی دعا کرنا درست اور جائز ہے اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی ہر دعا کا قبول ہونا خرقِ عادت اور کرامت ہے۔

(۱۴) أخرج ابن سعد عن سليمان بن يسار إن الجن ناحت على عمر رضى الله تعالى عنه .

(تاریخ الخلفاء ص:۱۰۳)

ترجمہ: جناب ابن سعد (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے حضرت سلیمان بن یسار (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے روایت کی ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کی وفات حسرت آیات پر جنات نے بھی اظہار رنج وغم کیا اور نوحہ پڑھا۔

(۱۵) أخرج الحاكم عن مالك بن دينار قال سمع صوت بجبل تبالة حين قتل عمر رضى الله تعالى عنه ۔

لبيك على الاسلام من كان باكيا

فقد أوشكوا صرعى وما قدم العهد وادبر الدنيا وادبر خيرها وقد ملها من كان يوقن بالوعد.

(تاریخ الخلفاء ص:۱۰۳)

ترجمہ: حضرت حکم نے مالک بن دینار سے روایت کی ہے کہ جس

وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقتول ہوئے تو جبل تبالۃ سے یہ آواز آئی ۔ اسلام سے محبت رکھنے والے کو اسلام کی حالت پر رونا چاہیئے ۔ اسلامی زمانہ اگرچہ پرانا نہیں لیکن اہل اسلام بچھڑ گئے اور مسلمانوں میں ضعف نمودار ہوگیا۔ دنیا کی اچھائیوں اور دنیا والوں نے اسلام سے منہ موڑ لیا اور جس کو موت کا یقین ہے وہ تو اس دنیا میں ملول اور رنجیدہ ہی رہتا ہے۔ چونکہ دنیاوی نعمتیں فنا ہونے والی ہیں اور آخرت میں حشر ونشر اور بقا پیش آنے والی ہے اس لئے اس دنیا میں عقلمندوں کو سکون جامد جس کو چین اور سکھ کا نام دیا گیا ہے ہرگز ہرگز نہیں مل سکتا۔

جنات کی یہ گریہ وزاری اور ان کے آہ وبقا کا سنا جانا نہ صرف عجیب وغریب امر ہے بلکہ یہ بات خوارقِ عادت میں داخل ہے۔

(۱۶)أخرج أبو الشيخ (رحمه الله تعالىٰ)في كتاب العصمة عن قيس بن الحجاج عمّن حدثه قال: لما فتحت مصر اتى عمرو بن العاص رضى الله تعالى عنه حين دخل يوم من اشهر العجم فقالوا: يا ايها الأمير!إن لنيلنا هذا سنةً لا يجرى الا بها .قال: وما ذاک ؟قالوا: اذا كان احدى عشرة ليلة تخلو من هذا الشهر عهدنا الى جارية بكر بين ابويها فارضينا ابويها وجعلنا عليها من الثياب والحلى أفضل ما يكون ثم القيناها فى هذا النيل فقال لهم عمرو رضى الله تعالى عنه :وإن هذا لايكون ابداًفى الاسلام وإن الاسلام يهدم ما كان قبله فأقاموا والنيل لا يجرى قليلاً ولا كثيراًحتى هموا

بالجلاء فلما رأى ذلك عمرو رضى الله تعالى عنه كتب الى عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه بذلك فكتب له أن قد اصبت بالذى فعلت وإن الاسلام يهدم ما كان قبله وبعث بطاقة فى داخل كتٰبه وكتب الى عمرو رضى الله تعالى عنه وإنى قد بعثت بطاقة فى داخل كتابى فالقه فى النيل فلما قدم كتاب عمر رضى الله تعالى عنه الى عمرو بن العاص رضى الله تعالى عنه أخذ البطاقة ففتحها فاذا فيها" من عبدالله عمر الى نيل مصر. أما بعد. فإن كنت تجرى من قبلك فلا تجر وإن كان الله يجريك فاسئل الله الواحد القهار أن يجريك" فالقى البطاقة فى النيل قبل الصليب بيوم فأصبحوا وقد أجراه الله تعالى ستة عشر ذراعاً فى ليلة واحدة فقطع الله تلك السنة عن اهل مصر الى اليوم .

(تاریخ الخلفاء ص:۹۰،۹۱)

ترجمہ: حافظ الحدیث ابوالشیخ (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے کتاب العصمہ میں قیس بن الحجاج کے ذریعہ بیان کنندہ سے روایت کی ہے کہ مصر فتح ہونے کے بعد عجمی مہینوں میں سے ایک مہینہ کی پہلی تاریخ کو ایک وفد نے رئیس مملکت حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا: اے امیر المؤمنین! ہمارا یہ معمول ہے اور جب تک اس کی تکمیل نہ کر دی جائے ہمارے اس دریائے نیل میں روانی نہیں ہوتی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بتاؤ تو تمہارا معمول کیا ہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہمارا سالانہ دستور یہ ہے

کہ ہر سال ایک کنواری جوان لڑکی کو، جو اپنے والدین کی اکلوتی ہوتی ہے اس کے والدین کو راضی کر لیتے ہیں اور پھر اس کو نہلا دھلا کر اس کو اچھے اچھے کپڑے اور عمدہ سے عمدہ زیورات پہنا کر اور اس کو خوب سجا کر دریائے نیل کی نظر کر دیتے ہیں۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سب کچھ سن کر فرمایا: یہ سب کچھ ایام جاہلیت کی رسوم ہیں اور خدا کی قسم اسلام کے عہد میں تو ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ اسلام نے زمانۂ جاہلیت کے تمام رسوم کو ختم کر دیا ہے۔ چنانچہ تمام مصری خاموش ہو گئے اور اس سال زندہ لڑکیوں کو اس طرح ڈبونے کی رسم ادا نہ ہونے سے دریائے نیل کی روانی رُک رہی۔ دریا کی روانی کو بند دیکھ کر لوگوں نے ترکِ وطن کا ارادہ کیا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام حالات کی امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دی جنہوں نے جواب میں لکھا کہ اے عمرو بن العاص! تم نے جو کچھ کیا درست کیا، اور تمہاری رائے بالکل ٹھیک ہے۔ اسلام نے رسومِ سابق کو جڑ پیڑ سے اکھاڑ دیا ہے۔ نیز اپنے مکتوب گرامی میں ایک علیحدہ پرچہ رکھ کر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ تمہارے موسومہ خط میں ہم ایک علیحدہ پرچہ بھیج رہے ہیں، اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا۔ پس عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے موسومہ خط میں اس علیحدہ پرچہ کو پڑھا جس میں مرقوم تھا۔ از طرف عبد اللہ عمر امیر المؤمنین بنام نیل مصر۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد اگر تو باختیارِ خود بہتا ہے تو ہرگز مت چل اور اللہ تعالیٰ تجھ کو رواں کرتے ہیں تو خداوند یکتا و زبردست سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھ کو جاری کرے۔ چنانچہ عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ستارۂ صلیب

نکلنے سے ایک دن پہلے کے وقت اس حکم نامہ کو دریائے نیل میں ڈال دیا۔ دوسرے دن صبح کو لوگوں نے دیکھا کہ ایک ہی رات میں سولہ ہاتھ اونچا پانی دریائے نیل میں اللہ تعالیٰ نے جاری فرما کر لڑکی کے ڈباؤ کے دستورِ قدیم کو اہلیانِ مصر سے آج تک کیلئے مسدود و منقطع کر دیا۔

معزز حکم نامہ میں إن کان یعنی اجرائے آب میں لفظ اگر سے تو بہ توبہ کوئی بھی یہ شک نہیں کر سکتا کہ اللہ کے سوا کوئی دوسری طاقت پانی پر قابض ہے بلکہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس قسم کی تحریر سے تاکید ثابت ہوتی ہے یعنی اے دریائے نیل! تو تو صرف اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری ہے۔ اس پر تیرا کوئی اقتدار اور اختیار نہیں اور جاری مت ہو کا لفظ کہنا محض زجر و توبیخ اور سرزنش کیلئے تھا ورنہ ظاہر ہے کہ وہ کسی طرح کا بھی مختار نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے تو اس سے دنیا کی ہر چیز ڈرتی ہے۔ اللہ سے ڈرنے والی شخصیت کی سب پر حکومت ہوتی ہے۔

(۱۷) عن یحیی بن ایوب الخزاعی قال: سمعت من یذکر عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ انہ ذھب الی قبر شاب فناداہ یا فلان! ولمن خاف مقام ربہ جنتان. فأجابہ الفتی من داخل القبر یا عمر! قد أعطانیھا ربی فی الجنۃ مرتین والقصۃ بطولہ معزوّ لابن عساکر.

(قرۃ العینین ص: ۹۷، ۹۸)

ترجمہ: یحیی بن ایوب خزاعی (رحمہ اللہ تعالیٰ) بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک نوجوان کی قبر پر جا کر فرمایا کہ جو شخص اپنی زندگی میں پروردگارِ عالم سے ڈرتا رہا تو اللہ تعالیٰ جنت میں اسے دو باغ دے گا (''ولمن خاف مقام ربہ

جنتان" یہ سورۂ رحمٰن میں موجود ہے) اس نوجوان نے اپنی قبر میں سے جواب دیا۔ اے فاروق اعظم! مجھے تو پروردگار نے ایسے دو مرتبہ عطا فرمائے ہیں۔

اس دراز قصہ کو حافظ ابن عساکر نے بھی بیان کیا ہے۔

(۱۸) عن معدان بن أبی طلحة فی قصة أن عمر بن الخطاب رضی الله تعالی عنه قال یآ أیها الناس !إنی قد رأیت رؤیا کانّ دیکاًاحمر نقرنی نقرتین ولا أری ذلک الالحضور أجلی. أخرجه ابن أبی شیبة.

(قرة العینین ص ۱۰۳)

ترجمہ: حضرت معدان بن ابی طلحہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے ایک واقعہ کے تحت لکھا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے ارشاد فرمایا: لوگو سنو! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ دو لال مرغوں نے مجھے ٹھونگیں ماریں اور اس خواب کی تعبیر میری موت کی قربت ہے۔ اس واقعہ کو ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔

چونکہ یہ خواب الہامی کشف تھا جو آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی رحلت سے ثابت ہوا اور یہ بھی آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی کرامت کو ظاہر کرتا ہے۔

(۱۹) عن مجاهد قال کنا نتحدث او نحدث أن شیاطین کانت مصفدة فی امارة عمر رضی الله تعالی عنه فلما اصیب بثت. (رواه ابن عساکر.)

(کنز العمال ج:۶ص:۳۳۶)

ترجمہ: حضرت مجاہد (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں ہم آپس میں کہا

کرتے تھے کہ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں تمام شیاطین مقید اور بند تھے لیکن ان کے وصال کے بعد یہ سارے طاغوت پھیل گئے۔ (اس خبر کو حافظ حدیث ابن عساکر نے بیان کیا ہے۔)

(۲۰) عن سالم عن أبيه رضی الله تعالى عنهما قال: ما سمعت عمر يقول لشئى قط: إني لاظنه كذاالا كان كما يظن. بينما عمر رضى الله تعالى عنه جالس اذ مر به رجل فقال: لقد أخطأ ظني وإن هذا على دينه في الجاهلية ولقد كان كاهنهم. علىّ الرجل. فدعى له فقال له عمر: لقد أخطأ ظني وإنک لعلى دينک في الجاهلية ولقد كنت كاهنهم في الجاهليةفقال ما رأيت كاليوم استقبل به رجل مسلم فقال إني أعزم عليک الا ما اخبرتني. قال كنت كاهنهم في الجاهلية. أخرجه البخاري. (تیسیر ص:۱۴۵ ج:۲ مطبوعہ نولکشور)

ترجمہ: حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کہیں یہ کہتے نہیں سنا کہ میں امر کے متعلق یہ اور یہ گمان کرتا ہوں لیکن حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ جیسا آپ فرماتے تھے ویسا ہی ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما تھے کہ سامنے سے ایک شخص گزرا۔ آپ نے فرمایا کہ میرا گمان غلط نکلا۔ یہ تو زمانۂ جاہلیت میں نجومی اور فال بتانے والا تھا اور اب تک اپنے پرانے دین پر قائم ہے۔ ذرا اسکو میرے پاس تو لاؤ۔ جب وہ حاضر ہو گیا تو

فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: کیا میرا یہ گمان غلط تھا کہ اب تک تم اپنے پرانے مذہب پر قائم ہو اور زمانہ جاہلیت میں تم نجومی اور فال دیکھنے والے تھے؟ اس نجومی نے جواب دیا۔ میں نے آج تک تم جیسا مسلمان نہیں دیکھا۔ آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا تو اچھا تم مجھے اپنے پورے حالات بتاؤ۔ اس پر اس نجومی نے کہا کہ ہاں میں ایام جاہلیت میں ان کا کاہن تھا۔ اس کو امام بخاری نے بھی بیان کیا ہے۔

کرامات سیدنا عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ تعالی عنہ

(۲۱)عن مالک و کان (ای عثمان مقتولا)علی باب وان رأسه لیقول طق،طق حتی صاروا به الی حش کوکب فاحتفروا له. (استیعاب ص:۴۹۱ج:۲)

ترجمہ: حضرت امام مالک (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے روایت ہے کہ خلیفہ سوم حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالی عنہ شہید کی نعش مبارک آپ کے دروازہ پر رکھی ہوئی تھی اور آپ کی زبان مبارک سے طق،طق "دفن دفن" کی پے درپے آواز آرہی تھی چنانچہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی نعش مبارک باغِ کوکب پہنچائی گئی جہاں آپ رضی اللہ تعالی عنہ دفن کئے گئے۔

(۲۲)وفی القصه المذکورة قال مالک وکان عثمان رضی الله تعالی عنه یمر بحش کوکب فیقول إنه سیدفن ههنا رجل صالح.

ترجمہ: حضرت امام مالک (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے روایت ہے کہ سیدنا

عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالی عنہ جب کبھی باغ کوکب سے گزرتے تو فرماتے کہ یہاں عنقریب ایک نیک مرد دفن کیا جائے گا۔ چنانچہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ خود وہاں دفن کیے گئے۔

(۲۳)عن ابن عمر رضی اللہ تعالی عنهماأن عثمان أصبح فحدث فقال: رأيت النبی ﷺ في المنام الليلة فقال يا عثمان! افطر عندنا فاصبح عثمان صائما فقتل من يومه. أخرجه الحاكم. (قرۃ العینین ص ۱۳۸)

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کہتے ہیں کہ حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک دن صبح کے وقت بیان فرمایا: میں نے رات کو دیکھا کہ سرور کائنات محمد ﷺ نے فرمایا: اے عثمان! آج کا روزہ ہمارے پاس کھولنا۔ چنانچہ حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالی عنہ کو روزہ کی حالت میں اسی دن شہید کیا گیا۔ اس واقعہ کو حاکم نے بھی بیان کیا ہے۔

اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالی عنہ نے سرور عالم ﷺ کو خواب میں یہ بھی کہتے سنا کہ اے عثمان! تم جمعہ کے دن ہمارے پاس آجاؤ گے۔ (تفصیل کیلئے قرۃ العینین ص: ۱۳۸)

چونکہ جمعہ کے دن ہی آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے روزہ کی حالت میں جامِ شہادت نوش فرمایا جس سے آپ رضی اللہ تعالی عنہ کا خواب مزید کسی تعبیر کا محتاج نہ رہا۔ یہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی کرامت نہیں ہے تو کیا چیز تھی۔

(۲۴)عن محجن مولی عثمان رضی اللہ تعالی عنه قال: كنت مع عثمان رضی اللہ تعالی عنه فی أرضه قد دخلت

علیه أعرابية بضر فقال: أخرجها يا محجن. فأخرجتهاثم رجعت فقالت: انی قد زنيت فقال: أخرجها يا محجن. فأخرجتهاثم رجعت فقالت: إنی قد زنيت فقال عثمان رضی الله تعالی عنه: ويحک يا محجن!أراها بضر وان الضر يحمل على الشرفاذهب بها فضمها اليک فاشبعهاواكسهافذهبت بها ففعلت ذلک بهاحتی رجعت اليها نفسهاثم قال عثمان: اوقر لها عمارأمن تمرودقيق وزبيب ثم اذهب بهافاذا مر قوم يغدون بادية اهلهافضمها اليهم ثم قل لهم يؤدوها الی اهلهاففعلت ذلک فبينا انا اسير بها اذقلت لها:أتقرين بما أقررت به بين يدی أمير المؤمنين؟ قالت: لاإنما قلت ذلک من ضرأصابنی. رواه العقيلی.

ترجمہ: حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالی عنہ کے آزاد کردہ غلام مجحن کہتے ہیں کہ ایک دن میں آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی زمین پر گیا جہاں ایک عورت نے جو کسی تکلیف کا شکار تھی آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس آ کر عرض کیا: اے امیر المؤمنین! مجھ سے زنا کی غلطی ہو گئی۔ اس پر آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے مجھ کو حکم دیا کہ اس عورت کو نکال دو۔ چنانچہ میں نے اس کو بھگا دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس عورت نے آ کر پھر کہا کہ میں نے تو زنا کیا ہے۔ چنانچہ سرکار کے فرمانے پر کہ اے مجحن! اسے باہر نکال دو میں نے دور بھگا دیا اور تیسری مرتبہ پھر اس عورت نے کہا اے خلیفۂ وقت! میں نے بلا شک وشبہ زنا کیا ہے اور میرے تین مرتبہ کے اقرار

پر حد زنا جاری فرمائی جائے۔اس پر میرے آقا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا۔او ناواقف مجن !اس عورت پر مصیبت آپڑی ہے اور مصیبت و تکلیف ہمیشہ شر و فساد کا سبب ہوتی ہے۔تم جاؤ اور اس کو اپنے ساتھ لے جا کر اس کو پیٹ بھر روٹی اور تن بھر کپڑا دو۔اس دیوانی کو میں اپنے ساتھ لے گیا اور اس کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جو میرے آقا نے فرمایا تھا یعنی میں نے آرام سے رکھا۔تھوڑے دنوں بعد جب اس کے ہوش وحواس ٹھکانے لگے اور وہ مطمئن ہوگئی تب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اچھا اب کھجور، آٹا اور کشمش سے ایک گدھا بھر کر کل اس کو جنگل کے باشندوں کے پاس لے جاؤ اور ان بادیہ نشینوں سے کہو کہ اس عورت کو اس کے کنبہ والوں اور اہل وعیال کے پاس پہنچا دیں۔چنانچہ میں کھجوروں، کشمش اور آٹے سے بھرے ہوئے گدھے کو لے کر اس کے ساتھ روانہ ہوا۔میں نے رستہ چلتے چلتے کہا کہ کیا اب بھی تم اس کا اقرار کرتی ہو جس کا تم نے امیر المؤمنین کے سامنے اقرار کیا تھا؟ وہ کہنے لگی نہیں ہرگز نہیں۔کیونکہ میں نے جو کچھ کہا تھا وہ تو صرف مصیبتوں اور تکلیفوں کے پہاڑ پھٹ پڑنے سے کہا تھا تاکہ حد لگا دی جائے اور مصیبتوں سے نجات پا جاؤں۔اس واقعہ کو عقیلی نے بھی کہا ہے۔

لوگو! دیکھو الہامی کشف تھا جو بالکل صحیح واقعہ ثابت ہوا۔اس سے بڑھ کر اور کس کرامت کے طلب گار ہو۔خلیفۂ سوم سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجسم کرامت تھے۔ان کی کرامتوں کو مشتے از خروارے بیان کیا ہے۔

کرامات سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ

(۲۵)قال علی رضی اللہ تعالی عنہ أما إن هذا قاتلی. قیل فمایمنعک منه؟قال انه لم یقتلنی بعد.

(استیعاب ص ۴۸۳ ج ۲)

ترجمہ: حضرت شیر خدا رضی اللہ تعالی عنہ نے ابن ملجم کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ آگاہ ہو جاؤ یہ شخص مجھے قتل کرے گا۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ اس کے قصاص کے بارے میں کیا چیز مانع ہے؟ آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ اس نے ابھی تک مجھ کو قتل نہیں کیا ہے۔ اس لئے قصاص لینا کسی طرح جائز نہیں ہے۔

آخر کار جیسا کہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا وہی شیطنت پیش آئی یعنی بد بخت ابن ملجم نے آپ رضی اللہ تعالی عنہ کو شہید کیا۔

دیکھئے ان صحابہ کرام کی ہر بات میں الہامی کشف ہوا کرتا تھا جو ان حضرات کی کرامات ہیں۔

(۲۶)أخرج الطبرانی فی الاوسط وابو نعیم فی الدلائل عن زاذان أن علیا حدث بحدیث و کذبه رجل فقال له علی. ادعو علیک أن کنت کاذبا. قال ادع فدعا علیه فلم یبرح حتی ذهب بصره. (تاریخ الخلفاء ص: ۱۲۵، ۱۲۶)

ترجمہ: طبرانی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے کتاب الاوسط میں اور ابو نعیم نے کتاب الدلائل میں جناب زاذان سے روایت کی ہے کہ جناب حیدر کرار رضی اللہ تعالی عنہ نے کسی سے گفتگو فرمائی جس نے دوران

گفتگو ہی میں آپ رضی اللہ تعالی عنہ کو جھٹلایا۔اس پر جناب شیر خدا رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ جھوٹا تو دراصل تو ہے اور کیا تیرے جھوٹ کے اظہار کیلئے میں جناب باری عزاسمہ میں دعا کروں؟اس بے وقوف نے اپنے جھوٹ کو چھپانے کیلئے بڑی دلیری سے کہا کہ میں تو سچا ہوں۔اگر میں جھوٹا ہوں گا تو آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی بددعا مجھے لگے گی۔آپ رضی اللہ تعالی عنہ شوق سے بددعا کیجئے۔ چنانچہ جناب علی رضی اللہ تعالی عنہ نے اس جھوٹے کے حق میں بددعا کی اور آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی دعا قبول ہوگئی یعنی وہ جھوٹا ابھی بیٹھا تھا کہ بددعا کے ساتھ ہی اندھا ہوگیا اور اس مجلس سے اٹھنے بھی نہ پایا۔

(۲۷)عن أبی یحیی قال: سمعت علیاًیقول انا عبد الله واخو رسوله لا یقولهااحد بعدی الاکاذب.فقالها رجل فاصابته جنة.رواه العدنی. (کنزالعمال ص:۳۹٦ج:۲)

ترجمہ: حضرت ابویحییٰ (رحمہ اللہ تعالیٰ) روایت کرتے ہیں کہ میں نے جناب علی سے یہ کہتے سنا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور رسول اللہ کا بھائی ہوں اور اس کلمہ کو میرے بعد سوائے کسی کذاب کے اور کوئی زبان پر نہیں لائے گا۔عدنی (رحمہ اللہ تعالیٰ) بیان کرتے ہیں کہ امیرالمؤمنین کی موجودگی میں ان کلمات کو جس شخص نے اپنی زبان سے ادا کیا وہ فوراً ہی مجنون اور پاگل ہوگیا۔

(۲۸)عن عبد الرحمن بن أبی لیلی قال خطب علی رضی الله تعالی عنه فقال أنشد بالله امرأنشدة الاسلام سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم غدیر خم أخذ بیدی یقول

الست أولی بکم یا معشر المسلمیں من أنفسکم؟ قالوابلی یا رسول اللہ!قال من کنت مولاہ فعلی مولاہ. اللھمّ! وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ الا قام فشھد بضعۃعشر رجلافشھدوا وکتم قوم فما فاتوامن الدنیاالا عمواویرموا.رواہ الخطیب فی الافراد. (کنزالعمال ص:۳۹۷ج:۲)

ترجمہ: قاضی عبدالرحمٰن بن ابی لیلی (رحمہ اللہ تعالیٰ) بیان کرتے ہیں کہ جناب شیر خدا رضی اللہ تعالی عنہ نے خطبہ پڑھتے میں فرمایا کہ اللہ کی قسم میں اسلامی قسم دلاتا ہوں ہر اس شخص کو جس نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے بیچ میں جحفہ کے پاس جو مقام خمِ غدیر کے نام سے موسوم ہے اس میں حضور سرور کائنات ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا کہ اے مسلمانو! کیا میں تمہاری جانوں سے زیادہ تم کو پیارا نہیں ہوں؟ ان سب لوگوں کے اقرار کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں جس کا پیارا ہوں تو علی بھی اس کے پیارے ہیں۔اے پروردگار! تو محبوب کرلے اس کو جو محبوب کرلے علی کو اور دشمنی کا مزہ چکھادے اس کو جو علی سے دشمنی رکھے اور اے بار خدایا! جو علی کی مدد کرے تو تو اس کی مدد کر اور ذلیل ورسوا کر اس کو جو علی کو مصیبت میں تنہا چھوڑ دے۔لوگو! سرورِ کائنات کو یہ اقوال کہتے ہوئے جس کسی نے سنا ہو وہ کھڑا ہو جائے۔چنانچہ دس سے زیادہ آدمیوں نے کھڑے ہو کر گواہی دی کہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ سچ کہتے ہیں۔ان آدمیوں کے سوا ایک قوم نے اس شہادت کو چھپایا جس کی وجہ سے ان کو برص کا مرض ہو گیا۔یعنی ان کے جسم پر سفید داغ پڑ گئے

اور وہ سب اندھے ہو کر اس دنیا سے فنا ہوئے۔ اس واقعہ کو خطیب نے افراد میں بیان کیا ہے۔

آپ نے یہ زندہ کرامت دیکھی کہ اس قوم کے افراد اندھے ہو ہو کر موت کے گھاٹ اترتے ہیں۔ **اللّٰھم احفظنا من کل الخطایا.**

(۲۹)عن جعفر بن محمد عن أبيه قال :عرض لعلى رجلان فى خصومة فجلس فى اصل جدار فقال رجل: الجدار. فقال: امض كفى بالله عارضاً فقضى بينهما وقام ثم سقط الجدار. رواه أبو نعيم فى الدلائل.

(کنز العمال ص:۴۰۲ ج:۲)

ترجمہ: حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالی عنہ اپنے والد بزرگوار جناب امام محمد باقر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ دو آدمی اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کیلئے جناب شیر خدا رضی اللہ تعالی عنہ کے پاس آئے اور ان کا جھگڑا سننے کیلئے آپ رضی اللہ تعالی عنہ ایک دیوار کی جڑ میں بیٹھ گئے۔ ایک نے کہا کہ دیوار گر رہی ہے تو آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ تم اپنا بیان شروع کرو۔ حفاظت کیلئے اللہ کافی ہے۔ جب ان دونوں کے بیانات سن کر مقدمہ کا فیصلہ کر کے کھڑے ہوئے تو اس کے بعد وہ دیوار گر پڑی۔ اس واقعہ کو ابونعیم نے کتاب الدلائل میں بیان کیا ہے۔

(۳۰)عن أبى البخترى أن رجلاً أتى علياً فأثنى عليه وكان قد بلغه عنه قبل ذلك شئى فقال له على رضى الله تعالى عنه :ليس ما تقول أنا فوق ما فى نفسك. رواه

ابن أبی الدنیاوابن عساکر. (کنز العمال ص ۴۰۹ج ۲)

ترجمہ: ابوالبختری سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آکر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑھ چڑھ کر تعریف کرنا شروع کی۔ اس شخص کے متعلق جناب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سے پہلے ہی کچھ معلومات ہو چکی تھیں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تو جو جو منافقانہ مدح سرائی کر رہا ہے میں تو اس سے بہت زیادہ بلند ہوں یعنی تو جس قدر میرا مرتبہ سمجھتا ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سر بلندی اور ذی مرتبہ کیا ہے۔ اس واقعہ کو ابن ابی الدنیا اور ابن عساکر نے بھی بیان کیا ہے۔

حیدر کرار کو اس جھوٹے مدح سرا کی خوشامد کا کشف بذریعہ الہام ہو جانا کرامت ہے۔

(۳۱) عن جعفر لما دخل رمضان کان علی رضی اللہ تعالی عنہ یفطر عند الحسن رضی اللہ تعالی عنہ لیلۃ وعند الحسین لیلۃً ولیلۃً عند عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالی عنہ لا یرید علی اللقمتین او ثلثاًفقیل لہ فقال: انما ھی لیال قلائل یأتی أمر اللہ وأنا خمیص فقتل من لیلۃ. رواہ العسکری. (کنز العمال ص ۴۰۹ج ۲)

ترجمہ: امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ رمضان کا مہینہ تھا اور جناب شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ایک دن جناب امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس روزہ افطار کرتے تھے۔ آپ رضی

اللہ تعالیٰ عنہ دو تین لقموں سے زیادہ تناول نہیں کرتے تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کم خوردنی دیکھ کر لوگوں نے کہا کہ آپ اس قدر کم کیوں کھا رہے ہیں؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا میری زندگی تو بہت تھوڑی سی رہ گئی ہے۔ وہ وقت قریب ہے کہ میں بھوکا رہوں گا اور موت کا فرشتہ آجائے گا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی شب میں شہید کر دیے گئے۔ اس واقعہ کو عسکری نے بھی بیان کیا ہے۔

(۳۲) عن الحسن والحسین رضی اللہ تعالی عنهما أن علیا رضی اللہ تعالی عنه قال: لقینی یعنی حبیبی فی المنام نبی اللہ ﷺ فشکوت ألیه ما لقیت من اهل العراق بعده فوعدنی الرحمة منهم الی قریب فما بعث الا ثلثاً. رواه العدنی. (کنز العمال ص:۱۱۱ ج:۶)

ترجمہ: حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جناب شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رات کو خواب میں میرے محبوب یعنی رسول خدا سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے ان سے عراقیوں کے طرزِ عمل کی شکایت کی جو آپ کے بعد انہوں نے مجھے مخالفت اور ایذاء رسانی کر کے پہنچائیں۔ اس پر رسالت مآب ﷺ نے مجھے ان کی ایذاء رسانی سے نجات دلا کر عنقریب راحت و آرام دلانے کا وعدہ کیا۔ اس خواب کے بعد شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف تین دن اس دنیا میں مقیم رہے اور اس کے بعد شہید کر دیے گئے۔ اس واقعہ کو عدنی نے بھی بیان کیا ہے۔

(۳۳) عن الحسن بن کثیر عن أبیه قال: خرج علی الی الفجر فاقبل الوزّ یصحن فی وجهه فطردوهن عنه فقال

ذروهن فانهن نوائح فضربه ابن ملجم. رواه ابن عساكر. (کنز العمال ص:۴۱۳ ج:۲)

ترجمہ: جناب حسن بن کثیر اپنے والد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز فجر کیلئے تشریف لے گئے جہاں بطخیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے آ کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ دیکھ کر چلاّنے لگیں۔ لوگوں نے ان کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے ہنکایا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ان کو رہنے دو چھوڑ دو یہ تو نوحہ پڑھ رہی ہیں۔ پھر ابن ملجم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا۔ اس واقعہ کو ابن عساکر نے بھی ذکر کیا ہے۔

(۳۴) عن عاصم بن ضمرة قال: خطب الحسن بن علی رضی الله تعالى عنه وقال فيه: كان النبی ﷺ اذا بعثه فی سرية كان جبريل عن يمينه وميكائيل عن يساره فلا يرجع حتى يفتح الله عليه. رواه ابن أبی شيبة.

(کنز العمال ص:۴۱۲ ج:۶)

ترجمہ: جناب عاصم بن ضمرہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے روایت ہے کہ جناب امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک تقریر کے دوران فرمایا کہ سرکار دوجہاں ﷺ جب والد بزرگوار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی جہاد میں روانہ کرتے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے داہنے طرف جبریل امین اور بائیں جانب حضرت میکائیل ہوتے تھے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جنگ کو جیت کر واپس آ جاتے تھے یعنی جہاد میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جبریل اور

میکائیل رہا کرتے تھے اور اللہ کی امداد سے جناب شیرِ خدا رضی اللہ تعالی عنہ اس جنگ کو جیت لیتے تھے۔اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے بھی بیان کیا ہے۔

(۳۵)عن أبی رافع قال: خرجنا مع علی رضی الله تعالی عنه حین بعثه رسول الله ﷺ برأیته فلما دنا من الحصن خرج الیه اهله فقاتلهم فضربه رجل من الیهود فطرح قوسه من یده فتناول علی بابا کان عند الحصن فترس نفسه فلم یزل فی یده وهو یقاتل حتی فتح الله علیهم ثم القاه من یده حین فرغ فلقد رأیتنی فی سفر معی سبعاً انا ثامنهم نجهد علی أن نقلب ذاک الباب. رواه احمد. (الرحمة المهداة مطبوعہ فاروقی دہلی ص:۲۱٦)

ترجمہ: حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے جب حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو اپنا جھنڈا دے کر خیبر کی طرف روانہ کیا تو ہم بھی ان کے ساتھ تھے۔ جب ہم قلعۂ خیبر کے پاس پہنچے جو مدینۂ منورہ کے قریب ہے تو خیبر والے آپ رضی اللہ تعالی عنہ پر ٹوٹ پڑے۔آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے کشتوں کے پشتے لگا دئے تھے کہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ پر ایک یہودی نے چوٹ کر کے آپ کے ہاتھ سے آپ کی ڈھال گرا دی۔اس پر جناب حیدر کرار رضی اللہ تعالی عنہ نے قلعہ کے ایک دروازے کو اکھیڑ کر اپنی ڈھال بنالیا اور اس کو ڈھال کی حیثیت سے اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے شریکِ جنگ رہے۔ بالآخر دشمنوں پر فتح حاصل ہو جانے کے بعد اس ڈھال نما دروازے کو اپنے ہاتھ میں

سے پھینک دیا۔اس سفر میں میرے ساتھ سات آدمی اور بھی تھے اور ہم آٹھوں آدمی مل کر اس دروازہ کو الٹ دینے کی کوشش کرتے رہے لیکن وہ دروازہ جس کو تنِ تنہا حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ہاتھ میں اٹھا لیا تھا اس کو ہم آٹھوں آدمی کوشش کے باوجود پلٹ تک نہ سکے۔

یہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت تھی۔

حضرت والامرشدی فرماتے تھے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول ''مَا حَمَلْتُهَا بِقُوَّةٍ وَلٰكِنْ حَمَلْتُهَابِقُوَّةٍ اِلٰهِيَّةٍ'' یعنی میں نے کواڑ کو انسانی قوت کے بل بوتے پر نہیں اٹھایا بلکہ قوت الٰہیہ سے اٹھایا۔

اس قصہ کو امام احمد نے بھی بیان فرمایا ہے۔

(۳۶)روی البیھقی فی دلائل النبوۃفی قصۃ طویلۃفلما توفی رسول اللہ ﷺوجاء ت التعزیۃ سمعوا صوتاًمن ناحیۃ البیت السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ إن فی اللہ عزاء من کل مصیبۃوخلفا من کل مالک ودرکا من کل فائت فباللہ فاتقوا وایاہ فارجعوا فانما المصاب من حرم الثواب فقال علی رضی اللہ تعالی عنہ :أتدرون من ھذا؟ھو الخضرؑ. (مشکوۃ ص:۵۵ج:۲)

ترجمہ: علامہ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ایک طویل قصہ کے ماتحت بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد جب ماتم پرسی ہونے لگی تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے گھر کے کونے سے ایک آواز سنی۔اے رسول اللہ ﷺ کے گھر والو! تم پر اللہ کا سلام ہو اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔اللہ تعالیٰ زندہ ہے وہ ہر مشکل کو ٹال دیتا

ہے۔ وہی بندوں کے غم غلط کرتا ہے، ہر فوت ہونے والی چیز کا وہ خود نعم البدل ہو جاتا ہے۔ بس اللہ ہی سے امید رکھو کیونکہ مصیبت زدہ تو دراصل وہ شخص ہے جو ثوب سے محروم اور مایوس رہے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جانتے ہو یہ کون تھے؟ یہ حضرت خضرؑ تھے جو نبی تو نہیں مگر کامل ولی ہیں۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت خضرؑ کو دریافت کرلینا، یہ بھی منجملہ دیگر کرامات کے ایک کرامت تھی۔

انہی شخصوں کیلئے تو کہا گیا ہے۔

آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند فرزند و عیال و خان و مال راچہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی دیوانۂ تو ہر دو جہاں راچہ کند

کرامات سبطِ رسول سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۳۷تا۴۶)لما قتل الحسين رضى الله تعالى عنه مكثت الدنيا سبعة ايام والشمس على الحيطان كالملاحف المعصفرة والكواكب بعضها يضرب بعضاً وكان قتله يوم عاشوراء وكسفت الشمس ذلك اليوم واحمرت افاق السماء ستة اشهر بعد قتله ثم زالت الحمرة ترى فيها بعد ذلك ولم تكن ترى فيها قتله وقيل انه لم يقلب حجر بيت المقدس يومئذ الا وجد تحته دم عبيط ومار الورس الذى ى فى عسكرهم فكانوا يرون فى لحمها مثل النيران وطبخوها فصارت مثل العلقم وتكلم رجل فى الحسين رضى الله تعالى عنه بكلمة فرماه الله

بكوكبين من السماء فطمس بصره. (كذافي تاريخ الخلفاء ص: ١٤٥) وفيه ايضاً اخرج ابونعيم في الدلائل عن ام سلمة رضي الله تعالى عنها قالت: سمعت الجن تبكي على حسين رضي الله تعالى عنه فتنوح عليه.

ترجمہ: جب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ شہید کیے گئے تو دنیا کی سات دن تک یہ حالت تھی کہ:

(۱) سورج کی روشنی دیواروں پر کسم میں رنگی ہوئی چادروں کی طرح معلوم ہوتی تھی یعنی دھوپ بالکل پھیکی معلوم ہوتی تھی۔
(۲) اور ایک ستارہ دوسرے ستارے پر گر رہا تھا یعنی لگا تار آسمانی ستارے ٹوٹ رہے تھے۔
(۳) آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت دسویں محرم ۶۰ھ میں ہوئی اور اسی دن شدید ترین سخت سورج گرہن لگا۔
(۴) آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کے سات ماہ تک آسمان کے کنارے کچھ عجیب طرح سے سرخ رہے اور پھر وہ سرخی جاتی رہی۔ شہادت سے پہلے اور اس کے بعد پھر کبھی ایسی سرخی نہیں دیکھی گئی۔
(۵) آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کے دن بیت المقدس میں ہر پتھر کے نیچے تازہ تازہ خون نکلا۔
(۶) ظالموں کی فوج میں جو پیلے رنگ کی گھانس رکھی ہوئی تھی وہ راکھ ہوگئی۔
(۷) ان ظالموں نے اپنے لشکر میں ایک اونٹنی ذبح کی تو اس کے گوشت میں سے آگ کی چنگاریاں نکلتے دیکھیں۔

(۸) اور جب اس کا گوشت پکایا تو وہ اندرائن کی طرح کڑوا زہر ہو گیا۔

(۹) ایک شخص نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گستاخ باتیں کیں تو خدائے جبار و قہار نے اس پر دو آسمانی ستارے پھینکے جس سے اس کی قوت بصارت جاتی رہی۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے تاریخ الخلفاء ص: ۱۴۵) اور ان ایام کی اسی حالت سے متعلق حضرت ابونعیم (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے کتاب الدلائل میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جنات کو روتے اور نوحہ کرتے سنا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ دس کرامتیں تاریخ خلفاء سے نقل کی گئی ہیں۔ مابقی آگے دیکھئے۔

حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کسوف شمس سے اہل ہیئت کی اصطلاح جو آخری مہینہ میں رونما ہوتی ہے وہ نہیں بلکہ لغوی یعنی آفتاب کا بے نور ہو جانا بتایا ہے۔

نیز ان مذکورہ بالا کرامات کو حافظ ابن حجر (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے مزید صحیح حوالوں کے ساتھ کتاب تہذیب التہذیب کی جلد دوم صفحات: ۳۵۵،۳۵۴ پر بھی بیان کیا ہے۔

(۴۷ تا ۵۳) قال خلف بن خليفه عن أبيه: لما قتل الحسين رضی الله تعالى عنه إسودت السماء وظهرت الكواكب نهاراًوقال محمد بن الصلت الأسدى عن الربيع بن منذر الثورى عن أبيه: جاء رجل يبشر الناس

بقتل الحسين رضى الله تعالى عنه فرأيته اعمى يقادوقال أبن عيينة حدثنى جدتى ام أبى قالت: شهد رجلان من الجعفيين قتل الحسين بن على رضى الله تعالى عنه قالت: فاما أحدهمافطال ذكره حتى يلفه وأما الآخرلكان يستقبل الرادية بفيه حتى يأتى آخرهاوفى قصة عن السدى فقلنا ما شرك فى قتله أحدالامات بأسوء ميتةفقال: ما كذبتم يا أهل العراق فانا ممن شرك فى ذلك فلم يبرح حتى دنا من المصباح وهو يتقدفنفط فذهب يخرج الفتيلةباصبعه فاخذت النار فيهافذهب يطفئها بريقه فاخذت النار فى لحيته فعدا فألقى نفسه فى الماء فرأيته كانه حممة.

(تہذیب التہذیب للحافظ ابن حجر ص: ۳۵۴، ۳۵۵ ج: ۲)

ترجمہ: خلف بن خلیفہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کے وقت آسمان کالا ہو گیا اور دن میں ستارے نکل آئے۔ محمد بن صلت اسدی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے ربیع بن منذر ثوری (رحمہ اللہ تعالیٰ) اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے آکر امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کی اطلاع دی اور وہ اندھا ہو گیا۔ جس کو دوسرا آدمی کھینچ کر لے گیا۔ ابن عیینہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کا بیان ہے کہ مجھ سے میری دادی نے کہا قبیلہ جعفیین کے دو آدمی جناب امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کے قتل میں شریک تھے جن میں سے ایک کی شرمگاہ اتنی لمبی ہوئی کہ وہ مجبوراً اس کو لپیٹتا تھا اور دوسرے آدمی کو اتنا سخت

استسقاء ہو گیا کہ وہ پانی کی بھری ہوئی مشک کو منہ سے لگا لیتا اور اس کی آخری بوند تک چوس جاتا۔ سدی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک جگہ مہمان گیا جہاں قتل حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا ذکر ہو رہا تھا۔ میں نے کہا حسین رضی اللہ تعالی عنہ کے قتل میں جو شریک ہوا وہ بُری موت مرا۔ جس پر گفتگو کرنے والے نے کہا۔ اے عراقیو! تم کتنے جھوٹے ہو۔ مجھے دیکھو میں قتل حسین رضی اللہ تعالی عنہ میں شریک تھا لیکن اب تک بُری موت سے محفوظ ہوں۔ اسی لحہ اس نے جلتے ہوئے چراغ میں اور تیل ڈال کر بتی کو اپنی انگلی سے ذرا بڑھایا ہی تھا کہ پوری بتی میں آگ لگ گئی جسے وہ اپنی پھونک سے بجھا رہا تھا کہ اس کی ڈاڑھی میں آگ لگ گئی۔ وہ وہاں سے دوڑا اور پانی میں کود پڑا تاکہ آگ بجھ جائے لیکن آخر کار جب اسے دیکھا تو جل کر کوئلہ ہو گیا تھا اور اللہ تعالی نے دنیا میں ہی دکھا دیا کہ تیری شرارت کا یہ انجام ہے۔

(۵۳) عن عمارة بن عمير قال: لما جيء برأس عبيد الله بن زياد وأصحابه نضدت رؤسهم في رحبة المسجد فانتهيت إليهم وهم يقولون قد جاءت فجعلت تخلل الرؤس حتى دخلت في منخر عبيد الله بن زياد فمكثت هنيئة ثم خرجت فذهبت ثم عادت فداخلت فيه وفعلت ذلک مرتين أو ثلثاً. أخرجه الترمذي وصححه.

(تیسیر کشوری ص: ۱۵۰ ج: ۲)

ترجمہ: عمارہ بن عمیر نے بیان کیا کہ جب عبید اللہ بن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر لا کر مسجد کے برآمدے میں برابر برابر رکھے گئے اور میں اس وقت ان لوگوں کے پاس پہنچا جب کہ وہ لوگ کہہ رہے تھے

وہ آگیا کہ اتنے میں ایک سانپ نے آکران سروں میں گھسنا شروع کردیااور عبید اللہ بن زیاد کے نتھنے میں گھستااوراس میں تھوڑی دیر ٹھہر کر باہر آجاتا۔اس واقعہ کوامام ترمذی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے بیان کر کے سند کو بھی صحیح کہا ہے۔

کرامات سیدنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالی عنہ

فی تاریخ الخلفاء ما لفظه. قال ابن عبد البرمن وجوه انه لما احتضرقال لاخيه: يا أخي!ان أباك استشرف لهذاالامرفصرفه الله عنه ووليها أبوبكر رضى الله تعالى عنه ثم استشرف لهاوصرفت عنه الى عمر رضى الله تعالى عنه ثم لم يشك وقت الشورى انها لاتعدوه فصرفت عنه إلى عثمان رضى الله تعالى عنه فلما قتل عثمان رضى الله تعالى عنه بويع على رضى الله تعالى عنه ثم نوزع حتى جرد السيف فما صفت له وانى والله ماأرى أن يجمع الله فينا النبوة والخلافة فلاأعرفن ما استخفك سفهاء الكوفةفأخرجوك وقد كنت طلبت الى عائشة رضى الله تعالى عنها ان ادفن مع رسول الله ﷺ فقالت نعم. وماأظن القوم الاسيمنعوك فإن فعلوافلاتراجعهم. فلما مات أتى الحسين رضى الله تعالى عنه الى أم المؤمنين عائشة رضى الله تعالى عنها فقالت نعم وكرامةًفمنعهم مروان فلبس الحسين رضى الله تعالى عنه ومن معه بالسلاح حتى رده أبوهريرة رضى الله تعالى عنه ثم دفن بالبقيع

الی جنب أمه. (ص:۱۳۵)

ترجمہ: حافظ حدیث ابن عبدالبر (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ ہم کو کئی سندوں سے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالی عنہ قریب المرگ ہوئے تو انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا: اے بھائی! ابا جان کو امر خلافت کا خیال ہوا تھا کہ اسلام کی خدمت کریں لیکن اللہ تعالی نے بعض حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر ان کو خلافت نہ دے کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کو اس کا والی بنایا۔ ان کی وفات کے بعد پھر ابا جان کو اس کا خیال ہوا تو سلطنت خلافت حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے حوالہ کر دی گئی اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کی وفات کے بعد مجلس شوری میں ابا جان کو یقین تھا کہ خلافت ان کو تجاوز نہ کرے گی یعنی وہی خلیفہ مقرر کیے جائیں گے لیکن خلافت کی باگ ڈور حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے سپرد کر دی گئی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کے بعد والد بزرگوار حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی یعنی وہ خلیفہ بنائے گئے۔ پھر ایک فتنہ برپا ہوا جس میں تلواریں کھینچ لی گئیں اور لڑائیاں ہوئیں یعنی وہ خلافت ابا جان کو بلا غبار نہیں ملی۔ خدا کی قسم میں یہ امر تجویز نہیں کرتا کہ اللہ تعالی ہم اہل بیت نبوی میں نبوت اور خلافت دونوں چیزیں جمع کر دے۔ یعنی میرا اندازہ یہ ہے کہ خلافت اہل بیت میں نہیں رہے گی اور یقیناً میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ کوفے کے بیوقوف تم کو حرکت دے کر جنگ وجدل کی طرف متوجہ کر دیں اور تم کو وطن سے باہر نکال دیں۔ (ان امور کا اس وقت

تک بظاہر کوئی قرینہ تو نہ تھا کہ کوئی حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ نازیبا برتاؤ کریں گے لیکن آپ رضی اللہ تعالی عنہ کو کشف کے ذریعہ یہ سب کچھ معلوم ہو جانا آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی کرامت تھی۔)

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ میری خواہش پر کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس دفن کیا جاؤں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اقرار فرمایا تھا یعنی سرورِ عالم ﷺ کے پاس مجھے دفن ہونے کی اجازت دے دی تھی اور جب میں مر جاؤں تو اسکی درخواست ان سے پھر کر لینا لیکن اس کے ساتھ ہی میرا گمان ہے کہ قوم تم کو اس بات سے روکے گی۔ اور اگر وہ ایسا کریں یعنی میرے دفن سے تم کو روکیں تو ان سے بار بار نہ کہنا۔ الحاصل حضرت حسن رضی اللہ تعالی عنہ کی وفات پر جناب حسین رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے جا کر کہا۔ انہوں نے جواب دیا نہایت خوشی سے لیکن مدینہ کے گورنر مروان نے ان کو وہاں دفن کرنے سے منع کر دیا۔ اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ اور ان کے رفقاء مسلح ہو کر لڑائی کیلئے آمادہ ہو گئے لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کو اس ارادۂ جنگ سے باز رکھا اور کہا اس موقع پر اگر چہ مروان نے نامعقول اور ناشائستہ حرکت کی ہے لیکن تمہارا آمادۂ جنگ ہونا مناسب نہیں۔ آخر کار حضرت حسن رضی اللہ تعالی عنہ مقامِ بقیع میں اپنی والدہ ماجدہ کے پاس دفن ہوئے۔

سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالی عنہ کی وفات کے وقت رفقاء اہل بیت کی کثرت کی وجہ سے کسی سے ہرگز یہ توقع نہ تھی کہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کو دفن سے روکا جائے گا لیکن امام عالی مقام نے ظاہراً حالت کے خلاف جس ہونے والے واقع کو بذریعۂ کشف ظاہر کیا وہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی کرامت تھی۔

کرامات حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۵۶،۵۷)فی تهذیب التهذیب(ص: ۴۸۱ ج: ۳)وقال المنافقون کما مات(ای سعد بن معاذ رضی الله تعالی عنه ما أخف جنازته فقال النبی ﷺ :إن الملئكة حملته وقال رسول الله ﷺ فیما روی عنه من وجوه کثیرة:اهتز العرش لموت سعدبن معاذ رضی الله تعالی عنه .

ترجمہ: تہذیب التہذیب (ص:۴۸۱ ج:۳) پر درج ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر منافقوں نے کہا کہ ان کا جنازہ کتنا ہلکا ہے؟ اس پر سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنازہ کو ملائکہ اٹھائے ہوئے ہیں اس لئے ہلکا معلوم ہو رہا ہے۔ حالانکہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے موٹے تازے آدمی تھے جیسا کہ علامہ واقدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتاب المغازی اور زیلعی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے تخریج الہدایہ (ج:۱ص:۳۵۷) پر درج کیا ہے اور کئی معتبر سندوں کے ذریعہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موت کے وقت عرشِ اعظم بھی اس شوق میں جھوما کہ اب ان کی روح ہمارے پاس آجائے گی۔

(۵۸)روی ابن سعد عن ابن عمر رضی الله تعالی عنهما قال قال رسول الله ﷺ فی سعدبن معاذ رضی الله تعالی عنه :لقد شهده سبعون ألف ملک ثم ینزلوا إلی الارض قبل ذلک. الحدیث. (زیلعی ص:۳۵۷ ج:۱)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت ابن سعد رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے جو اس سے پہلے اتنی تعداد میں کبھی زمین پر نہیں آئے۔ تاختم حدیث شریف۔

(۵۹) قال الزهری عن ابن المسیب عن ابن عباس رضی الله تعالی عنهما قال سعدبن معاذ رضی الله تعالی عنه ثلث أنا فیهن. رجل (یعنی کما ینبغی) وما سوی ذلک فانا رجل من الناس ما سمعت من رسول الله ﷺ حدیثاً قط الا علمت انه حق من الله تعالی ولا کنت فی صلوة قط فشغلت نفسی بغیرها حتی اقضیها ولا کنت فی جنازة قط حدثت نفسی بغیر ما تقول ویقال لها حتی انصرف منها. قال ابن المسیب (رحمه الله تعالیٰ) فهذه الخصال ما کنت أحسبها الا فی نبی کذافی تهذیب التهذیب. (تکشف ص:۸۸،۸۹ج:۵)

ترجمہ: زہری نے ابن میتب کے ذریعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بیان پر کہا: حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تین آدمیوں میں سے میں ایک شخص ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے جو حدیث بھی سنی وہ اللہ کا حق ہے اور میں نے کثرت مشاغل کے باوجود اپنی پوری نمازیں پڑھی ہیں اور میں جس جنازے میں شریک رہا تو میں نے اس سے باتیں کیں۔ حضرت ابن میتب (رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتے ہیں کہ میں تو ان خصلتوں کو صرف انبیائے کرام میں جانتا ہوں لیکن اپنی آنکھوں سے یہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں دیکھ

لیں۔ایسا ہی تہذیب التہذیب جلد سوم صفحہ:۴۸۲مطبوعہ حیدر آباد دکن میں مرقوم ہے۔

(۶۰،۶۱)عن عائشة رضی الله تعالی عنها قالت: لما رجع النبیﷺمن الخندق الحدیث وکان سعد رضی الله تعالی عنه اصیب یوم الخندق فی أکحله فضرب علیهﷺخیمة فی المسجد لیعوده من قریب فقال سعد رضی الله تعالی عنه :اللّٰهم إنک تعلم أنه لیس قوم أحب الی أن أجاهدهم فیک من قوم کذبوا رسولک وأخرجوه.اللّٰهم فانی أظن انک قد وضعت الحرب بیننا وبینهم فان کان بقی من حرب قریش شئی فابقنی حتی اجاهدهم فیک وإن کنت وضعت الحرب فافجرهاواجعل موتی فیهافانفجرت من لیلته فلم یرعهم فی المسجد الاالدم یسیل الیهم فاذاسعد رضی الله تعالی عنه یغدوجرحه دماًفمات منها.أخرجه الشیخان عن جابر رضی الله تعالی عنه قال: إن سعد بن معاذ رضی الله تعالی عنه فی یوم الأحزاب قطعواأکحله أو أبحله فحسمه رسول اللهﷺبالنار.فانتخفت یده فترفه الدم فحسمه أخری فانتخفت یده فلما رأی ذلک قال: اللّٰهم! لاتخرج نفسی حتی تقر عینی من بنی قریظة فاستمسک فما قطر قطرةحتی نزلواعلی حکمه فحکم بینهم أن تقبل رجالهم وتستخی نسائهم فقالﷺ اصبت حکم اللهفیهم وکانواأربع مائةفلما فرغ من قتلهم

انفتق عرقه فمات. أخرجه الترمذي وصححه.

(تکشف ص:۸۸، ۸۹ج:۵)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ جنگ خندق سے لوٹ کر آئے۔ اس میں یہ قصہ بھی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالی عنہ کی ہفت اندام رگ میں تیر لگا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے قریب ہی سے ان کی عیادت کیلئے مسجد میں ایک خیمہ لگا دیا تھا جس پر حضرت سعد رضی اللہ تعالی عنہ نے دعا کی۔ اے الہ العالمین! تو خوب جانتا ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کو جھٹلایا اور ان کو مکہ معظمہ سے جلاوطن کیا ہے، مجھے ایسے لوگوں سے جہاد کرنا بہت زیادہ محبوب ہے۔ اے اللہ! میرا گمان ہے کہ تو نے ہم میں اور ان میں لڑائی بند کر دی ہے یعنی میرا اپنا ذاتی خیال ہے کہ ہم مسلمانوں اور ان ظالموں میں کوئی جنگ نہیں ہوگی۔ اگر میرا یہ خیال غلط ہے اور قریش کے ساتھ کوئی معرکہ ہونا باقی ہے تو مجھے زندہ رکھ تا کہ میں تیری راہ میں ان سے جہاد کروں اور اگر میرا یہ گمان صحیح ہے کہ ہم سے ان کا کوئی معرکہ نہ ہوگا تو میرے زخم کے خون کو جاری کر دے اور اسی میں مجھے موت دے دے۔ چنانچہ اسی رات کو اس رگ کا منہ کھل گیا اور مسجد والوں نے دیکھا کہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کا خون بہتے ہوئے ان لوگوں کی طرف آ رہا تھا۔ پس اسی حالت میں کہ خون بہہ رہا تھا، آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے وفات پائی۔ اس حدیث کو شیخین یعنی امام بخاری اور امام مسلم (رحمہما اللہ تعالیٰ) نے حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالی عنہ کو جنگ خندق میں ایک تیر لگا جس سے ہفت اندام کی

رگ کٹ گئی جس کو رسول اللہ ﷺ نے خون تھم جانے کیلئے آگ سے داغ دیا۔ خون تو رک گیا مگر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ سوج گیا چونکہ خون کی روانی میں جوش تھا اس لئے خون پھر بہنے لگا۔ آپ ﷺ نے دوبارہ داغ دیا۔ اس سے خون تو رک گیا مگر ہاتھ پر ورم زیادہ ہو گیا۔ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دیکھ کر کہا۔ اے اللہ! اس وقت تک میری روح پرواز نہ ہو جب تک بنو قریظہ کی طرف سے میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں یعنی ان کی شرارت کی سزا دیکھنے کے بعد مجھے موت آجائے۔ چنانچہ ان کی رگ کا خون بند ہو گیا اور ایک بوند بھی نہ نکلی۔ یہاں تک کہ بنو قریظہ محاصرہ سے عاجز آ کر سرکارِ دو عالم ﷺ کے حکم پر اس شرط کے ساتھ باہر آئے کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے لئے جو تجویز کریں وہی کاروائی ہم سے کی جائے۔ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شریعت کے موافق ان کے مقدمہ میں فیصلہ کر دیا کہ ان کے بالغ مردوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو زندہ چھوڑ دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے سعد! تم نے اس مقدمہ میں خدا کے حکم کے موافق فیصلہ دیا ہے۔ ان لوگوں کی تعداد چار سو تھی۔ حسب فیصلۂ مذکورہ جب ان کے قتل سے فراغت ہو گئی تو ان کی وہ ہفت اندام کی رگ پھر پھٹ پڑی اور ان کا انتقال ہو گیا۔ اس روایت کو امام ترمذی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے بھی بیان کیا ہے اور اس کی صحت کا بھی اقبال واقرار کیا ہے۔

(تکشف ج:۵ص:۸۸،۸۹)

اس قصہ میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کئی کرامتیں درج ہیں۔ ایک تو

یہ کہ میرے خیال سے ہماری اور مشرکین قریش کی جنگ موقوف ہوگئی ہے چنانچہ اس کے بعد کوئی معرکہ نہیں ہوا اور فتح مکہ میں چھوٹی سی نبرد آزمائی اور چھیڑ چھاڑ ہوئی تھی جس کو عربی زبان میں مقاتلہ کہتے ہیں۔ دوسری کرامت جاری خون کا بند ہو جانا۔ تیسری کرامت بند خون کا بہنے لگنا اور راوی کا فلما فرغ کا لفظ استعمال کرنا صرف اختصارِ بیان کیلئے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ فلما فرغ ودعا بما فی الحدیث الاول فانتفق. (تفصیل کیلئے تکشف ملخصاً: ص ۹۰،۹۱)

کرامات حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۶۲،۶۳) روی البخاری فی قصة طويلة فكانت تقول ما رأيت اسيراً قط خيرا من خبيب رضى الله تعالى عنه لقد رأيته يأكل من قطف عنب وما بمكة يومئذ ثمرة وانه لموثق فى الحديد وما كان الا رزق رزقه الله.

(ج:۲ص:۵۸۵)

ترجمہ: حضرت امام بخاری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے ایک طویل قصہ میں بیان کیا ہے کہ وہ خاتون جن کا پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ وہ کہتی تھی کہ میں نے کسی قیدی کو حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ اچھا نہیں دیکھا۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ معظمہ میں کافروں کی قید و بند میں تھے۔ نیز انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب وہ لوہے کے پنجرے میں مقید تھے اور کہیں آ جا نہ سکتے تھے اور اس وقت مکہ معظمہ میں پھلوں کا موسم بھی نہ تھا، انہیں انگور کے خوشے کھاتے دیکھا اور ان کا وہ کھانا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق تھا۔

حضور ختمی نبوت ﷺ نے اصحاب سے فرمایا: ہے کوئی جو خبیب رضی اللہ تعالی عنہ کی لاش کو سولی سے اتار لائے؟ چنانچہ حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ تعالی عنہما نے اس کام کا اقرار کیا اور پھر روانہ ہو گئے۔ وہ رات کو چلتے اور دن کو چھپتے رہتے۔ چنانچہ وہ اس سولی کے پاس پہنچ گئے جہاں چالیس محافظ موجود تھے لیکن سب کے سب سو رہے تھے۔ ان دونوں نے حضرت خبیب رضی اللہ تعالی عنہ کو سولی سے اتارا اور گھوڑے پر رکھ لیا۔ اگر چہ حضرت خبیب رضی اللہ تعالی عنہ کے قتل کو چالیس دن گزر چکے تھے لیکن ان کا جسم بالکل تازہ تھا۔ زخموں سے خون ٹپک رہا تھا اور مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔ صبح کے وقت جب قریش کو اس کی خبر ہوئی تو چاروں طرف ستر سوار دوڑا دیئے۔ کچھ ستر سواروں نے آپ رضی اللہ تعالی عنہ کو آلیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ دیکھ کر لاش کو فوراً زمین پر رکھ دیا اور زمیں انہیں نگل گئی۔ اس لئے تو حضرت خبیب رضی اللہ تعالی عنہ کو ''بلیع الارض'' کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ تعالی عنہ نے ان کفار کی طرف منہ کر کے کہا: میں زبیر بن العوام ہوں اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالی عنہا بنت عبدالمطلب میری ماں ہیں اور یہ میرے رفیق حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالی عنہ ہیں۔ تمہارا جی چاہے تو تیروں سے اور کہو تو اتر کر نیزے اور تلوار سے لڑیں اور چاہو تو لوٹ سکتے ہو چنانچہ وہ ستر سوار کافر واپس ہو گئے۔

ان دونوں حضرات نے حضور اقدس ﷺ میں کل ماجرا بیان کیا اور اسی وقت آنحضرت جبریل امین نے مجلس میں حاضری دے کر کہا کہ سرکار آپ ﷺ کے ان دونوں اصحاب کی فرشتوں میں تعریف ہو رہی ہے۔

مندرجہ تاریخ حبیب الٰہ مؤلفہ مولانا مفتی عنایت احمد صاحب مطبوعہ نامی پریس لکھنو (ص: ۸۵،۸۶) کے اس قصہ پر بندہ مطلع نہیں ہوا مگر چونکہ تاریخ حبیب الٰہ نہایت معتبر کتاب ہے پس موجودہ کتاب سے اس قصہ کی نقل کافی ہے۔

کرامات حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۶۵،۶۴)روی البخاری فی قصۃ طویلۃ وبعث قریش الی عاصم لیؤتو بشیئ من جسدہ یعرفونہ و کان عاصم قتل عظیماً من عظمائھم یوم بدر فبعث اللہ علیھم مثل الظلۃ من الدبر فحمتہ من رؤسھم فلم یقدروا منہ علی شئی۔ (ص:۵۸۶ ج:۲)

ترجمہ: حضرت امام بخاری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے ایک قصہ کے تحت روایت کی ہے کہ کفار قریش نے اپنے ایک دستہ کو حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش میں سے کوئی ٹکڑا کاٹ لانے کیلئے بھیجا تاکہ اس عضوِ بدن کو دیکھ کر ان کے قتل کا یقین ہو جائے اور ساتھ ہی ساتھ ان کے دل کو ٹھنڈک بھی ہو جائے کہ یہی وہ عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جنہوں نے ہمارے ایک بڑے آدمی کو جنگ بدر میں قتل کر دیا تھا۔ اس دستہ کے پہنچتے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوران کے مقتول ساتھیوں کی لاش پر شہد کی مکھیوں کو بادل کی طرح بھیج دیا جنہوں نے ان شہیدوں کی لاش کو ان سے محفوظ کر دیا اور وہ کافر کچھ بھی نہ کر سکے۔

بخاری شریف کے حاشیہ پر حضرت اسحاق (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے یہ مضمون لکھا ہے کہ حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حق تعالیٰ سے یہ عہد کر لیا تھا کہ کوئی مشرک ان کو چھو نہ سکے گا۔ چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ قصہ معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے معاہدہ کے مدنظر اپنے مسلمان بندہ کی اس کے انتقال کے بعد بھی حفاظت کی۔ بظاہر اگرچہ حضرت عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش کی حفاظت کا کوئی

خاص انتظام نہ تھا لیکن پروردگار نے اس کی حفاظت کی اور ان کے جسد اطہر کو کوئی کافر ہاتھ تک نہ لگا سکا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عہد بھی پورا ہو گیا۔ یہ سب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامتیں تھیں۔

کرامات حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(٦٦)عن انس رضی الله تعالی عنه أن الربيع عمته كسرت ثنية جارية فطلبوا إليها العفو فأبوا فعرضوا الإرش فابوا فاتوا رسول الله ﷺ وأبوا الا القصاص وأمر رسول الله ﷺ بالقصاص فقال أنس بن نضر رضی الله تعالی عنه :يا رسول الله! اتكسر ثنياة الربيع ؟ والذى بعثك بالحق لا تكسر ثنيتها. فقال رسول الله ﷺ: يا أنس! كتاب الله القصاص. فرضى القوم فعفوا فقال رسول الله ﷺ: إن من عباد الله من لو أقسم على الله لأبرّه.　　(ص:٦٣٦ ج:١ مطبوعہ مصطفائی لکھنو)

ترجمہ: حضرت انس بن نضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے تھے، روایت کرتے ہیں کہ ان کی پھوپھی نے کسی لڑکی کا اگلا دانت توڑ دیا تھا۔ ہمارے آدمیوں نے اس لڑکی والوں سے معافی مانگی تو انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر ان سے کہا گیا کہ تم لوگ دیت یعنی دانت کے بدلے میں دانت لینے کے بجائے کچھ رقم لے لو۔ اس پر بھی ان لوگوں نے انکار کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی دینے اور دیت قبول کرنے پر انکار کرتے ہوئے قصاص طلب کیا۔ چنانچہ بحکمِ قرآنِ کریم سرورِ عالم

ﷺ نے قصاص ہی کا حکم دیا۔اس پر حضرت انس بن نضر نے کہا: یارسول اللہ! کیا میری پھوپھی حضرت ربیع کا اگلا دانت توڑ دیا جائیگا؟ اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، ان کا دانت تو نہیں توڑا جائے گا۔آپ رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ قول شریعت کے مقابلہ میں انکار کے طور پر نہ تھا بلکہ غلبۂ حال میں ایسا توکل اور بھروسہ غالب ہوا تو قسم کھالی اور سمجھ گئے کہ اللہ تعالی ان لوگوں کے دل میں معافی ڈال دیں گے یا پھر یہ لوگ دیت قبول کر لیں گے۔ اس پر سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔اے انس! اللہ کی کتاب تو قصاص کا حکم دیتی ہے۔اس پر ان لوگوں نے خوش ہو کر دانت کا بدلہ معاف کر دیا۔اسی واقعہ پر سرور عالم ﷺ نے فرمایا: بیشک بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر اللہ کے بھروسہ پر قسم کھالیں تو اللہ تعالی ان کی قسم کو پورا فرماتا ہے۔

ایسی قسم صرف غلبۂ حال وکیفیت میں ہوتی ہے۔جب تک ہر شخص حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ جیسی کیفیت پیدا نہ کرلے، اس کو ہرگز ایسی قسم نہ کھانا چاہئے۔

کرامات حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہ

(۶۷)روی البخاری فی قصة طویلةأما والله لأدعون بثلث اللّٰهم إن کان عبدک هذا کاذباقام ریاء وسمعة فأطل عمره وأطل فقره وعرضه بالفتن. وکان بعداذا سئل یقول شیخ کبیر مفتون أصابتنی دعوةسعد رضی الله تعالی عنه .قال عبد الملک فانارأیته بعد قد سقط حاجباه علی عینیه من الکبر وانه لیتعرض للجواری فی

الطريق يغمزهن. (ص:۱۰۴ج:۱)

ترجمہ: امام بخاری (رحمہ اللہ تعالیٰ) ایک طویل قصہ میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم میں اس شخص کیلئے بد دعا کرتا ہوں جس نے میری تین باتوں کی جھوٹی شکایت کی تھی۔اے اللہ! یہ تیرا جھوٹا بندہ جو مکاری سے شکایتیں سنانے کیلئے کھڑا ہوا ہے اس کی عمر دراز کردے، اس کی محتاجی میں اضافہ کردے اور اس کو فتنہ وفساد میں مبتلا کردے۔حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس دعا کے بعد لوگوں نے اسے دیکھا کہ جب اس سے خیریت دریافت کی جاتی تو وہ بڈھا پھونس جواب دیتا میں بالکل بڈھا ہوگیا ہوں، میری عقل ماری گئی ہے اور مجھے سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بد دعا لگ گئی ہے۔حضرت عبد الملک (رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتے ہیں کہ میں نے اس بڈھے کو اس حال میں دیکھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی آنکھوں کو اس کی دونوں بھوؤں نے بالکل چھپا لیا اور وہ رستہ چلتی باندیوں کو روکتا اور اتنا بے حیا ہوگیا تھا کہ رستہ ہی میں چھیڑ چھاڑ کرتا اور افلاس وغربت کی وجہ سے وہ اسی قسم کی ذلیل حرکتیں کیا کرتا تھا۔وہ اگر مالدار ہوتا تو اس میں شرم ولحاظ کا کچھ اثر رہتا۔

الحاصل حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ تینوں باتیں درازیٔ عمر، افلاس اور فتنہ میں مبتلا ہونا درگاہِ خداوندی میں مقبول ہوگئیں۔

(۶۸) عن سعد بن أبي وقاص رضي الله تعالى عنه قال: رأيت عن يمين رسول الله ﷺ وعن شماله يوم أحد رجلين عليهما ثياب بيض يقاتلان كأشد القتال ما

رأيتهما قبل ولا بعد يعني جبرئيل وميكائيل. متفق عليه.
(مشکوۃ مطبوعہ اصح المطابع لکھنو ص:۵۳۱ ج:۲)

ترجمہ: حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے یوم احد میں سرکار دوعالم ﷺ کے دائیں اور بائیں دو سفید پوش لوگوں کو دیکھا جو بڑی سخت جنگ لڑ رہے تھے۔ ایسے جنگ جو میں نے نہ تو پہلے دیکھے اور نہ بعد میں اور یہ دونوں سفید پوش جبرائیل اور میکائیل تھے۔

کرامات حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۶۹) روى الواقدى فى كتاب المغازى قال: وكان حنظلة بن أبى عامر رضى الله تعالى عنه تزوج جميلة بنت عبد الله بن سلول رضى الله تعالى عنه ودخل عليها ليلة قتال أحد بعد أن استأذن رسول الله ﷺ فأصبح جنبا وأخذ سلاحه بحق بالمسلمين وأرسلت الى أربعة من قومها فاشهدتهم أنه قد دخل بها فسألوها فقالت رأيت فى ليلتى كان السماء فتحت ثم أدخل وأغلقت دونه فعرفت أنه مقتول من الغد وتزوجها بعده ثابت بن قيس رضى الله تعالى عنه فولدت له محمد بن ثابت بن قيس رضى الله تعالى عنه فلما انكشفت المشركون اعترض حنظلة لأبى سفيان يريد قتله وقال رسول الله ﷺ: انى رأيت الملئكة تغسل حنظلة بن أبى عامر رضى الله تعالى عنه بين السماء والارض بماء المزن فى صحاف الفضة.

قال أبو أسيد الساعدى رضى الله تعالى عنه فذهبنا فنظرنا اليه فاذارأسه يقطر ماءً. قال أبو أسيد رضى الله تعالى عنه فرجعت الى رسول الله ﷺ فاخبرته فارسل إلى إمرأته فسألها فاخبرته قد خرج وهو جنب. انتهى.

(زیلعی تخریج ہدایہ ج:اص:۳۷۰،۳۷۱ مطبوعہ علوی)

ترجمہ: حافظ حدیث علامہ واقدی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے کتابِ مغازی میں لکھا ہے کہ حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ تعالی عنہ نے جمیلہ دختر عبداللہ بن ابی سلول رضی اللہ تعالی عنہ سے شادی کی اور سرکار دوعالم ﷺ سے اجازت لے کر جنگ احد کی ایک رات اپنی بیوی سے ہم بستر ہوئے اور اسی حالت جنابت میں صبح سویرے ہتھیار لگا کر مسلمانوں کی فوج میں پہنچ گئے۔ ادھران کی نئی نویلی دلہن نے اپنی قوم کے چار آدمیوں کے پاس اطلاع بھیجی کہ میرے خاوند ہم بستری کے بعد جہاد میں چلے گئے اور لوگوں کو اس لئے گواہ کرلیا تا کہ حمل رہ جانے کی صورت میں کسی کو کوئی بات کہنے کی گنجائش نہ رہے۔ جس کو سہیلی نے کتاب زیلعی (ج:اص:۳۷۰) میں بھی ذکر کیا ہے۔ لوگوں نے اس نئی دلہن سے پوچھا کہ ایسا کیوں کہہ رہی ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ رات کو میں نے خواب میں دیکھا، آسمان کھولا گیا اس میں حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالی عنہ داخل ہوئے اور پھر آسمان کے دروازے بند کر دیے گئے۔ جس سے مجھے یقین ہوا کہ کل وہ شہید کر دیے جائیں گے۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کے بعد ان نیک سیرت بی بی کا ثابت بن قیس رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ نکاح ہوا جن کے پیٹ سے محمد بن ثابت بن قیس رضی اللہ تعالی عنہ

ہیں اور ادھر کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج میں آتے ہی دل کھول کر ہاتھ دکھائے جس کے نتیجہ میں مشرکین کو شکست نظر آ رہی تھی اور انہوں نے ابو سفیان کو جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، مارنا ہی چاہا تھا کہ پیچھے سے اسود بن شعیب نے حملہ کر کے حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسا برچھا مارا کہ وہ شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ وہ حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نقرئی طشت یعنی چاندی کے ٹب میں مینہ کے پانی سے آسمان و زمین کے بیچ نہلا رہے تھے۔ ابو اسید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ہم نے حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ ان کے بالوں سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں اور یہ دیکھ کر میں نے فوراً رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضری دے کر تمام واقعہ سنایا۔ اس پر سرور عالم ﷺ نے ان کی بیوی کے پاس ایک قاصد بھیجا کہ ان کی حالت روانگی معلوم کرے چنانچہ اس قاصد سے جناب جمیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ وہ جہاد کے میدان میں گھر سے بحالت جنابت گئے تھے یعنی ان کو غسل کی ضرورت تھی۔

ہر وہ شخص جو بحالتِ جنابت شہید ہو جائے تو شریعتِ اسلامیہ کے مدِ نظر ایسے شہید کو بھی غسل دیا جانا ضروری ہے۔ چونکہ حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غسل کی ضرورت تھی اور اسلامی فوج کے کسی آدمی کو اس کی اطلاع نہ تھی کہ ان کو غسل دیتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غسل دلایا۔ حضرت حنظلہ شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر کے بالوں سے پانی کی بوندیں ٹپکتے ہوئے رسول مقبول ﷺ کے سوائے اور لوگوں نے بھی دیکھیں اور یہ بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

کرامت تھی۔

کرامت ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

(۷۰)عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: بينما رجل من المسلمين يومئذ يشتد الحرب فی اثر رجل من المشركين امامه اذ سمع ضربة بالسوط فوقه وصوت الفارس يقول: اقدم حيزوم اذنظر الى المشرک أمامه خر مستلقياً فنظر اليه فاذا هو قد خطم أنفه وشق وجهه كضربة السوط فاخضرَّ ذلک اجمع فجاء الانصاری فحدث رسول الله ﷺ فقال: صدقت ذلک من مدد السماء الثالثة فقتلوا يومئذ سبعين وأسروا سبعين. رواه مسلم. (مشکوۃ ص:۵۳۱ج:۲)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جنگ بدر کے دن ایک مسلمان شخص ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا کہ اس نے اپنے آگے والے مشرک کے سر پر ایک کوڑا مارنے کی آواز سنی اور گھوڑے سوار کو یہ بھی کہتے ہوئے سنا کہ حیزوم (جو حضرت جبریل کے گھوڑے کا نام ہے) آگے بڑھ۔اس کے بعد مشرک کو چت گرا ہوا دیکھا جس کی ناک چر گئی تھی اور چہرہ لہولہان تھا جیسا کہ خوب زور سے کوڑا مارنے کی وجہ سے ہو جایا کرتا ہے۔ایسے ہی اس کے بدن کے سب اعضاء نیلے پڑ گئے تھے چنانچہ ان انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا واقعہ بیان کیا۔ جس پر سرور کائنات ﷺ نے فرمایا: تو سچ کہتا ہے۔ یہ تو تیسرے

آسمان کی مدد تھی۔ چنانچہ مسلمانوں نے اس روز ستر مشرکوں کو قید کیا اور ستر کافروں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔ اس کو امام مسلم (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے بھی بیان کیا ہے۔

کرامات حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۷، ۲۷) فی المشکوۃ عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث قال: ولقد کنا نسمع تسبیح الطعام وھو یؤکل. (رواہ البخاری ص: ۵۳۷، ۵۳۸ ج:۲)

ترجمہ: مشکوۃ شریف میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بروایت امام بخاری مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا ہم کئی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو کھانا کھا رہے تھے ہم نے سنا کہ وہ غذا جو ہم کھا رہے تھے، وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی تسبیح بیان کر رہی تھی یعنی وہ کھانا سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھ رہا تھا۔

ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں ایک طویل قصہ کے تحت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ رات میرے سامنے چھوارے کے پیڑوں میں سے ایک کالا بادل اٹھا جس سے مجھے خوف ہوا کہ حضور ﷺ کو اس سے کوئی صدمہ نہ پہنچے لیکن آپ ﷺ کا یہ حکم یاد آنے پر کہ ''اس جگہ سے مت ہٹنا'' میں اپنی جگہ جما رہا اور اسی حالت میں میں نے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ تو وہ سارا بادل بیٹھ گیا اور صبح ہوتے ہوتے وہ سارا بادل چھٹ گیا۔ صبح کو رسول اللہ ﷺ کی اس جگہ تشریف آوری پر میں نے اپنا اندیشہ اور پورا واقعہ سنایا تو سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا نصیبین کے جن تھے جو مجھ سے ملنے آئے تھے۔ (تفصیل کیلئے دیکھو الکلام المبین مؤلفہ مفتی عنایت احمد رحمہ اللہ تعالیٰ ص: ۱۱۱، ۱۱۲)

چونکہ جنات کو دیکھنا خلاف عادت ہے اس لئے اس کو بھی خوارق میں شمار کیا گیا۔

کرامات حضرت اسید بن حضیر و عباد بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

(۷۳، ۷۴)عن أنس رضی الله تعالی عنه عن أسید بن حضیر و عبادبن بشیر رضی الله تعالی عنهما فحدثا عند النبی ﷺ فی حاجة لهما حتی ذهب من اللیل ساعة فی لیلة شدیدة الظلمة. ثم خرجا من عند رسول الله ﷺ ینقلبان و بید کل منهما حصیة فاضاء ت عصا أحدهما لهما حتی مشیا فی ضوء ها حتی إذا افترقت بها الطریق اضاء ت للآخر عصاه فمشی کل واحد منهما فی ضوء عصاه حتی بلغ أهله. رواه البخاری. (مشکوۃ ص:۵۴۴ ج:۲)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ سے جناب اسید و عباد رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی کچھ ضرورتیں ظاہر کیں جس میں کچھ رات ہو گئی۔ رات بہت ہی تاریک تھی۔ چنانچہ وہ اسی اندھیرے میں اپنے اپنے گھروں کو لوٹے۔ ان کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں۔ ان میں سے ایک کی لاٹھی روشن ہو گئی اور لالٹین کا کام دینے لگی جس کی روشنی کی مدد سے دونوں چلنے لگے۔ جب ایک کا رستہ ختم ہو گیا اور دوسرے کو آگے جانا تھا تو اس روشن عصا نے اس دوسرے کی لاٹھی کو بھی روشن کر دیا اور یہ دوسرا بھی اپنے گھر کو روانہ ہو گیا اور یہ دونوں آدمی اپنی اپنی لاٹھی کی روشنی میں

اپنے اپنے ہاں بچوں میں پہنچ گئے۔اس کو امام بخاری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے بھی بیان کیا ہے۔

اس قصہ میں دو کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ایک تو یہ کہ بغیر کسی تیل بتی کے ایک لاٹھی روشن ہو گئی اور دوسری کرامت یہ کہ ایک لاٹھی سے دوسری لاٹھی جس میں کوئی الیکٹرک کرنٹ نہ تھا وہ بھی روشن ہو گئی اور رات کے اندھیرے سے ان دونوں حضرات کو کوئی تکلیف نہ ہوئی۔

کرامات پدرِ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۷۵)عن جابر رضی اللہ تعالی عنہ قال: لما حضر أحد دعانی أبی من اللیل فقال: ما أرانی الا مقتولا فی أول من یقتل من أصحاب النبی ﷺ وإنی لا أترک بعدی اعز علی منک غیر نفس رسول اللہ ﷺ وان علی دینا فاقض واستوص بأخواتک خیرا فاصبحنا فکان اول قتیل و دفنته مع آخر فی قبر. رواہ البخاری. (مشکوۃ ص:۴۴، ۴۵)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جنگ احد کے وقت ایک رات مجھے میرے پدر بزرگوار نے طلب کر کے فرمایا: کل اصحاب رسول اللہ ﷺ کی شہادت میں سب سے اول میری شہادت واقع ہوگی۔رسول اللہ ﷺ کے علاوہ مجھے سب سے زیادہ عزیز تم ہو۔سنو! مجھ پر ایک آدمی کا قرضہ ہے، وہ تم ادا کر دینا اور میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اپنی بہنوں کے ساتھ بھلائی کرنا۔صبح کو میں نے دیکھا کہ سب سے پہلے میرے والد ماجد ہی نے جام شہادت نوش فرمایا ہے۔میں نے ان کو اور ان کے ایک ساتھی کو جگہ کی تنگی کی وجہ

سے ایک ہی قبر میں سپرد خاک کیا۔اس کو امام بخاری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے بھی بیان کیا ہے۔

یہ الہام کشفی دراصل کرامت ہی کرامت ہے۔

کرامات بعض صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم

(۷۶)عن عائشة رضی الله تعالی عنها قالت: لما أرادوا غسل النبی ﷺ قالوا: لاندری إنجرد رسول الله ﷺ من ثيابه كما نجرد موتاناأم نغسله وعليه ثيابه؟فلما اختلفوا القى الله عليهم النوم حتى ما منهم رجل الاوذقنه فی صدره ثم كلمهم مكلم من ناحية البيت لايدرون من هو: إغسلوا النبی ﷺ وعليه ثياب.فقاموا فغسلوا وعليه قميصه يصبون الماء فوق القميص ويدلكونه.رواه البيهقی فی دلائل النبوة.

(مشکوۃ ص:۴۵ ج:۲)

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات شریف پر جب آپ ﷺ کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین نے کہا: ہماری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کپڑے اتار کر آپ ﷺ کو غسل دیں جیسا کہ عام طور پر اپنی میتوں کے ساتھ کرتے ہیں یا کپڑوں سمیت آپ ﷺ کو نہلائیں؟اس معاملہ میں اختلاف رائے ہو رہا تھا کہ اللہ نے ان پر نیند کو اس طرح مسلط کر دیا کہ ہر ایک کی ٹھوڑی اس کے سینہ پر ہو گئی یعنی وہ سب سو گئے اور اسی حالت میں مکان کی ایک سمت سے جس کو

کہتے ہوئے کسی نے دیکھا نہیں، اس نے کہا نبی کریم ﷺ کو کپڑوں سمیت غسل دو۔ پس صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کو اس طرح نہلایا کہ آپ ﷺ جو کرتہ پہنے ہوئے تھے، اسی پر پانی ڈالتے اور اسی کرتہ پر سے آپ ﷺ کے جسد مبارک کو ملتے جاتے تھے۔ دلائل النبوۃ میں علامہ بیہقی نے بھی یہی بیان کیا ہے۔

کرامات حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۷۷) عن ابن المنکدر رضی اللہ تعالی عنه ان سفينة مولى رسول اللہ ﷺ أخطأ الجيش بأرض الروم وأسر فانطلق هاربا يلتمس الجيش فاذا هو بالأسد فقال: يا ابا الحارث! أنا مولى رسول اللہ ﷺ كان من امرى كيت وكيت فاقبل الاسد منه بصبصة حتى قام الى جنبه كلما يسمع صوتا أهوى اليه ثم اقبل يمشى الى جنبه حتى بلغ الجيش ثم رجع الاسد. (مشکوۃ ج:۲ص:۵۴۵)

ترجمہ: ابن منکدر سے روایت ہے کہ حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور ﷺ کے غلام تھے ایک مرتبہ سرزمینِ روم میں اپنے اسلامی لشکر کا راستہ بھول گئے۔ وہ رستہ تلاش کر رہے تھے کہ دشمنان اسلام نے انہیں قید کرلیا۔ ایک دن وہ قید سے بھاگ کر راستہ ڈھونڈ رہے تھے کہ ان کی ایک شیر سے مڈبھیڑ ہوگئی چنانچہ حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شیر کو کنیت سے پکار کر کہا۔ اے ابوالحارث! سن میں رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں اور میرے ساتھ ایسا معاملہ ہوا ہے۔ جنگل کا شیر یہ سن کر خوشامد میں لگ گیا اور ان کے سامنے کھڑے

ہو کر دم ہلانے لگا اور پھر ان کے برابر چلنے لگا۔ اسے جب کوئی آواز سنائی دیتی تو وہ فوراً ادھر کا رخ کر لیتا اور پھر آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ بغل میں چلنے لگتا۔ جب حضرت سفینہ رضی اللہ تعالی عنہ اپنے اسلامی لشکر میں پہنچ گئے تو شیر ان کو پہنچا کر واپس لوٹ آیا۔

اس واقعہ کو کتاب شرح السنہ میں بیان کیا گیا ہے۔

کرامات سیدتنا ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا

(۷۸) عن أبی الجوزاء قال: قحط أهل المدینة قحطاً شدیداً فشکوا إلی عائشة رضی الله تعالی عنها فقالت: انظروا قبر النبی ﷺ فاجعلوا منه کوی إلی السماء حتی لا یکون بینه وبین السماء سقف ففعلوا فمطروا مطراً حتی نبت العشب وسمنت الإبل حتی تفتقت من الشحم فسمی عام الفتق. رواه الدارمی.
(مشکوٰۃ ص:۵۴۵ ج:۲)

ترجمہ: حضرت ابو الجوزاء سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں سخت کال آیا تو ان قحط زدہ لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے جا کر کہا کہ اس قحط سے ہم لوگ بہت پریشان ہو گئے ہیں۔ اس پر بی بی عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے مزار شریف کی طرف دیکھو اور گنبد خضراء میں آسمان کی طرف کو ایک آر پار سوراخ کر دو تا کہ دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ رہے۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا تھا کہ خوب بارش ہوئی۔ اتنا مینہ پڑا کہ گھاس جم آئی اور اونٹ اتنے موٹے ہو گئے کہ چربی کی وجہ

سے پھٹ پڑے اور اس کا نام فتق رکھا گیا۔ اس قصہ کو دارمی نے بھی بیان کیا ہے۔

(۷۹) فی قصة طويلة فقال (ای ﷺ) يا أم سلمة! لا تؤذينی فی عائشة فانه والله ما نزل علیّ الوحی وأنا فی لحاف امرأة منكن خيرها. (اسد الغابۃ ص:۵۰۳ ج:۵ مصری)

ترجمہ: ایک طویل قصہ کے تحت درج ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ام سلمہ! تم عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کوئی برا برتاؤ کر کے مجھے تکلیف مت پہنچاؤ۔ اللہ کی قسم بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لیٹنے کی حالت میں مجھ پر وحی آتی رہی۔ ان کے سوائے کسی دوسری بی بی کے پاس لیٹے رہنے کی حالت میں مجھ پر وحی نہیں آئی اور وہ تم سب میں ایک اچھی خاتون ہیں۔

اللہ اللہ! حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کرامت ملاحظہ فرمایئے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کوئی بات ناگوار ہونے سے سرکار دو جہاں ﷺ کو صدمہ ہوتا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ایک دیندار کی اذیت اور تکلیف سے دوسرے دیندار کو رنج، دکھ، غم اور اندوہ وملال ہوا ہی کرتا ہے۔

(۸۰) قال أبو سلمة رضی الله تعالی عنه: ان عائشة رضی الله تعالی عنها قالت: قال رسول الله ﷺ يوماً: يا عائشة! هذا جبريل يقرؤك السلام فقلت: وعليه السلام ورحمة الله وبركاته. ترى ما لا ارى.

(اسد الغابۃ ص:۵۰۳ ج:۵)

ترجمہ: ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا۔ اے عائشہ! یہ جبریل تم کو سلام کہہ رہے ہیں۔ میں نے جواباً کہا ان پر اللہ کی سلامتی، رحمتیں اور برکتیں ہوں۔ اے حضور! آپ ﷺ ان کو دیکھتے ہیں اور میں نہیں دیکھ سکتی۔

یعنی جس طرح سرکار دو عالم ﷺ کے ذریعہ حضرت جبریلؑ نے سلام کہلوایا، اسی طرح ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب بھجوایا اور چونکہ عورت کسی مرد کو نہیں دیکھتی اس لئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی ان کو جھانکا تا کا نہیں۔ اس حدیث سے بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عالمِ بالا کے ساتھ جس اعلیٰ درجہ کا تعلق ظاہر ہوا کہ فرشتے تک آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سلام کہتے تھے۔ یہ بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کرامت ہے۔

کرامات سیدتنا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

(۸۱)عن خديجه رضى الله تعالى عنها أنها قالت لرسول الله ﷺ :يا ابن عم اهل تستطيع أن تخبرنى بصاحبك الذى يأتيك اذا جاءك؟قال : نعم.فبينا رسول الله ﷺ عندها اذجاءه جبريلُ فقال رسول الله ﷺ :هذا جبريل قد جاءنى فقالت: أتراه الان؟قال: نعم.قالت: اجلس على شقى الايسرفجلس.قالت: هل تراه الان؟قال: نعم.قالت: فاجلس على شقى الايمن فجلس.فقالت: هل تراه الان؟قال: نعم.قالت: فتحول فاجلس فى حجرى فتحول رسول الله ﷺ فجلس. فقالت: هل تراه؟ قال: نعم.قال: فتحسرت والقت

خمارها فقالت: هل تراه؟ قال: لا. قالت: ما هذا شيطان. ان هذا الملك يا ابن عم. اثبت وابشر ثم آمنت به وشهدت ان الذى جاء به الحق. (اسد الغابہ ص:۴۳۷ ج:۵)

ترجمہ: حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ تعالی عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے (عرب کی عادت کے موافق کہ مخاطب کو چچا کے بیٹے یا بھتیجہ سے خطاب کرتے ہیں اگر چہ در حقیقت یہ رشتہ نہ بھی ہو) کہا اے میرے چچا کے بیٹے! آپ ﷺ کے وہ دوست جو آپ ﷺ کے پاس ہمیشہ آتے ہیں یعنی جبریل امین ان جب وہ آئیں تو ان کے آنے کی اطلاع دے سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ ہاں۔ ابھی آپ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کے پاس ہی تھے کہ جبریلؑ کے آنے کی آپ ﷺ نے ان کو اطلاع کر دی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا کہ اس وقت آپ ﷺ ان کو دیکھ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے کہا ہاں۔ اس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا کہ آپ ﷺ ذرا میرے بائیں جانب بیٹھ جائیں۔ جب سرکارِ دو عالم ﷺ بائیں جانب بیٹھ گئے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا نے پوچھا کیا اب آپ ﷺ ان کو دیکھ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے کہا ہاں۔ اس پر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا تو ذرا اب میری سیدھی طرف تشریف رکھئے۔ آپ ﷺ بی بی کی سیدھی جانب آبیٹھے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا نے پھر پوچھا۔ کیا اب بھی آپ ﷺ ان کو دیکھ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ اس کے بعد بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا اچھا حضور اب ذرا میری گود کی طرف آجائیے۔ جب آپ

ﷺ ادھر آ گئے تو پھر انہوں نے پوچھا کیا اب بھی آپ ﷺ دیکھ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ اس کے بعد بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے سر سے دوپٹا اتارا اور سر کو کھول کر پوچھا کیا اب بھی دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا اب تو نہیں۔ اس پر حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا یہ شیطان نہیں ہے بلکہ درحقیقت فرشتہ ہے۔ اب آپ ﷺ مطلق نہ گھبرائیں اور حق پر ثابت قدم رہیں اور خوش ہو جائیں کہ نبوت جیسی نعمت سے آپ ﷺ کو سرفراز فرمایا گیا۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا آپ ﷺ پر ایمان لائیں اور اس بات کی شہادت دی کہ آپ ﷺ جو کچھ خدا سے لائے ہیں وہ بالکل سچ ہے۔

چونکہ ابتدائے نزول وحی میں سرکار ﷺ کو کچھ گھبراہٹ ہونے پر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا نے آپ ﷺ کو تسکین اور تسلی دی تھی تاکہ طبیعت کو قرار آجائے اور اس مرتبہ بھی اپنی فطرت کو کام میں لائیں۔ تسلی دینے والا تسلی دینے کی وجہ سے جس کو تسلی دے اس سے کبھی اعلی وافضل نہیں بن سکتا بلکہ ایک چھوٹا اپنے بڑے کو اس لئے بھی تسلی دیتا ہے کہ اس کو اس کے امور مستحضر اور یاد آجائیں۔ اس حدیث سے حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ تعالی عنہا کا یہ برتاؤ بذریعہ الہام ہونا ثابت ہے۔

خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ عقل وسمجھ کے ذریعہ ہرگز ایسے لطیف اور دقیق نکات کا استفادہ نہیں ہو سکتا بلکہ یہ تمام کیفیات الہام کے ذریعہ پیدا ہوتی ہیں اور الہام نام ہے خرقِ عادت وکرامت کا۔

(۸۲) عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه يقول: قال رسول الله ﷺ: اتاني جبريلُ فقال يا رسول الله! هذه خديجة قد اتتك ومعها اناء فيه ادام او طعام او شراب

فاذا هی اتتک فاقرأ علیها السلام من ربها ومنی وبشرها ببیت فی الجنة من قصب لا صخب فیه ولا نصب. (اسد الغابۃ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ جبریل نے مجھ سے آ کر کہا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ کے پاس بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آ رہی ہیں اور ان کے ہاتھ میں جو برتن ہے اس میں سالن، کھانے کی چیز اور کچھ پینے کی چیز ہے۔ جب وہ آپ ﷺ کے پاس آ جائیں تو ان سے میرا سلام کہہ دیجئے کہ اللہ میاں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سلام کہا ہے اور یہ کہہ دیجئے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خوش ہو جائیے آپ کیلئے جنت میں ایسا مکان ہے جو موتیوں کا بنا ہوا ہے جہاں کوئی شور و غل نہیں اور کوئی تکلیف نہیں ہے۔

حضرت جبریلؑ کا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اللہ تعالیٰ کا سلام لے کر آنا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بزرگی اور اور اللہ تعالیٰ سے لگاؤ کی کھلی دلیل ہے۔ چونکہ عام طور پر بندوں سے اللہ بزرگ و برتر کا یہ برتاؤ نہیں اور یہ سب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کرامتیں ہیں۔

کرامات سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

(۸۳) عن ام سلمی قالت: اشتکت فاطمة رضی الله تعالی عنها شکوٰها التی قبضت فیها فکنت أمرضها فأصبحت یوماً کامثل ما رأیتها فی شکوها تلک قالت: وخرج علیّ لبعض حاجته فقالت: یا امه! اسکبی لی

غسلاً فاغتسلت کأحسن ما رأیتها تغسل ثم قالت: یاامه! اعطینی ثیابی الجدد فاعطیتها فلبستها ثم قالت لی: یا امه! افعلی لی فراشی فی وسط البیت ففعلت فاضطجعت واستقبلت القبلة وجعلت یدها تحت خدها ثم قالت: یا امه!انی مقبوضة الان قد طهرت الان فلا یکشفنی أحد فقبضت مکانها. قالت: فجاء علی رضی الله تعالی عنه فاخبرته.

(اسد الغابۃ ابی نعیم وابی موسیٰ ص:۵۹۰ ج:۵)

ترجمہ: حضرت ام سلمی رضی اللہ تعالی عنہا نے بیان کیا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا ایسی بیماری میں مبتلا ہوگئیں جس میں ان کو موت آگئی۔ وہ بیمار تھیں اور میں تیمار دار تھی۔ ایک دن صبح سویرے میں نے دیکھا کہ ان کو فاقہ نظر آرہا تھا اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے کہنے پر کہ اے اماں! میں نہانا چاہتی ہوں میرے لئے نہانے کا پانی انڈیل دو۔ میں نے پانی تیار کر دیا اور جس طرح وہ تندرستی میں نہاتی تھیں ویسے ہی خوب نہائیں۔ پھر انہوں نے نئے کپڑے مانگے۔ میں نے ان کو نئے کپڑے بھی دے دیئے جو انہوں نے خود پہن کر کہا۔ امی اب آپ ذرا میرے لئے گھر کے بیچوں بیچ بچھونا بچھا دیجئے۔ میں نے یہ بھی کر دیا۔ بس وہ بستر پر جا لیٹیں اور قبلہ کی طرف منہ کر کے اپنا ایک ہاتھ اپنے گال کے نیچے رکھ کر کہا: اے امی جان! اب میں اللہ تعالی سے ملنے جا رہی ہوں اور بالکل پاک ہوں۔ اب کوئی بلا ضرورت مجھے کھولے نہیں۔ اس کے بعد ان کی روح پرواز کر

گئی اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے آنے کے بعد پورا واقعہ میں
نے ان سے کہہ سنایا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے مناقب وفضائل اور تفصیلی حالات
کتاب مناقب فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا مؤلفہ احمد حسن صاحب سنبھلی (رحمہ اللہ
تعالیٰ) میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے مسند حنبل میں
حضرت ابونعیم (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے روایت کی ہے کہ بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا
کو کپڑے دینے اور ان کا بستر بچھانے والی خاتون کا نام زوجہ ابی رافع ہے۔ ہمیں
اس کرامت کے ضمن میں یہ بتانا ہے کہ حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ تعالی عنہا جس
مرض الموت میں تھیں، ان کو قربِ موت کا کشفِ الہامی ہوا۔ چنانچہ وہ تندرستوں کی
طرح نہا دھو کر نئے کپڑے بدل کر خدا سے ملنے کیلئے تیار ہو گئیں جو ان کی کرامت
ہے۔ کتاب اسد الغابۃ (ج:۵ ص:۵۲۴) پر لکھا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی
عنہا کے اس طرح غسل سے آپ رضی اللہ تعالی عنہا کا ارادہ یہ نہیں تھا کہ آپ کو غسل
میت نہ دیا جائے بلکہ ایک دوسری روایت میں حضرت اسماعیل سے مروی ہے کہ
حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا جب میں مر جاؤں تو اے اسماء! تم اور علی رضی
اللہ تعالی عنہ مجھے نہلائیں اور ان کے سوا میرے غسل میں کوئی ہاتھ نہ لگائے۔

الحاصل آپ رضی اللہ تعالی عنہا کو مرنے سے پہلے اپنی موت کا الہام ہوا جو
آپ رضی اللہ تعالی عنہا کی کرامت ہے۔

(۸۴) عن علی رضی اللہ تعالی عنه قال: سمعت رسول
اللہ ﷺ یقول: اذا کان یوم القیامة نادا منادٍ من وراء
الحجاب یا اهل الجمیع اغضوا أبصارکم عن فاطمة
رضی اللہ تعالی عنها بنت محمد ﷺ حتی تمر.
(اسد الغابۃ ص:۵۲۳ ج:۵)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک پکارنے والا پردہ کے پیچھے سے پکار کر کہے گا: اے حاضرین! اپنی آنکھیں بند کرلو۔ اس لئے کہ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ ادھر سے گزر رہی ہیں۔

اللہ اللہ! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بزرگی اور بلندئ درجات کہ قیامت کے دن بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ عزت ہوگی کہ آپ کی خاطر داری کیلئے الگ الگ احکام جاری ہوتے رہیں گے۔

(۸۵) عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن النبی ﷺ قال لفاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا: إن اللہ یغضب لغضبک ویرضی لرضاک. (اسد الغابۃ ص:۵۲۲ج:۵)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے فاطمہ! تمہاری خفگی سے اللہ تعالیٰ غضبناک ہوجاتا ہے اور تمہاری رضامندی سے اللہ تعالیٰ خوش ہوجاتا ہے۔

یعنی اگر تم کسی سے ناراض ہوجاؤ اور اس پر خفا ہو تو اللہ تعالیٰ بھی غضبناک ہو کر اس شخص پر قہر وغضب کی بجلیاں گراتا ہے کیونکہ تم کسی سے ناحق ناراض نہیں ہوتی ہو تو تمہارا غصہ اور تمہاری رضامندی سب کچھ اللہ کے واسطے ہے۔ اس لئے تم کو اللہ تعالیٰ نے اتنی عزت دی ہے اور تمہارے رتبہ کو بلند کیا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رضا اللہ پاک کی خوشنودی اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خوشنودی اور آپ کی خفگی اللہ تعالیٰ کا غضب قرار دیا گیا۔ اسلئے کہ ان کا کوئی کام اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی دوسرے کیلئے نہیں تھا۔ سب لوگ اور خصوصاً عورتیں

حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قدم بقدم چل کر اپنا رتبہ اونچا کر سکتی ہیں۔ بس عمل کی دیر ہے۔

(۸۶) عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنه فی قصة طويلة فانطلق منطلق الى فاطمة رضی اللہ تعالی عنها فاقبلت تسعى وثبت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ساجداً حتى ألقته عنه واقبلت عليهم تسبهم..... الخ. متفق عليه.

(اشعۃ اللمعات ص: ۴۸۱ ج: ۴ مصطفائی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک طویل قصہ میں بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے تو کافروں نے سجدہ کی حالت میں نجاست ڈال دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے لگے۔ میں نے ان کافروں کو سمجھایا لیکن وہ سمجھنے کے بجائے الٹا برہم ہو گئے اور فساد ہونے کو ہی تھا کہ میں نے خود کو اکیلا پا کر اس واقعہ کی اطلاع حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دے دی تا کہ ان کی صغر سنی پر ہی یہ ظالم اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اگر چہ چھوٹی عمر کی لڑکی تھیں لیکن انہوں نے میری گفتگو کو نہایت غور سے سنا اور پھر دوڑتی ہوئی جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک سجدہ کی حالت میں تھے، اس نجاست کو اٹھا کر دور پھینک دیا اور ان کافروں سے خوشامد کی کوئی بات کہے بغیر نہایت دلیری سے بات کر کے ان کو خوب خوب صلواتیں سنائیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اس حدیث کی جو شرح کی ہے اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

’’حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس عالی ہمتی اور قوتِ گفتار سے ان کی بزرگی اور کرامت ظاہر ہوتی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بچپن کے باوجود نہایت دلیری سے دشمنوں کو گالیاں (۱) دیں اور ان ظالموں کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تعرض ومقابلہ کی ہمت نہ ہوئی۔‘‘ اھ (ج:۴ ص:۲۸۸)

کوئی دشمن غصہ کی حالت میں اپنے مخالف کے بچہ کی سخت وست گفتگو اور گالیوں کو کبھی بھی یہ کہہ کر نہیں ٹالتا کہ جانے دو بچہ ہے۔ اس کی گالیاں ہی کیا بلکہ وہ اور بھی برسرِ پیکار ہو جاتا ہے اور یہ ایک نئی لڑائی کا پیش خیمہ ثابت ہو جاتی ہیں چہ جائیکہ مسلمانوں کے پکے دشمن یہ ظالم کافر جو لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کے عادی تھے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بچپن کی وجہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گالیوں سے خاموش نہ بیٹھے بلکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دلیرانہ گفتگو کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان ظالم کافروں کا منہ بند کر دیا۔

الحاصل حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا بڑی بزرگ شخصیت تھیں اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہت سی کرامتیں تھیں۔

ایک صحابی کی کرامت

(۸۷) عن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان رجل یقرأ سورة الکھف والی جانبہ حصان مربوط بشطنین فتغشتہ سحابة فجعلت تدنو وتدنو وفعل فرسہ ینفر فلما اصبح اتی النبی ﷺ فذکر ذلک لہ فقال: تلک السکینة

---

(۱) اگر شرعی مضرت کا اندیشہ نہ ہو تو کافر کو گالی دینے کی گنجائش ہے ویسے اصل حدیث میں ’’سبّ‘‘ کا لفظ ہے جس کے معنی بُرا بھلا کہنے کے آتے ہیں۔ ۱۲ محمود اشرف غفر اللہ لہٗ

نزلت بالقرآن. متفق عليه. (مشکوۃ ص:۱۸۴ ج:۱)

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی کے برابر میں مضبوط رسیوں سے ایک گھوڑا بندھا ہوا تھا اور یہ آدمی سورۂ کہف کی تلاوت کر رہا تھا کہ اتنے میں ایک ابر اٹھا اور وہ گھوڑے پر بھی چھا گیا۔ گھوڑا بدک رہا تھا اور بادل برابر بڑھتا جا رہا تھا۔ اس قصہ کا تذکرہ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ بادل نہیں تھا بلکہ تلاوتِ قرآن کی وجہ سے طمانیت اور سکون کے فرشتے نازل ہوئے تھے۔

کرامت حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۸۸) عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه أن أسيد بن حضير رضي الله تعالى عنه قال: بينما هو يقرأ من الليل سورة البقرة وفرسه مربوط عنده اذجالت الفرس فسكت فسكنت فقرأ فانصرف وكان إبنه يحيى قريباً منها فاشفق أن تصيبه ولما اخره رفع رأسه الى السماء فاذا مثل الظلة فيها أمثال المصابيح فلما اصبح حدث النبي ﷺ فقال: اقرأيا ابن حضير. قال: اشفقت يا رسول الله! أن تطأ يحيى وكان قريباً منها فانصرفت اليه ورفعت رأسي الى السماء فاذا مثل الظلة فيها امثال المصابيح فخرجت حتى لا أراها. قال: وتدرى ما ذاك؟ قال: لا. قال: تلك الملئكة دنت بصوتك ولو قرأت لأصبحت ينظر الناس إليها. لا تتوارى منهم. متفق

علیہ واللفظ للبخاری. (مشکوۃ ص:۱۸۴ ج:۱)

ترجمہ: حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ وہ ایک رات سورۂ بقرہ کی تلاوت کررہے تھے اور ان کا گھوڑا ان کے پاس بندھا ہوا تھا۔ وہ دفعۃً کودا تو یہ خاموش ہو گئے اور وہ گھوڑا بھی ٹھہر گیا اور جب وہ تلاوت کرنے لگے تو گھوڑے نے پھر جولانی دکھائی تو یہ پھر چپ ہو گئے اور گھوڑا بھی خاموش کھڑا ہو گیا۔ پھر پڑھنے لگے تو تیسری مرتبہ گھوڑے نے ٹاپیں مارنی شروع کر دیں تو یہ قرآن شریف پڑھنا چھوڑ کر اس جگہ سے اس لئے ہٹ گئے کہ گھوڑا ان کے چھوٹے لڑکے کو جوان کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا، کہیں لات نہ ماردے جس سے بچہ کو نقصان پہنچ جائے۔ انہوں نے اپنے لڑکے کو وہاں سے اٹھا کر اپنا سر جو اونچا کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ آسمان پر سائبان کی طرح ایک چیز ہے جس میں چراغ جل رہا ہے۔ صبح کو یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کو سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم پڑھتے جاتے اور برابر پڑھتے رہتے۔ انہوں نے کہا میں اس بات سے ڈر گیا کہ میرا بیٹا یحییٰ جو گھوڑے کے قریب ہی تھا کہیں اس کو کوئی نقصان نہ ہو جائے۔ اس لئے میں نے تلاوت چھوڑ کر بچے کی طرف رخ کیا اور اتفاقاً آسمان کی طرف سر اٹھانے پر اس سائبان کو دیکھا جس میں لیمپ روشن تھے۔ میں یحییٰ کو وہاں سے اٹھا کر نکلا تو میں نے وہ سائبان وغیرہ کچھ نہ دیکھا۔ اس پر سرورِ کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم جانتے ہو وہ کیا تھا؟ میں نے عرض کیا جی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز کے قریب آرہے تھے۔ اگر تم مسلسل اور برابر پڑھتے

رہتے تو صبح کو تمام لوگ ان کو دیکھتے یعنی ہر ایک کو دکھائی دیتے۔ بخاری شریف کی اس حدیث کو مسلم میں بھی درج کیا گیا ہے۔

کرامت بعض اصحاب النبی ﷺ

(۸۹) عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما قال: ضرب بعض اصحاب النبی ﷺ خباء ہ علی قبر وھو لا یحسب أنہ قبر فاذا فیہ انسان یقرأ سورۃ تبارک الذی بیدہ الملک حتی ختمہا فاتی النبی ﷺ فقال النبی ﷺ: ھی المانعۃ ھی المنجیۃ تنجیہ من عذاب اللہ. رواہ الترمذی.

(مشکوۃ ص: ۱۸۷، ۱۸۸ ج: ۱)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما بیان کرتے ہیں: بعض اصحاب رضی اللہ تعالی عنہم نے اپنا خیمہ اس جگہ لگایا جہاں ایک قبر تھی جو انہیں معلوم نہ تھی اور اس قبر کے مردے نے سورۂ تبارک الذی پڑھ کر پوری کی۔ ان اصحاب رضی اللہ تعالی عنہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا واقعہ بیان کیا چنانچہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا سورۂ تبارک الذی انسان کو برائیوں سے روکنے والی ہے۔ اس سورت نے اس قبر والے کو اللہ تعالی کے عذاب سے نجات دلائی۔ اس واقعہ کو امام ترمذی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے بھی بیان کیا ہے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ بعض اصحاب النبی ﷺ نے جیتے جاگتے اس قبر والے کی آواز سنی اور اس کی حالت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا جو خرق عادت وکرامت ہے۔

کرامت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۹۰)عن أبی هريرة رضى الله تعالى عنه فى حديث طويل فقال رسول الله ﷺ: ما فعل اسيرک؟ قلت: زعم أنه يعلمنى كلمٰت ينفعنى الله بها. قال: اما انه صدقک وهو كذوب وتعلم من تخاطب منذ ثلث ليال؟ قلت: لا. قال: ذاک الشيطان. رواه البخارى.

(مشکوۃ ص:۱۸۵ ج:۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک طویل حدیث کے ماتحت کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ کے فرمانے پر کہ تمہارے قیدی نے کیا کیا؟ میں نے عرض کیا کہ حضور اس کا ارادہ ہے کہ مجھے ایسی باتیں سکھائے گا جن سے مجھے فائدے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یاد رکھو جو کچھ اس نے کہا وہ تو ٹھیک ہے اور تم تین راتوں سے جس سے باتیں کر رہے ہو جانتے ہو وہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا: حضور میں تو پوری پوری اس کی حقیقت نہیں جانتا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ مرد شیطان ہے۔

امام بخاری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اس سالم حدیث کو مشکوۃ شریف میں بیان کیا ہے لیکن ضرورت کے مطابق اس کا تھوڑا سا وہ مضمون یہاں نقل کر دیا گیا ہے جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مردود شیطان کو گرفتار کر لینا مذکور ہے۔ شیطان کی گرفتاری یہ خرق عادت اور کرامت ہے۔

کرامت حضرت ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۹۱)عن ربعى بن خراش رضى الله تعالى عنه قال: كنا

أربعة اخوة وكان الربيع اخونا اكثرنا صلوةً واكثرنا صياماً فى الحواجر وانه توفى فيناونحن حوله وبعثنا من يبتاع له كفناًاذ كشف الثوب عن وجهه فقال: السلام عليكم فقال القوم وعليكم السلام يا أخاعبس! ابعد الموت؟قال: نعم انى لقيت عز وجل بعدكم فلقيت رباً غير غضبان فاستقبلنى بروح وريحان واستبرق. ألا وان أبا القاسم ﷺ ينتظر الصلوة علىّ فعجّلونى ولا تؤخرونى ثم كان بمنزلة حصاء فى طست فنُمى الحديث الى عائشة رضى الله تعالى عنها أما إنى سمعت رسول الله ﷺ يقول: يتكلم رجل من أمتى بعد الموت. رواه فى الحلية.

(الرحمۃ المہداۃ مطبوعہ فاروقی دہلی ص:۳۰۳)

ترجمہ: حضرت ربعی بن خراش کہتے ہیں کہ ہم چار بھائی تھے اور ہمارے بڑے بھائی حضرت ربیع رضی اللہ تعالی عنہ پکے نمازی اور بڑے روزہ دار تھے۔ سردیوں گرمیوں میں بھی وہ نفلیں پڑھتے اور روزے رکھتے۔ جب ان کا نتقال ہوا تو ہم سب ان کے آس پاس اکٹھے تھے اور ہم ان کیلئے کفن کا کپڑا لینے ایک آدمی بھیج چکے تھے کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے منہ سے کپڑا ہٹا کر کہا کہ السلام علیکم (ہم لوگ عبسی قوم کے ہیں) جواب دیا وعلیکم السلام برادران عبس۔ کیا موت کے بعد بھی تم بات چیت کرتے ہو؟ حضرت ربیع رضی اللہ تعالی عنہ نے جواب دیاہاں تم سے جدا ہو کر جب میں پروردگار عالم سے ملا تو میں نے اسے غضبناک نہیں دیکھا۔ اس نے مجھ پر رحمتوں

کے بادل برسا کر جنت کی خوشبوئیں، جنت کی روزی، جنت کے لباس اور دبیز ریشمی کپڑے مرحمت فرمائے۔ سنو! حضرت ابو القاسم رحمۃ للعالمین ﷺ میری نماز پڑھانے کیلئے منتظر ہیں۔ بس اب دیر مت لگاؤ اور جلدی کرو۔ اس کے بعد وہ اس طرح ہو گئے جیسے کسی طست میں ایک کنکری گر جائے یعنی تھوڑی دیر کیلئے ان کی زبان نے حرکت کی اور پھر وہ بالکل خاموش اور بے جان ہو گئے اور پھر ان کے کفن دفن کا انتظام کیا گیا۔ یہ قصہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سنایا گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔ ہاں مجھے یاد ہے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری امت میں ایسے آدمی ہیں جو مرنے کے بعد بھی گفتگو کرتے ہیں۔ اس واقعہ کو حلیہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

حضرت ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی فہرست میں دیکھا تو نہیں گیا مگر دوسرے قرینوں اور اس واقعہ سے بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحابی ہونا مسلم ہو جاتا ہے۔

کرامات حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۹۲، ۹۳) عن سهم بن منجانب قال: غزونا مع علاء بن الحضرمی فسرنا حتی اتینا دارین والبحر بیننا وبینهم فقال یا علیم یاحکیم یا علی یا عظیم! إنا عبیدک اللّٰهم فاجعل لنا الیهم سبیلا. فتقحم بنا البحر فخضنا ما بلغ لبؤدنا الماء فخرجنا الیهم. وفی روایة أبی هریرة رضی الله تعالی عنه فلما رأی عامل کسری فقال لا نقاتل

ھؤلاء فقعد فی سفینة ولحق بفارس. رواہ فی الحلیة.

(الرحمۃ المہداۃ ص:۳۰۳)

ترجمہ: سہم بن منجانب نے بیان فرمایا کہ ہم علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ جہاد کیلئے روانہ ہو کر جب مقامِ دارین پہنچے جو ہندوستانی مشک اور کستوری کی بحرین میں بہت بڑی منڈی ہے اور سمندر کے ساحل پر واقع ہے چنانچہ حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ تعالی عنہ نے سمندر کے کنارے پر کھڑے ہو کر کہا اے اللہ! تو جاننے والا ہے، تو قوت والا ہے، تو بہت بڑا ہے ہم تیرے معمولی بندے یہاں کھڑے ہیں اور اسلام کا دشمن سمندر کے اس سرے پر ہے۔ اللہ! ان کو شکست دینے کیلئے، ان کو راہ راست پر لانے کیلئے اور ان کو اسلام کا کلمہ پڑھانے کیلئے ہم کو ان تک پہنچا دے۔ اس دعا کے بعد انہوں نے ہم کو سمندر میں اتار دیا۔ اس سمندر کا پانی ہمارے گھوڑوں کے سینوں تک بھی نہیں پہنچا اور ہم سمندر پار ہو کر اسلام کے دشمنوں پر جا ٹوٹے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ان حالت میں بادشاہِ کسری کے عامل نے دیکھ کر اپنی فوج کے سرداروں سے کہا کہ ہم ان مجاہدوں سے ہرگز نہیں لڑ سکتے۔ ان بہادروں سے مقابلہ کی ہم میں تو ہمت ہی نہیں رہی اور بالآخر وہ کشتی میں بیٹھ کر فارس روانہ ہو گیا اور اس کی فوج بھی ایک دو تین ہو گئی۔ اس قصہ کو حلیہ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

کرامت حضرت زید بن خارجہ بن زید بن ابی زبیر انصاری خزرجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۹۴) ذکر الحافظ ابن حجر فی تهذیب التهذیب فی ترجمته وانه المتکلم بعد الموت. ابن سعد وابن أبی حاتم والترمذی ویعقوب بن سفیان والبغوی والطبری وابو نعیم وغیرهم. (ص:۴۰۹، ۴۱۰، ج:۳ مع حاشیہ)

ترجمہ: حافظ حدیث ابن حجر (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ شخصیت ہیں جنہوں نے مرنے کے بعد بھی گفتگو کی۔ اس کو ابن سعد، ابن ابی حاتم امام ترمذی یعقوب بن سفیان، بغوی، طبری اور ابونعیم وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے۔

زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافتِ سوم میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ تہذیب التہذیب کے حاشیہ پر لکھا ہوا ہے کہ اس قصہ کی سند حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرح بیان کی ہے کہ زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد ان کی نماز جنازہ پڑھانے کیلئے خلیفۂ سوم حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تشریف آوری کا انتظام تھا۔ میں نے کہا لاؤ اتنی دیر میں دو رکعت نفل پڑھ لیتا ہوں۔ ادھر میں نماز میں لگا ادھر حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے منہ سے کپڑا ہٹا کر کہا: **السلام علیکم یا اهل البیت!** سب لوگوں سے ان کی گفتگو ہو رہی تھی اور میں سجدہ میں **سبحان ربی الاعلیٰ** پڑھ رہا تھا۔ زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دوران گفتگو میں کہا۔ لوگو! بالکل خاموش ہو جاؤ سنو! رسول اللہ ﷺ نے حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ سب سے سچے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تھے جو جسمانی طور پر تو دبلے پتلے تھے مگر اللہ کے احکام کے اجراء میں بڑے طاقتور اور قوت دار تھے اور اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ سب سے زیادہ سچے تھے وہ جس طرح مضبوط بدن کے آدمی تھے اسی طرح احکامِ خدا کے اجراء میں بھی بڑے سخت اور بڑے کڑے تھے اور اب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت کے بھی دو برس گزر چکے ہیں اور چار سال باقی ہیں۔ یہ بھی سچ اور صداقت کا مجسمہ ہیں۔ ان کے دور خلافت میں تمام معاملات اور اشیائے محفوظ پر فتنوں کا دباؤ ہے اور اُریس کے کنویں کو تو تم لوگ جانتے ہی ہو جہاں رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے ہاتھ سے گر گئی تھی اور اسی دن سے فتنہ وفساد کے دروازے کھل گئے تھے اور اے عبد اللہ بن رواحہ! تم پر اللہ کی سلامتی ہو کیا تم کو خارجہ اور سعد رضی اللہ تعالی عنہما کے حالات معلوم نہیں۔ اس کے بعد وہ بالکل خاموش ہو گئے۔ میں تو نماز سے فارغ ہو کر یہ تمام باتیں سن ہی رہا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ نے تشریف لا کر نماز جنازہ پڑھا دی۔

اس واقعہ کو کئی طریقوں سے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالی عنہ اور دوسرے حضرات نے بیان کیا ہے۔ (تفصیل کیلئے دیکھو تہذیب التہذیب ج:۳ ص: ۴۱۰ تا ۴۱۲)

کرامت حضرت ابو واقد اللیثی رضی اللہ تعالی عنہ

(۹۵) ابن اسحاق اور علامہ بیہقی (رحمہما اللہ تعالیٰ) روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالی عنہ نے بیان کیا کہ وہ جنگ بدر میں ایک مشرک کے قتل کرنے کیلئے جھپٹے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ شمشیر آب دار ابھی اس تک پہنچی بھی نہیں تھی کہ اس کا سر کٹ کر نیچے گر پڑا۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے الکلام المبین ص: ۷۹)

کرامت حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ

(۹۶) حاکم، بیہقی اور ابو نعیم (رحمہم اللہ تعالیٰ) بیان کرتے ہیں کہ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ جنگِ بدر کی حالت یہ تھی کہ ہمارے کسی مشرک اور خدا کے باغی کیلئے تلوار کا اشارہ کرتے ہی ہماری تلوار اس کے سر پر پڑتی تک نہ تھی کہ اس بدبخت کی کھوپڑی کٹ کر دور جا پڑتی۔

واقعہ یہ ہے کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی امداد کیلئے آسمان سے فرشتے آتے تھے اور وہ ہر مسلمان کا اشارہ پاتے ہی اس مشرک کو قتل کر دیتے تھے۔

کرامت حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالی عنہ

(۹۷) امام بیہقی (رحمہ اللہ تعالیٰ) روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا میں نے جناب رسالت مآب کی خدمت میں مشرکوں کے تین سر لے جا کر عرض کیا یا رسول اللہ! ان میں سے دو کو تو میں نے قتل کیا ہے اور تیسرے کا واقعہ یہ ہے کہ ایک خوش رو نوجوان جو بڑا لمبا تڑنگا تھا لیکن وہ ہم مجاہدوں میں کا نہیں تھا کیونکہ سب دوستوں کو تو میں پہچانتا ہوں۔ اس شیر مرد نے اس ناپاک کو مار گرایا اور میں اس گندے سر کو یہاں لے آیا ہوں۔ اس پر سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ وہ فلاں فرشتہ تھا۔ (الکلام المبین ص: ۸۰)

کرامت حضرت سہل بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ

(۹۸) علامہ بیہقی (رحمہ اللہ تعالیٰ) بیان فرماتے ہیں کہ حضرت سہل رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ میں نے جنگ بدر میں کچھ گورے چٹے

اور سرخ وسفید لوگوں کو دیکھا جو چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے اور مشرکوں میں سے کوئی بھی ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ وہ جدھر بھی رخ کرتے صفوں کی صفیں کھیت کر دیتے۔ (الکلام المبین ص:۸۱)۔

فوج رواں کی طرح جدھر یہ پلٹ گئے
مشرک سر اپنا پھینک کر پیچھے کو ہٹ گئے

کرامت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما

(۹۹) صحیحین میں حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حضور میں جبریلؑ کو دیکھا۔
(الکلام المبین ص:۸۱)

کرامت زنِ صالحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۰۰) بیہقی اور ابن عدی (رحمہما اللہ تعالیٰ) نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک اندھی بڑھیا کے ایک نوجوان انصاری بیٹے نے وفات پائی اور بڑھیا نے اس کے منہ پر کپڑا اڑھا دیا۔ ہم اس کو صبر وتسلی دے رہے تھے بیچ میں وہ کہنے لگی اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے پیغمبر کی طرف اس امید پر ہجرت کی کہ تو تکلیفوں میں میری مدد کرے۔ آج میری مصیبت کو تو ٹال دے۔ اے اللہ! محمد رسول اللہ ﷺ کا صدقہ میری مدد کر۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ابھی وہیں بیٹھے تھے کہ اس مردے نے جو اپنے باپ کے لحاظ سے انصاری تھا، اپنے منہ سے کپڑا اٹھایا اور اپنی بڈھی مہاجر ماں سے کہا: اب تم گھبراؤ مت۔ میں اچھا ہو گیا چنانچہ ہم سب نے اس کے

ساتھ کھانا کھایا۔ (الکلام المبین ص:۱۰۴،۱۰۵)

لیکن ان صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجبوراً غلبۂ حال میں دعا کی تھی اور غلبۂ حال میں ہر شخص معذور ہوتا ہے اور ان صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نیتِ ہجرت کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت تھی تو اللہ کیلئے مگر اس کی برکت سے مقصودِ انسانی بھی پیشِ نظر تھا اور صلوۃ الحاجۃ کا بھی یہی مقصد ہوتا ہے کہ انسان کی تکلیفیں دور ہو جائیں تا کہ وہ اطمینان سے عبادت کر سکے۔

نوٹ: ہر وہ دعا جس میں مقصد کا حصول ناممکن سا ہو وہ جائز نہیں۔

کرامت حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۰۱) علامہ بیہقی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے عبداللہ بن عبید اللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس وقت جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تو ان کے دفن میں میں بھی شریک تھا۔ جب ان کو قبر میں رکھ دیا گیا تو انہوں نے کہا:

"محمد رسول الله، أبوبكر الصديق، عمر الشهيد، عثمان البر الرحيم."

اس پوری شہادت کو ہم نے سنا۔ اس کے بعد ان شہید کو ویسے ہی پایا جیسا کہ وہ باتیں کرنے سے پہلے تھے یعنی بالکل خاموش مردہ۔

(الکلام المبین ص:۱۰۵)

کرامت حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۰۴) فی روض الرياحين ومن ذلك الحديث المتفق

على صحته ايضاً في سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل رضى الله تعالى عنه الذى قال فيه التى اوعت عليه انه أخذ شيئا من أرضها فقال اللّٰهم! إن كان كاذبة فاعم بصرها واقتلها فى أرضها اذوقعت فى حضرة فماتت. أخرجاه فى صحيحين. (ص:۱۷مصری)

ترجمہ: سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں جس حدیث پر تمام علماء کا اتفاق ہے اور جس کو ''روض الریاحین'' میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ ایک مکار عورت نے حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ جھوٹا دعویٰ کیا تھا کہ انہوں نے اس سے زبردستی کچھ زمین لے لی ہے۔ اس پر حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کیلئے بددعا کی کہ اے اللہ! اگر یہ عورت جھوٹی ہے تو اس کی آنکھیں پھوڑ دے اور اس کو اس کی زمین میں ہی موت دیدے۔ بس وہ اپنی زندگی میں ہی اندھی ہو گئی اور ایک دن جبکہ وہ اپنی زمین پر چل رہی تھی ناگاہ ایک گڑھے میں گر کر مر گئی۔ اس قصہ کو صحیحین میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

کرامات حضرت سلیمان وابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہما

(۱۰۵، ۱۰۶) انه كان بين سليمان وأبى درداء رضى الله تعالى عنهما قصة فسبحت حتى سمعا التسبيح.

(روض الریاحین ص:۱۸)

ترجمہ: حضرت سلیمان وابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیٹھے ہوئے تھے اور دونوں کے بیچ میں پیالہ رکھا ہوا تھا جو سبحان اللہ پڑھ رہا تھا اور اس کی اس تسبیح کو دونوں حضرات نے سنا۔

کرامت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۰۷) فی حدیث طویل قال من کان یطعمک؟ قلت: ما کان لی من طعام الا ماء زمزم فسمنت حتی فکسرت عکن بطنی وما أجد علی کبدی سحفة جوع فقال: إنها مبارکة وإنها طعام وطعم. رواه مسلم.

(تیسیر الاصول ص:۱۵۲ ج:۲)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لمبی حدیث کے تحت بیان کیا کہ مجھ سے سرکار دوعالم ﷺ نے دریافت فرمایا: اے ابوذر! تم کو کھانا کون کھلاتا تھا؟ میں نے جواب دیا حضور مجھے کھانا تو کوئی نہیں کھلاتا تھا البتہ آبِ زمزم خوب پیا کرتا تھا جس سے میں اتنا موٹا ہو گیا کہ میرے پیٹ میں سِٹیں پڑنے لگیں اور بھوک نے میرے جگر کا فعل بھی خراب نہیں کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آب زمزم بڑی اچھی چیز ہے اور پیٹ بھرنے کیلئے عمدہ قسم کا کھانا ہے۔ اس کو مسلم میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ چاہ زمزم پر ایک ماہ تک مقیم رہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں صرف آب زمزم ہی پیتے رہے اور کوئی غذا نہیں کھائی۔ اگرچہ اس متبرک پانی کی تاثیر یہی ہے مگر ہر شخص اس کا مظہر نہیں ہو سکتا۔ جن کو اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے وہی ایسی برکتوں کے محل و مظہر ہوا کرتے ہیں۔

درنجواہی آدمیت، دررہ آں، زودزن

کرامات حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۰۸تا۱۱۰) صحیح مسلم میں حضرت عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرشتے مجھے سلام کیا کرتے تھے۔ مجھے تیس برس سے بواسیر تھی۔ اس بیماری کو دور کرنے کیلئے میں نے مسوں کو داغنا شروع کیا تو فرشتوں نے مجھے سلام کرنا چھوڑ دیا اور جب میں نے اس مکروہ چیز کو ترک کر دیا تو ملائکہ پھر مجھے سلام کرنے لگے۔ اور صحیح ترمذی میں ہے کہ عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں لوگ کسی سلام کرنے والے کو نہیں دیکھتے تھے مگر السلام علیکم یا عمران کی آواز برابر ان کو سنائی دیتی تھی۔ نسیم الریاض میں معتبر کتابوں کے حوالے سے لکھا ہوا ہے عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرشتے مصافحہ کیا کرتے تھے۔

بدن کے کسی حصہ کو داغنا، گودنا اور جلانا بہت ہی برا کام ہے لیکن حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرشتوں کو سلام، گفتگو اور مصافحہ یہ سب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامتیں ہیں۔

کرامات حضرت حارث بن کلدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۱۱، ۱۱۲) أخرج ابن سعد والحاكم بسند صحيح عن ابن شهاب (رحمه الله تعالىٰ) ان أبابكر والحارث بن كلدة رضى الله تعالى عنهما ياكلان حريرة اهديت لأبى بكر رضى الله تعالى عنه فقال الحارث لأبى بكر: ارفع يدك يا خليفة رسول الله ﷺ والله إن فيها لسمّ سنة وأنا وانت نموت فى يوم واحد فرفع يده فلم يزالا عليلين

حتی ماتا فی یوم واحد عند انقضاء السنة.

(تاریخ الخلفاء ص:۶۰)

ترجمہ: ابن سعد اور حاکم (رحمہما اللہ تعالیٰ) نے صحیح سند کے ساتھ ذریعہ ابن شہاب (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے روایت کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں بیٹھے تھے اور دلیا کھا رہے تھے جو تحفہ کے طور پر آیا تھا۔ دلیا کھاتے کھاتے ایک مرتبہ حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اے خلیفۂ رسول! ہاتھ کھینچ لیجئے۔ اللہ کی قسم اس حریرہ میں وہ زہر ہے جس سے سال بھر میں ہلاکت واقع ہوتی ہے۔ اب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور میں ایک دن میں مریں گے چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ دلیا کھانا چھوڑ دیا اور پھر وہ دونوں ایک سال تک بیمار رہ کر ایک ہی دن اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔

حضرت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ ایک تو دلیا کھاتے کھاتے بغیر کسی ظاہری سبب کے یہ معلوم کر لیا کہ اس میں وہ سلو پائزن (سست رفتار سے اثر کرنے والا زہر) ملا ہوا ہے جس کا کھانے والا ایک سال میں ہلاک ہو جاتا ہے اور دوسری کرامت یہ کہ دونوں کی وفات ایک ہی دن ہو گی اور یہ سب ایسا ہی ہوا جس کو قرینہ سے کوئی دوسرا معلوم نہیں کر سکتا اور یہ کشف آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت تھی۔

کرامت حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱۱۳) عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنهما فی قصة هلال بن امیة رضی اللہ تعالی عنه قال: والذی بعثک بالحق انی لصادق ولینزلن اللہ ما ینزئ ظهری من

الحد فنزل جبریل وفیه فقال النبی ﷺ: لولا ما مضی من کتاب الله لکان لی ولها شأن. أخرجه البخاری والترمذی وأبو داود.

(کذا فی التیسیر المطبوع فی کلکتہ ص:۸۱، تکشف ص:۲۹ ج:۵)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی پر زنا کا دعویٰ کیا جس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ہلال! تم گواہ لاؤ ورنہ اس تہمت کی وجہ سے تم پر حد قذف جاری ہوگی یعنی تم کو اسّی کوڑے مارے جائیں گے۔ اس پر حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ ﷺ کو دین حق دے کر بھیجا میں بالکل سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ عنقریب کوئی حکم بھیجے گا جو میری کمر کو حدِ قذف سے بری کردے گا۔ اتنے میں حضرت جبریلؑ آئے اور لعان کی آیت ساتھ لائے یعنی وہ حکم جو میاں بیوی کی قسموں سے سچ اور جھوٹ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر لعان کا یہ حکم اللہ تعالیٰ نازل نہ کرتا تو میرا اور اس عورت کا معاملہ بڑا ہی سخت ہو جاتا۔

یعنی اس کو وہ سزا دی جاتی جو ولدِ حرام پیدا ہونے والے لڑکے کیلئے مقرر کر دی گئی ہے۔ (۱) اس کو بخاری، ترمذی اور ابوداود نے بھی بیان کیا ہے۔

---

(۱) مطبوعہ نسخہ میں اسی طرح ہے۔ اصل مسودہ دستیاب نہ ہو سکا۔ بہ ظاہر عبارت یہ ہونی چاہئے ''اس کو وہ سزا دی جاتی جو زنا کیلئے مقرر کر دی گئی ہے۔ ۱۲ محمود اشرف غفر اللہ لہٗ

کرامت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ

بیہقی اور نسائی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر خالد رضی اللہ تعالی عنہ نے جب عمارتِ عزیٰ کو ڈھایا تو اس میں سے ایک کالی کھجنگی ننگی عورت پریشان حال اپنے سر پر ہاتھ رکھے چیختے ہوئے نکلی کہ حضرت خالد رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کے دو ٹکڑے کرڈالے اور پھر آنحضرت ﷺ کے حضور میں آکر اس قصہ کو بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عزیٰ وہی عورت تھی جس کو تم نے قتل کر دیا۔ اب کبھی اس عورت کی عبادت نہ ہوگی۔ شاباش! شاباش! عزیٰ درخت پر بنائی ہوئی ایک عمارت تھی جس کو مشرکین اس لئے پوجتے تھے کہ اس میں سے آوازیں سنائی دیتی تھیں از قبیل شیطان۔ اس عمارت میں ایک خبیث روح تھی جو بولا کرتی تھی چنانچہ وہ خبیث روح سرکار دوعالم ﷺ کے خوف سے انسانی حالت میں جب نکلی تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا اسی کا نام عزیٰ تھا۔

اس شیطانی روح کو قتل کرنا اور بت خانۂ عزیٰ کی پھر دوبارہ عبادت نہ ہونا، یہ حضرت خالد رضی اللہ تعالی عنہ کی کرامت تھی۔

کرامت حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالی عنہ

(۱۱۵) روی البخاری عن هشام بن عروة رضی الله تعالی عنه فی حدیث طویل قال: اخبرنی أبی قال: لما قتل الذین ببئر معونة واسر عمرو بن امیة الضمری رضی الله تعالی عنه قال له عامر بن الطفیل رضی الله تعالی عنه

من هذا؟ وأشار الى قتيل فقال له عمربن امية رضى الله تعالى عنه :هذا عامربن فهيره فقال: لقد رأيت بعد ما قتل رفع الى السماء حتى إنى لأنظر الى السماء بينه وبين الارض ثم وضع. (ص:۵۸۷ج:۵)

ترجمہ: امام بخاری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے ایک طویل حدیث میں روایت بیان کی ہے کہ ہشام بن عروہ رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا کہ مجھ سے میرے والد بزرگوار فرماتے تھے کہ بیر معونہ میں جس وقت صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم شہید کیے گئے اور عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالی عنہ کو قید کیا گیا تو ان سے عامر بن طفیل رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک مقتول وشہید کی طرف اشارہ کر کے پوچھا یہ کون ہے؟ جس پر اسیرِ مشرکین عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالی عنہ نے جواب دیا تم نہیں جانتے یہ تو عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالی عنہ ہیں اور عامر بن طفیل رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ میں نے اس شہید یعنی عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالی عنہ کے جنازے کو آسمان کی طرف جاتے ہوئے دیکھا اور پھر وہ جنازہ اتنا اونچا ہو گیا کہ آسمان وزمیں کے درمیان میں اس کو دیکھ نہ سکا یعنی وہ میری حدِ نگاہ سے بھی پرے ہو گیا اور پھر تھوڑی دیر بعد ان کا جنازہ زمیں پر لا کر رکھ دیا گیا۔

اللہ تعالی نے عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی بزرگی دکھانے کیلئے ان کے جنازہ کو آسمان کی طرف اٹھانا دکھایا۔ یہ بھی آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی کرامت تھی۔

کرامات ایک جن صحابی رضی اللہ تعالی عنہ کی

(۱۱۸،۱۱۶)أخرج ابن الجوزی فی کتاب صفوة

الصفوة بسنده عن سهل بن عبدا لله قال: كنت فى ناحية ديار عاد إذ رأيت مدينة من حجر منقور فى وسطها قصر من حجارة تأويه الجن فدخلت فاذا شيخ عظيم الخلق يصلى نحو الكعبة وعليه جبة صوف فيها طراوة فسلم اتعجب من عظيم خلقته كتعجبى من طراوة جبته فسلمت عليه فمر على السلام وقال يا سهل! إن الأبدان لا تخلق الثياب وانما تخلقها روائح الذنوب ومطاعم السحف وان هذه الجبة علىّ منذ سبع مائة سنة لقيت فيها عيسى ومحمداً عليهما الصلوة والتسليمات فآمنت بهما فقلت: ومن انت ؟قال: من الذى نزلت فيهم ''قد اوحى الى انه استمع نفر من الجن''

(باب النقول معرص:۱۱۷ج:۲)

ترجمہ: حافظ حدیث ابن جوزی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے کتاب صفوۃ الصفوۃ میں اپنی سند سے امام الاولیاء حضرت سہل بن عبداللہ سے روایت بیان کی ہے۔ وہ کہتے تھے کہ میں قوم عاد کے شہروں میں شہر عاد کی ایک سرحد پر تھا جہاں میں نے تراشیدہ پتھروں کا ایک شہر دیکھا یعنی اس شہر کی سب عمارتیں پتھروں کو اندر سے کھود کر بنائی گئی تھیں اور اس شہر کے بیچوں بیچ ایک سنگین محل تھا جس میں جنات رہا کرتے تھے۔ ایک دن میں اس محل میں گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک موٹا تازہ اور لحیم، شحیم پرانا بڈھا جن کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہے اور پررونق جبہ پہنے ہوئے ہے۔ میں اس کے بے انتہا موٹاپے اور اس بھڑک دار عبا پر تعجب ہی کر رہا تھا کہ اس نے نماز سے فراغت کیلئے

سلام پھیرا۔ میں نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے مجھے سلام کا جواب دیا اور کہا: اے سہل بن عبداللہ! بدن سے کپڑے پرانے اور بوسیدہ نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ بدن میں کوئی ایسی خاصیت نہیں کہ اس سے کپڑے پھٹ جائیں بلکہ کپڑے تو صرف گناہوں کی بدبو اور حرام غذاء کے کھانے سے بوسیدہ ہو کر پھٹ جاتے ہیں۔ اس اونی جبہ کو تقریباً سات سو سال سے پہنے ہوئے ہوں اور میں نے اسی لباس میں حضرت عیسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام اور سرور عالم ﷺ سے ملاقات کی ہے اور دونوں پر ایمان بھی لا چکا ہوں۔ میں نے ان کو پوچھا آپ ہیں کون؟ تو انہوں نے جواب دیا میں ان میں سے ہوں جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے "قد اوحی الی انه استمع نفر من الجن."

دیکھا آپ نے ان جن صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تین کرامتوں کو ظاہر کیا۔

اول:۔ یہ کہ انہوں نے بلا میل جول نام معلوم کر لیا۔

دوسرے:۔ یہ بتایا کہ گناہوں کی نحوست بُری چیز ہے۔

اور تیسری کرامت:۔ یہ بتائی کہ تعجب کی کوئی بات نہیں یہ تو سات سو سال سے بھی پرانا جبہ ہے مگر برائیوں سے دور رہنے کی وجہ سے بالکل نیا معلوم ہو رہا ہے۔

تمام شد

کتاب کے خاتمہ پر مولوی سید احمد سنبھلی نے تحریر فرمایا ہے کہ سرسری تلاش اور عدیم الفرصتی میں یہ رسالہ جس میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی کرامتیں ہیں خدا کا شکر ہے مکمل ہو گیا ورنہ ممکن تھا کہ بہت بڑا ذخیرہ کرامات کا جمع ہو جاتا لیکن اب بھی بقدر ضرورت یہ بہت کافی ہے۔ جس دن حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامتیں لکھنا شروع کی تھیں، اسی شب میں سیدتنا فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ

عنہا اور رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا اور دونوں کو ایک ہی مبارک مکان میں تشریف فرما دیکھا اور جس طرح احادیث میں ہے ان شاء اللہ جنت میں بھی ایسا ہی ہوگا کہ جناب سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی دولت کدہ میں تشریف فرما ہوں گے۔ فقط۔

اسی طرح اے پروردگار! تو مجھ کو اور ان حضرات کو جو اسکو پڑھیں اور اس کے ناشر و ساعی کو اپنی رحمتوں سے مالا مال اور سرفراز کر دے۔ امین۔ یا رب العالمین الاحد الصمد۔ فقط۔

حصۂ سوم

مخالفینِ صحابہؓ

تحریف قرآن کا عقیدہ صریح کفر ہے

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جو غالی شیعہ ہیں اور صحابہؓ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) پر تبرا کرتے ہیں کیا یہ کافر ہیں؟

فرمایا کہ محض تبرا پر تو کفر کا فیصلہ مختلف فیہ ہے البتہ تحریف قرآن کا اعتقاد صریح کفر ہے۔ (الافاضات الیومیہ ج:۷ص:۲۶۵)

خارجی اور رافضی کے پیچھے نماز سخت مکروہ ہے

ایک صاحب کے جواب میں فرمایا کہ خارجی کے پیچھے نماز سخت مکروہ ہے جیسے رافضی کے پیچھے۔ امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے نزدیک گو رافضی مسلمان ہیں مگر سخت بدعتی، سخت فاسق ہیں البتہ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جن کے عقائد کفر تک پہنچے ہوئے ہیں وہ بے شک کافر ہیں۔ جو محض تبرائی ہیں ان میں اختلاف ہے۔ اصل مذہب امام صاحب کا یہی ہے کہ کافر نہیں ہیں۔ ان سے پرہیز کرنا اچھا ہے۔ عوام کو بچانا ہی چاہئے۔ (حسن العزیز ج:۳ص:۶۱۴)

علی مشکل کشا کہنے کا حکم

کسی صاحب نے پوچھا علی مشکل کشا کہنا کیسا ہے؟ فرمایا تاً ویلاً جائز ہے یعنی مشکلات علمیہ کے حل کرنے والے مگر عوم کیلئے موہوم ضرور ہے اس واسطے خلاف ہے۔

پوچھا گیا ہمارے شجرہ (۱) میں لفظ مشکل کشا موجود ہے؟ فرمایا ہاں اور وہ شجرہ حضرت حاجی صاحب کا ہے۔ بزرگوں کی نظر بہت عالی ہوتی ہے ذرا ذرا سی بات کی طرف نہیں جاتی۔ حضرت کی اس طرف نظر نہیں گئی۔ بنا بر شہرت لکھ دیا۔ شیخ سعدی (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے کلام میں بھی یہ معنی موجود ہیں۔

کسے مشکلے بردپیش علیؓ مگر مشکلش را کند منجلی

یہ بھی فرمایا کہ اگر مشکلاتِ کونیہ مراد ہیں تب تو جائز نہیں اور اگر مشکلات علمیہ مراد ہیں تو جائز ہے۔(۲)

اور ان حضرات کو جو شیعی امام کہتے ہیں تو اس معنی کر نہیں کہتے جیسے امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) یعنی امام دین۔ اس سے تو ہم کو بھی انکار نہیں بلکہ امام بمعنی خلافت اور وہ بھی اس معنی کر جسکی حضرات خلفاء سے نفی کرتے ہیں، ہم کو اس سے انکار ہے۔ (الافاضات الیومیہ ج:۵ ص:۱۵۶)

---

(۱) سیدی حکیم الامت مولانا تھانوی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اپنے شجرہ عالیہ امدادیہ اشرفیہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشکل کشا کے بجائے شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تبدیل فرمادیا ہے۔ احقر قریشی۔ (۲) یہ بھی ایک بار فرمایا ''لیکن پھر بھی چونکہ لفظ مبہم ہے اس لئے اس سے بچنا چاہئے۔'' (الکلام الحسن ج:۱ ص:۱۷)

حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ کرم اللہ وجہہ لکھنے کا سبب

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ(۱) کے نام کے ساتھ کرم اللہ وجہہ (۲) کیوں مخصوص ہے؟

فرمایا کہ عمر بن عبد العزیز (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے جو عمر ثانی سے ملقب ہیں یہ صیغہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے ساتھ شائع کرایا تھا اسلئے کہ خوارج آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے ساتھ سوّد اللہ وجہہٗ (۳) کہا کرتے تھے (نعوذ باللہ) یہ میں نے بعض اہل علم سے سنا ہے۔ (الافاضات الیومیہ ج:۱ ص:۲۵۰)

برصغیر پاک و ہند پر شیعوں کا اثر

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر ہندوستان میں بہت سے نام رکھے جاتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

فرمایا کہ میرے ایک دوست مولوی صاحب اس کی وجہ یہ فرماتے تھے کہ ہندوستان پر شیعوں کا اثر زیادہ ہے اس وجہ سے علی زیادہ نام رکھے جاتے ہیں۔

فرمایا کہ ایک اور بات بھی ایسی ہی ہے مثلاً امام حسین علیہ السلام، امام حسن علیہ السلام امام جعفر صادق علیہ السلام (۴) کہتے ہیں مگر کوئی یہ نہیں کہتا امام ابوبکر صدیق علیہ السلام و امام فاروق علیہ السلام حتی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے ساتھ بھی امام کا لقب استعمال نہیں کرتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرات اہل بیت (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کے ساتھ اس کو مخصوص سمجھتے ہیں اور حضرت علی اس

---

(۱) اللہ تعالی ان سے راضی ہو۔ (۲) اللہ تعالی ان کے چہرے پر کرم فرمائے۔ (۳) اللہ تعالی ان کا چہرہ کالا کرے (نعوذ باللہ) (۴) ان پر سلامتی ہو۔

میں (دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کے ساتھ شریک رہے۔اس شرکت پر ایک قصہ یاد آیا کہ ایک جاہل شخص نے مسجد کے محراب پر لکھا دیکھا۔

چراغ و مسجد و محراب و منبر   ابو بکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ حیدرؓ

اس نے غصہ میں آکر کہا کہ ہم تو تمہاری وجہ سے لڑتے پھرتے ہیں اور تم کو جب دیکھتے ہیں ان ہی کے ساتھ بیٹھا دیکھتے ہیں۔ یہ کہہ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کو چھری سے چھیل ڈالا۔ (الافاضات الیومیہ ج:۱ ص:۲۵۰)

شیعوں کے ایک مسئلہ پر حضرت نانوتوی (رحمہ اللہ تعالیٰ) کی ظرافت

فرمایا کہ حضرت مولانا قاسم صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے شیعہ کے اثبات نسب بلواطت پر ظرافۃً لکھا ہے کہ ان صاحبوں کے پاس کوئی منتر ہوگا کہ نطفہ پیچھے سے آگے چلا جاتا ہے اور یہ شعر لکھا۔

جو تھے مژگان پرخوں سب وہ خار دلنشیں نکلے

جنوں پے کیسے یہ تیر نشتر، کہیں ڈوبے کہیں نکلے

(الافاضات الیومیہ ج:۱ ص:۲۱۶)

سنیوں اور شیعوں میں ایک بڑے اختلافی مسئلہ کا حل

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ سنیوں اور شیعوں میں بڑا مسئلہ یہی زیر بحث ہے کہ صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے ہیں یا شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما (۱)۔اس کا بہت سہل ایک فیصلہ ہے کہ اُس وقت کے لوگ جس کو بڑا سمجھتے تھے وہی بڑا ہے۔جو بڑا ہوگا بالاضطرار اس کے ساتھ بڑوں کا سا برتاؤ ہوگا۔صاف بات ہے خواہ مخواہ لوگ زوائد میں پڑ کر وقت ضائع کرتے ہیں۔

---

(۱) حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما

اصل چیز یہ ہے اس کو دیکھو۔ روایاتِ فضیلت کو دیکھنے کی ضرورت نہیں۔

(الافاضات الیومیہ ج:۲ ص:۱۰۵)

تبرائی مذہب

فرمایا یہ بھی (یعنی غیر مقلدین) عجیب فرقہ ہے۔ ان میں اکثر گستاخ، بے باک دلیر ہوتے ہیں۔ ذرا خوفِ آخرت نہیں ہوتا جو جی میں آتا ہے جس کو چاہتے ہیں، کہہ دیتے ہیں۔ شیعوں کی طرح ایسوں کا بھی تبرائی مذہب ہے۔

(الافاضات الیومیہ ج:۶ ص:۳۰۷)

رافضیہ کا حکم مرتدہ کا سا ہے

ایک شخص نے دریافت کیا کہ علماء نصرانیہ سے نکاح کرنے کو جائز کہتے ہیں اور رافضیہ سے نکاح کرنے کو بعضے حرام فرماتے ہیں؟

فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ نصرانیہ اگرچہ مسلمان نہیں لیکن وہ کسی نبی کی متبع اور اہل کتاب تو ہے برخلاف رافضیہ کے۔ یہ اسلام کی حقانیت کا التزام کر کے بعض ضروریاتِ دین کے انکار سے مرتد ہوئی ہے۔ اس لئے اس کا حکم مرتدہ کا سا ہے۔

(مقالات حکمت ج:۱ ص:۱۳۹)

کیا تعزیہ توڑنا جائز ہے؟

فرمایا: کسی نے کہا کہ تعزیہ توڑنا جائز نہیں کیونکہ اس میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام لکھا ہے۔ ایک صاحب نے خوب جواب دیا کہ گوسالہ سامری میں اللہ میاں کا نام لکھا تھا چنانچہ ارشاد ہے ’’فقالوا هذا الهكم واله موسى‘‘ (۱) تو

---

(۱) پس انہوں نے کہا تھا کہ یہ تمہارا معبود اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا معبود ہے۔

موسیٰ (علیہ السلام) نے اس کو کیوں توڑا؟

(کلمۃ الحق ملحقہ ملفوظات حکیم الامت ج ۱۴ ص:۲۰۴)

رافضیوں کی ایک ناپاک حرکت

فرمایا کہ بعض رافضیوں نے علماء اہل سنت کے نام اسماء الرجال میں ٹھونس دیئے ہیں تا کہ لوگوں کو ان کے بھی رافضی ہونے کا شبہ ہو جائے۔

(حسن العزیز ج:۲ص:۲۱۱)

یہود و نصاریٰ سے خیر الامّت اور شیعوں سے شرّ الامّت کے سوال کا جواب

فرمایا کہ یہود و نصاریٰ سے اگر پوچھو کہ خیر الامۃ کون لوگ ہیں؟ وہ کہیں گے ہمارے پیغمبر (علیہ السلام) کے اصحاب۔

اور تبرائی شیعوں سے پوچھو کہ شر الامۃ کون ہیں؟ وہ کہیں گے ہمارے پیغمبر ﷺ کے اصحاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)۔ نعوذ باللہ۔

(حسن العزیز ج:۲ ص:۲۸۹)

گریہ وزاری کا ساز و سامان

گریہ کے مضامین پر ایک صاحب نے شیعوں کی مجالس کا ذکر کیا کہ وہ رونے ہی کو ذریعۂ نجات سمجھتے ہیں اور اس کیلئے سامان مہیا کرتے ہیں۔ اس پر فرمایا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرمایا کرتے تھے کہ وہ رنج ہی کیا ہوا جو اتنے سامان کے بعد رونا آئے۔

(الافاضات الیومیہ ج:۲ ص:۲۷۶، معارف الاکابر ص:۳۴۵)

شیعوں کے سوالات کی واپسی

بعض شیعوں نے کچھ سوالات لکھ کر حضرت والا کی خدمت میں بھیجے۔ اول تو ان پر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری (رحمہ اللہ تعالیٰ) کا نام تحریر تھا۔ پھر مولانا موصوف کا نام کاٹ کر حضرت والا کا نام لکھا تھا اور یہ بھی لکھا تھا کہ ترجیحاً آپ کے پاس بھیجے جاتے ہیں۔ حضرت والا نے پھر حضرت مولانا سہارنپوری (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے حوالہ کیا اور یہ تحریر فرمایا کہ مولانا سہارنپوری کو ہی اس میں مہارت ہے۔ وہیں سے پوچھئے وہیں سے جواب ملے گا۔ (حسن العزیز ج:۲ ص:۱۰۵ مطبوعہ ملتان)

لِیْ خَمْسَةٌ کے تعویز کا مضمون شرک ہے

ایک تعویذ طاعون کا یہ مشہور ہے۔

لِیْ خَمْسَةٌ اُطْفِیْ بِهَا حَرَّ الْوَبَاءِ الْحَاطِمَة
اَلْمُصْطَفٰیؐ وَالْمُرْتَضٰیؓ وَابْنَاهُمَاؓ وَالْفَاطِمَة (۱)

یہ حضرات پنجتن پاک کے نام مبارک ہیں۔ اگر تاویل نہ کی جائے تو اس کا مضمون شرک ہے اور اگر تاویل کی جائے تو ان کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے سوال اور دعا ہے۔ تو دعا کا ادب یہ ہے کہ نثر میں ہو۔ نظم میں کیسی دعا؟ اور پھر یہ توسل ہی ہے تو صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) اور بھی ہیں ان کا نام کیوں نہیں آیا؟ یہ کسی شیعی کی تصنیف ہے۔ ان کو اور حضرات سے بغض ہے اس لئے ان کو چھوڑ دیا۔

(وعظ الصبر بحوالہ جواہر اشرفیہ ص:۸۴)

ف: حضرت شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صاحب صفدر مدظلہ نے اس شعر کی خوب تصحیح فرمادی ہے۔

---

(۱) میرے لئے پانچ شخصیات ایسی ہیں کہ ان سے میں مہلک وباؤں کو دور کرتا ہوں، محمد مصطفیٰ ﷺ، علی المرتضیٰ، ان کے بیٹے (حسن وحسین) اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

لی واحد اطفی بہا حر الوباء الحاطمة
اللّٰہ رب المصطفیٰؐ واصحابہؓ والفاطمة (۱)

نادِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مضمون شرک ہے

فرمایا شیعہ تو عموماً اور سنی بھی بہت سے نادِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مضمون چاندی کے تعویذ پر نقش کرا کر بچوں کے گلے میں ڈالتے ہیں تو یاد رکھو نادِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مضمون شرک ہے۔ (الصبر ملحقہ جواہر اشرفیہ ص:۸۵)

دو نوابوں کا شیعیت سے تائب ہونا

ارشاد فرمایا کہ لکھنو میں ایک مرتبہ مولانا اسماعیل شہید (رحمہ اللہ تعالیٰ) بیان فرما رہے تھے اور اہل تشیع کا بہت مجمع تھا اور مولانا ان کے مذہب کی تردید کر رہے تھے۔ اس مجمع میں دو بھائی تھے۔ ایک بھائی نے دوسرے سے کہا کہ مجھے تو اپنے مذہب میں شبہ ہو گیا ہے اور وہ اس لئے کہ یہ تنہا شخص باہر کا رہنے والا ہمارے مجمع میں ہمارے شہر میں ہماری حکومت میں ہماری تردید کر رہا ہے اور ذرا بھی متاثر نہیں ہوتا۔

(اور ہمارے مذہب کے مطابق) سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود شیر خدا ہونے کے پھر تقیہ کرتے تھے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا تو اس کا جواب دو نہیں تو میں سنی ہوتا ہوں۔ اس کے دوسرے بھائی نے کہا مجھے بھی یہی شبہ ہو رہا ہے۔ غرض دونوں بھائیوں نے کھڑے ہو کر مولانا سے کہا کہ ہم سنی ہوتے ہیں۔ پھر تو کثرت سے لوگوں نے توبہ کی۔ (مزید المجید ملحقہ ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ ج:۱۵ ص:۱۵۲)

حضرت امیر شاہ خان صاحب نے ارواح ثلاثہ میں اس واقعہ کو بڑی تفصیل

---

(۱) میرے لئے ایک ہی نام ایسا ہے کہ اس سے میں مہلک وباؤں کو دور کرتا ہوں، اللہ جو مصطفیٰ ﷺ، اس کے صحابہؓ اور فاطمہؓ کا رب ہے۔

سے لکھوایا ہے جن کو بقول حضرت حکیم الامت (رحمہ اللہ تعالیٰ) متعدد اکابر کی خدمت وصحبت، ان کے یہاں مقبولیت ومحبوبیت، ان کے اقوال وافعال سے استفادہ کا اہتمام، ان کے فوائد کی تبلیغ کا شوق، قوتِ حافظہ اور احتیاطِ روایات والتزامِ سند جیسی نعمتیں حاصل تھیں۔ (تمہید شریف الدرایات)

تفصیلی واقعہ

خان صاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ (۱) جو میں لکھوانا چاہتا ہوں اپنے استاذ میاں جی محمدی صاحب، حکیم خادم علی صاحب، حکیم عبدالسلام صاحب ملیح آبادی، قاضی عبدالرزاق جیوری اور مولوی عبدالقیوم سے سنا ہے۔ قصہ یہ ہے کہ مولانا اسمٰعیل صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے لکھنو میں اعلان فرمایا کہ کل ہم شیعوں کی عیدگاہ میں وعظ کہیں گے۔ چنانچہ آپ (رحمہ اللہ تعالیٰ) حسبِ اعلان وعظ کہنے کیلئے عیدگاہ تشریف لے گئے۔ اس اعلان کی اطلاع عام طور پر ہو چکی تھی اس لئے دونوں فریق کے لوگ جمع ہو گئے اور بہت بڑا مجمع ہو گیا۔ مولانا منبر پر تشریف لائے اور وعظ شروع فرمایا۔ مولوی عبدالقیوم صاحب، مولوی عبدالحی صاحب کے صاحبزادے کے پاؤں کے پاس بیٹھے تھے۔ وعظ میں آپ (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے مذہب تشیّع کی دھجیاں اڑائیں۔ اس وعظ میں دو نوعمر اور نوجوان لڑکے جو آپس میں بھائی بھائی تھے، جن میں سے ایک کا نام محمد ارتضا اور دوسرے کا نام محمد مرتضیٰ مولانا کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان پر مولانا کے اس وعظ کا اثر ہوا اور ان میں سے چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے کہا کہ مولانا کی تقریر کو سن کر میرے دل میں یہ بات آئی ہے کہ اس شہر میں ہماری حکومت ہے اور یہ

---

(۱) یہ واقعہ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی نے "دو نواب شیعوں کا اعلانِ حق" کے عنوان سے شائع کرایا تھا۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ماہنامہ الحسن لاہور فروری ۱۹۸۷ء

شخص جو مذہب تشیع کی اتنی بے باکی سے تردید کر رہا ہے محض ایک معمولی اور دبلا پتلا آدمی ہے۔ نہ کہیں کا بادشاہ ہے نہ کہیں کا نواب، نہ اس کے پاس فوج ہے نہ ہتھیار پھر باوجود اس بے کسی و بے بسی کے جو اس قدر جرأت دکھلا رہا ہے تو وہ کون سی بات ہے جو اس کو اس بے باکی اور سرفروشی پر آمادہ کر رہی ہے؟ وہ صرف اس کا ایمان ہے۔ اب ہم اپنے ائمہ پر نظر کرتے ہیں۔ ہمارے ائمہ ہمارے مذہب کی روایات کے مطابق اس قدر قوی اور شجاع تھے کہ انکی قوت کو نہ کسی فرشتے کی قوت پہنچتی تھی اور نہ جن کی اور اس کے ساتھ ہی وہ تقیہ بھی اس قدر کرتے تھے کہ مخالف تو درکنار خود اپنے شیعوں سے بھی صاف بات نہ کہتے تھے۔ اس سے میں سمجھتا ہوں کہ مذہب تشیع تو کسی طرح حق نہیں ہوسکتا کیونکہ یا تو ان کی بہادری کے افسانے جھوٹے ہیں یا ان کے تقیہ کی کہانی غلط ہے۔ اب صرف دو مذہب سچے ہو سکتے ہیں یا مذہب خوارج جو ان کو کافر سمجھتے تھے یا مذہب اہل سنت و جماعت جو کہتے ہیں کہ ائمہ نہایت راست گو اور نہایت با ایمان تھے اور ان کی شان ''لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم'' تھی اور ان کا مذہب وہی تھا جو اہل سنت کا مذہب ہے اور جو باتیں شیعہ ان کی طرف نسبت کرتے ہیں، وہ ان کا افتراء ہے اور جب مذہب تشیع بالکل افسانہ ثابت ہوا اور حق دائر ہو گیا خوارج اور اہل سنت کے مذہب کے درمیان تو پھر میں ان دونوں مذہبوں کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں تو مجھے اہلِ سنت کا مذہب اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے۔ اس کو سن کر بڑے بھائی نے کہا کہ مجھے بھی یہی خیال ہوتا ہے۔ جب وہ دونوں متفق ہو گئے تو چھوٹا بھائی اٹھا اور کہا کہ مولانا ذرا منبر سے اتر جائیے مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ مولانا نے سمجھا کہ شاید میری تردید کرے گا اور یہ خیال کر کے آپ (رحمہ اللہ تعالیٰ) نیچے تشریف لے آئے۔ اس لڑکے نے منبر پر جا کر تمام شیعوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ صاحبو! آپ کو معلوم ہے کہ اس مقام پر شیعوں کی حکومت ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ یہ مولانا جو اس جرأت سے مذہب تشیع کی تردید فرما رہے ہیں اور نہ ان کو بادشاہ کا خوف ہے، نہ ارکان دولت کا اور نہ عام رعایا کا محض ایک معمولی شخص ہیں کہ ان کی نہ کوئی جسمانی

قوت ہم سے ممتاز ہے اور نہ ان کے پاس کوئی فوجی قوت ہے۔ پھر باوجود اس بے بسی اور بے کسی اور کمزوری کے جو وہ اس قدر جرأت دکھلا رہے ہیں اس کا سبب کیا ہے اور وہ کون سی قوت ہے جس نے ان کو اس قدر جانباز اور جری بنا دیا؟ میرے نزدیک وہ قوت صرف قوت ایمانی ہے۔ اب میں دریافت کرتا ہوں کہ ہمارے ائمہ جو عمر بھر تقیہ کرتے رہے حتی کہ خود اپنے شیعوں سے بھی ڈرتے رہے تو اس کمزوری کا کیا سبب ہے؟ اگر اس کا سبب یہ ہے کہ ان میں قوت نہ تھی، اول تو مذہب تشیع اس کا انکار کرتا ہے اور ان کے اندر انسانی طاقت سے زیادہ طاقت بتلاتا ہے۔ پھر اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو وہ قوت میں مولوی اسمٰعیل صاحب سے کسی صورت سے کم نہ ہوں گے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان میں مولوی اسمٰعیل سی جرأت نہ تھی اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایمان میں مولوی اسمٰعیل سے بھی کمزور تھے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذہب تشیع تو کسی طرح بھی حق نہیں ہو سکتا۔ اگر حق ہو سکتا ہے تو مذہب خوارج یا مذہب اہلِ سنت اور یا تو ائمہ (نعوذ باللہ) سراسر بے ایمان تھے جیسے خوارج کہتے ہیں اور یا وہ پکے سنی تھے جیسے اہل سنت کہتے ہیں۔ یہ میرا شبہ ہے اگر کسی شیعی کے پاس اس کا جواب ہو تو اس کا جواب دے ورنہ میں مذہب تشیع سے تائب ہوتا ہوں اور میرے ساتھ میرا بڑا بھائی بھی تائب ہوگا۔ اس مجمع میں مجتہدین بھی تھے مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ اس نے پھر کہا کہ یا تو کوئی صاحب جواب دیں ورنہ میں سنی ہوتا ہوں۔ اس کا بھی کچھ جواب نہ ملا۔ آخر وہ منبر سے اترا اور مولانا سے عرض کیا کہ میں اپنا کام کر چکا، اب آپ وعظ فرمائیں۔ مولانا نے فرمایا وعظ سے میرا جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا اور جو تقریر تم نے کی میں ایسی نہ کرتا۔ اس لئے اب مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں رہی۔ (۱) یہ دونوں لڑکے کسی بڑے وثیقہ دار کے لڑکے تھے۔ جب یہ سنی ہو گئے تو انہوں نے اپنا سب گھر بار چھوڑ

---

(۱) حاشیہ حکایت: قوله فی آخر القصة: اب مجھے کچھ کہنے اس ضرورت نہیں رہی۔ اقول: یہ ہے اخلاص فی النیۃ والعمل کہ وعظ سے جو مقصود تھا، جب دوسرے شخص کے واسطے حاصل ہو گیا گو=

دیا اور چھوڑ کر مولانا کے ساتھ ہو گئے اور انہی کے ساتھ رہے یہاں تک کہ جہاد میں مولانا کے ساتھ شہید ہو گئے۔ (ارواحِ ثلاثہ ص:۶۷ تا ص:۷۰)

دینِ حق مذہب اہلِ سنت والجماعت ہے

حکایت: خان صاحب نے فرمایا کہ سید صاحب کا قافلہ حج سے واپس آ رہا تھا تو واپسی میں لکھنو میں ٹھہرا۔ علی نقی خان اس زمانہ میں وزیر تھا اور سبحان علی خان اس کا میر منشی تھا۔ علی نقی خان نے پورے قافلہ کی دعوت کی اور کھانے کیلئے سب کو ایک بڑے مکان میں مدعو کیا۔ اس جلسہ میں علماء فرنگی محل بھی موجود تھے۔ جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے، علی نقی خان نے سید صاحب سے عرض کیا کہ حضور کھانے میں ابھی ذرا دیر ہے بہتر ہو کہ جناب مولوی اسمٰعیل کچھ بیان فرمائیں۔ مولانا اسمٰعیل صاحب کا قاعدہ تھا کہ جس جلسہ میں سید صاحب ہوتے تھے، تقریر نہ کرتے تھے۔ اس لئے سید صاحب نے مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ مولانا آپ کچھ بیان فرما دیجئے۔ مولانا عبدالحی صاحب نہایت ہی کم گو تھے اور جب تک کوئی سوال کئی مرتبہ نہ کیا جائے اس وقت تک جواب ہی نہ دیتے تھے۔ اس لئے وہ خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر میں علی نقی خان نے پھر عرض کیا۔ اس پر سید صاحب نے پھر عبدالحی صاحب سے فرمایا۔ اس مرتبہ بھی انہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ تھوڑی سی دیر میں علی نقی خان نے پھر عرض کیا اور سید صاحب نے مولانا عبدالحی صاحب سے پھر فرمایا۔ مولانا پھر بھی خاموش رہے۔

= وہ عامی ہی تھا تو وعظ کے منقطع فرما دینے میں کوئی تردد نہ ہوا، ورنہ طالبانِ جاہ اس سبکی کو کب گوارہ کر سکتے ہیں۔ یہی حقیقت ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد کی کہ علامت اخلاص کی یہ ہے کہ جو شخص کوئی دینی خدمت مثل وعظ یا بیعتِ تلقین کرتا ہو اگر دوسرا کوئی اچھا کام کرنے والا آجائے تو یہ طالبعلموں کو اس کی طرف توجہ کر دے۔ اھ۔ یہ وہی کر سکتا ہے جسے تصدر و تقدم و ترفع مقصود نہ ہو۔ (اشرف علی)

اس پر سبحان علی خان بولا کہ جناب اس مجمع میں علمائے فریقین موجود ہیں ایسے مجمع میں تقریر فرماتے ہوئے مولانا کو شرم آتی ہے۔اس لئے یا جناب خود کچھ فرمائیں یا مولوی اسماعیل صاحب کو حکم فرمائیں۔ یہ سن کر مولانا عبدالحی صاحب نے زور سے ہوں کر کے (کیونکہ ان کی عادت تھی کہ جب وعظ فرمانے لگتے اول ہوں کرتے) فرمایا" الحیاء شعبة من الایمان " اور یہ فرما کر سلسلۂ تقریر شروع فرمایا اور اول یہ ثابت کیا کہ حضرت آدم (علیہ السلام) با حیا تھے اور ابلیس بے حیا۔اس کے بعد حضرت نوح (علیہ السلام) کا با حیا ہونا اور ان کے مخالفین کا بے حیا ہونا ثابت کیا۔پھر دوسرے انبیاء کا با حیا ہونا اور ان کے مخالفین کا بے حیا ہونا ثابت فرمایا اور اخیر میں جناب رسول اللہ ﷺ کا با حیا ہونا اور ان کے مخالفین کا بے حیا ہونا ثابت فرمایا۔اس کے بعد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کا با حیا ہونا اور ان کے مخالفین کا بے حیا ہونا ثابت کیا۔اس کے بعد فرق اسلامیہ میں اہلِ سنت کا با حیا ہونا اور ان کے مخالفین کا بے حیا ہونا ثابت فرمایا اور خاتمۂ تقریر پر ریش مبارک پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ الحمد للہ سنت انبیاء (علیہم السلام) اور ان کے متبعین کے مطابق عبدالحی با حیا ہے اور روافض بالخصوص روافض اودھ اپنے اسلاف کی سنت کے مطابق بے حیا۔اور اس پر تقریر کو ختم فرمایا۔ یہ مضمون تو ختم ہوا۔

اثنائے تقریر میں سبحان علی خان مولوی عبدالحی صاحب سے جگہ جگہ سوال کرتا رہا اور مولانا اسمعیل صاحب اس کا جواب دیتے رہے۔وہ سوالات و جوابات سب تو مجھے محفوظ نہیں رہے جس قدر مجھے یاد ہیں وہ لکھواتا ہوں۔مولانا عبدالحی صاحب کی تقریر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فتوحات کا اور ان منافع کا بھی ذکر آ گیا جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات سے اسلام کو پہنچے۔اس پر سبحان علی خان نے بلند آواز سے حدیث پڑھی " ان اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر " اس پر مولانا اسمعیل صاحب اٹھے اور مولوی عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ ذرا تقریر کو روک

دیجئے۔اس کا جواب میرے ذمے ہے۔اور سبحان علی خان کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ سبحان علی خان! تم اس کو تسلیم کرتے ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات سے دین کو مدد پہنچی۔اس نے اقرار کیا کہ ہاں۔آپ نے پھر وہی سوال کیا اس نے پھر وہی جواب دیا۔جب سب کے سامنے کئی بار اس سے اقرار کرالیا تب فرمایا کہ یہ بحث تو پھر ہوگی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاجر تھے یا نہیں لیکن اس وقت آپ نے اتنا تسلیم کر لیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات سے دین کو مدد پہنچی۔اب اتنا ذرا اور بتا دیجئے کہ اصول تشیع کے مطابق دین کو نفع پہنچایا یا اصول سنت کے مطابق؟ اس کے جواب میں سبحان علی خان بالکل خاموش ہوگیا۔جب وہ جواب نہ دے سکا تو خود مولانا نے فرمایا کہ یہ تو آپ کہہ نہیں سکتے کہ اصول تشیع کے مطابق دین کو نفع پہنچایا اس لئے ضرور یہی کہا جائے گا کہ اصول اہل سنت کے مطابق نفع پہنچایا۔پس ثابت ہوا کہ دین حق مذہب اہلِ سنت ہے۔ایک موقع پر مولانا عبدالحی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کچھ ارشاد فرمایا۔اسی موقع پر سبحان علی خان نے حدیث ”لحمک لحمی ودمک دمی“(۱) پڑھی۔

اس پر بھی مولانا اسمٰعیل صاحب کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ مولانا ذرا تقریر کو روک دیجئے۔اس کا بھی میں جواب دوں گا۔اور اس کے بعد سبحان علی خان سے فرمایا کہ سبحان علی خان سنو! اول تو یہ حدیث ثابت نہیں اور بر تقدیر ثبوت میں دریافت کرتا ہوں کہ یہ حدیث اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے یا مجازی معنی پر؟ اس کے جواب میں سبحان علی خان نے کہا کہ حقیقی معنی پر۔اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ اگر حقیقی معنی پر محمول ہے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے صحیح نہ ہوا۔سبحان علی خان سے کچھ بن نہ آیا اور خاموش ہوگیا۔ایک موقع پر

---

(۱) تیرا گوشت میرا گوشت اور تیرا خون میرا خون

سبحان علی خان نے مولانا عبدالحی صاحب کی تقریر پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے یہاں یہ حدیث ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) جزیہ نہ لیں گے بلکہ ان کے زمانہ میں یا اسلام ہوگا یا قتل۔ اور جناب رسول اللہ ﷺ جزیہ لیتے تھے تو ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ آپ ﷺ کے حکم کو منسوخ کر سکتے ہیں۔ اس کے جواب میں مولانا اسمعیل صاحب کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ ان کا جزیہ نہ لینا خود اسی حدیث کی بنا پر ہوگا۔ پس یہ تعمیل ہے حکمِ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی، نہ کہ نسخ حکم نبوی۔ اس کے جواب میں سبحان علی خان خاموش ہوگیا اور کوئی جواب نہ بن آیا۔ غرضیکہ اس طرح اور بھی کئی سوال و جواب ہوئے جو مجھے یاد نہیں رہے اور سبحان علی خان ہر مرتبہ ساکت ہوا۔ آخر میں ایک موقع پر پھر اس نے اعتراض کرنا چاہا اور صرف اتنا کہا گیا کہ مولانا۔ اتنے میں علی نقی خان نے سبحان علی خان سے کہا کہ بس کرو۔ بہت گالیاں سنوا چکے ہو۔ اب نہ چھیڑو اپنے بہنوئی کو۔ (۱) (ارواح ثلاثہ ص:۶۴ تا ص:۶۷)

لکھنو میں مدح صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کی مجالس کے متعلق حضرت کا ارشاد

روافض کی تبرا گوئی کے مقابلہ میں لکھنو کے بعض علماء نے مدح صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کی مجالس جاری کی تھیں جس کے نتیجہ میں روافض کی تبرا گوئی اور تیز ہوگئی۔ اس کے متعلق بعض حضرات نے حضرت سے سوال کیا تو حضرت نے ان کو جواب لکھا جس کا خلاصہ بطور یادداشت کے ایک پرچہ میں لکھا ہوا تھا جس کی نقل یہ ہے

---

(۱) حاشیۂ حکایت قولہ فی اول القصہ۔ کھانے کیلئے سب کو۔ اقول۔ شیعی کی دعوت قبول کرنے پر شبہ نہ کیا جائے کیونکہ مصلحت دینیہ کا موقع مستثنیٰ ہے باقی کسی چیز کے ملا دینے کی مانعیت، سو ایسی حرکت کمینہ طبیعت لوگ کر سکتے ہیں۔ شرفاء اور عالی رتبہ لوگ نہیں کر سکتے خصوص جب اس جماعت والے بھی شریک ہوں۔ (شت)

الجواب: روی البخاری بسنده عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما فی قوله تعالی ''ولا تجهر بصلوتک ولاتخافت بها'' قال: نزلت ورسول الله ﷺ مختف بمكة كان اذا صلی بأصحابه رفع صوته بالقرآن فاذا سمع المشركون سبوا القرآن من انزله ومن جاء به؟ فقال الله تعالی لنبیه ﷺ: ولا تجهر بصلوتک (ای بقرأتک فیسمع المشرکون فیسبوا القرآن) ولاتخافت بها (من أصحابک فلا تسمعهم) وابتغ بین ذلک سبیلا.

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود قرآن کا جہر اور وہ بھی جماعت کی نماز میں کہ امام پر واجب ہے، اگر سبب بن جائے قرآن کے سب وشتم کا تو ایسے موقع میں اتنے جہر کی ممانعت ہے کہ سب وشتم کرنے والوں کے کان میں آواز پہنچ جائے تو مدح صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کا اعلان و جہر کہ فی نفسہٖ واجب بھی نہیں، اگر سبب بن جائے صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کے سب وشتم کا تو ایسے وقت اس کا اتنا جہر کہ سب وشتم کرنے والوں کے کان میں آواز پہنچے کیسے ممنوع نہ ہوگا؟

ویؤیده ویزیل بعض الإشكالات الواردة علیه ما فی روح المعانی تحت قوله تعالی ''ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللّٰه.'' الأیة (روح ج:۷ ص:۳۱۹) واستدل بالآیة أن الطاعة اذا أدت الی معصیة راجحة وجب تركها فان ما یؤدی الی الشر شر وهذا بخلاف الطاعة فی موضع فیه معصیة لا یمكن دفعها وكثیرا ما یشتبهان ولذا لم یحضر ابن سیرین (رحمه الله تعالیٰ)

جنازة اجتمع فيها الرجال والنساء وخالفه الحسن قائلا: لو تركنا الطاعة لاجل المعصية لأسرع ذلك في ديننا للفرق بينهماونقل الشهاب عن المقدسي في الصحيح عند فقهائناانه لا يترك ما يطلب لمقارنة بدعة كترك إجابة دعوة لمافيهامن الملاهي وصلوة الجنازة لنائحة فان قدر على المنع منع والا صبر وهذا إذا لم يقتد به وإلا لا يقعد لان فيها شين الدين. (الى آخر ما فصله فليطالع ثمه.)

ترجمہ: اس آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ جب کوئی طاعت معصیت راجحہ کا سبب بن جائے تو اس اطاعت کو بھی چھوڑ دینا واجب ہے کیونکہ جو چیز کسی شر کا سبب مؤدّی بنے وہ بھی شر ہے۔ اور یہ بات اس سے الگ ہے کہ کسی ایسی جگہ میں جہاں معصیت ہو رہی ہو اور اس کے دفع کرنے پر قدرت نہ ہو وہاں کوئی طاعت ادا کی جائے اور بسا اوقات لوگوں پر یہ دونوں چیزیں مجتمع ہو جاتی ہیں۔ دونوں کا ایک ہی حکم سمجھ لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابن سیرین (رحمہ اللہ تعالیٰ) اس جنازہ میں شریک نہیں ہوئے جس میں مرد و عورتیں مخلوط شریک تھے اور حضرت حسن (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اس کی مخالفت فرمائی اور کہا کہ اگر ہم معصیت کی موجودگی کی وجہ سے طاعت کو چھوڑ دیا کریں تو ہم بہت سی طاعات سے محروم ہو جائیں گے اور یہ ہمارے دین کی بربادی کا آسان راستہ ہوگا اور شہاب مقدسی (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے نقل کیا گیا ہے کہ صحیح ہمارے فقہاء کے نزدیک یہ ہے کہ کسی طاعتِ مطلوبہ کو کسی بدعت کی مقارنت کی وجہ سے چھوڑا نہیں جا سکتا جیسے کسی

ولیمہ کی دعوت قبول نہ کرنا اس بنا پر کہ وہاں لہو ولعب ہے یا جنازہ میں شرکت نہ کرنا اس وجہ سے کہ وہاں کوئی نوحہ کرنے والی عورت ہے بلکہ یہ ہونا چاہئے کہ ولیمہ اور جنازے میں شریک ہو اور جو گناہ کا کام ہو رہا ہو اس کو روکے اگر روکنے پر قدرت ہو ورنہ صبر کرے اور یہ جب ہے کہ ایسا کام کرنے والا قوم کا مقتدا نہ ہو اور اور مقتدا ہے تو اس کو شرکت نہ کرنی چاہئے۔

نیز اس مضمون کی تائید علامہ شامی (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے کلام سے بھی ہوتی ہے جو فصل اتباع الجنائز میں لکھا ہے۔

قول الدر المختار: (ولا يترك إتباعها لأجلها) اى لأجل النائحة لان السنة لا تترك باقتران البدعة ولا يرد الوليمة حيث يترك حضورها لبدعة فيها للطارق بانهم لو تركوا المشى مع الجنازة لزم عدم إنتظامها ولا كذلك الوليمة لوجود من يأكل الطعام.

(شامی ص:۹۳۲ ج:۱)

ترجمہ: جنازے کے پیچھے چلنا اس وجہ سے نہیں چھوڑنا چاہئے کہ وہاں کوئی نوحہ کرنے والی عورت ہے کیونکہ اقترانِ بدعت کی وجہ سے سنت کو نہیں چھوڑا جا سکتا اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ ولیمہ کی شرکت جبکہ وہاں کوئی بدعت ہو ترک کر دی جاتی ہے کیونکہ اگر نائحہ کی وجہ سے جنازہ کی شرکت چھوڑ دی گئی تو جنازوں کا انتظام درست نہ رہے گا بخلاف ولیمہ کے کہ ایک نے نہ کھایا تو دوسرے کھانے والے موجود ہیں۔

(مجالس حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ ص:۳۱۳ تا ص:۳۱۵)

میر منصب علی مرحوم پر مذہب حق واضح ہونے کا واقعہ

ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کسی پر حق واضح ہو جانا خدا ہی کے قبضہ میں ہے انسان کی قدرت سے باہر ہے۔ فرمایا کہ ہاں حق تعالیٰ حق کو قلب پر وارد اور واضح کر دیتے ہیں۔ عادت اللہ یہی ہے پھر ہر شخص بتکلف رد کر دیتا ہے۔ فرمایا کہ حق واضح ہونے پر یاد آیا کہ یہاں ایک شخص میر منصب علی تھے۔ ان کا گھرانہ کٹر شیعی تھا۔ یہ بھی شیعی تھے پھر سنی ہو گئے۔ مجھ سے خود کہتے تھے کہ ان میں بعض لوگ ایسی شرارتیں کرتے ہیں کہ بچپن میں ہم سے کہا گیا تھا کہ خلفائے ثلاثہ کے نام سڑک پر لکھا کرو تا کہ لوگ اس راستہ پر سے چلیں۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت روشنائی سے؟ فرمایا نہیں انگلی سے ریت میں یا مٹی پر۔ اور کہتے تھے کہ ہم لکھتے پھرا کرتے تھے۔ حق واضح ہونے کا قصہ اس طرح بیان کیا کرتے تھے کہ ایک بار ان کو شبہ ہو۔ اپنے مذہب میں اور یہ حالت ہوئی کہ کبھی سنیوں کے طریقہ پر نماز پڑھتے، کبھی شیعوں کے طریقہ پر۔ عجب کشمکش کی حالت میں تھے۔ اسی تغیر میں ایک مرتبہ پیران کلیر جانا ہوا۔ وہاں پر مخدوم حضرت علاء الدین صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) کا مزار ہے وہاں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ مقبولین میں سے ہیں۔ آپ سے عرض کرتا ہوں کہ آپ دعا فرمائیں کہ مجھ پر حق واضح ہو جائے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو قیامت کے روز آپکو پیش کر کے الگ ہو جاؤں گا کہ ان سے عرض کیا تھا انہوں نے توجہ نہ کی۔ یہ کہہ کر چل دیئے۔ پھر خیال ہوا کہ شاید خواب وغیرہ میں کوئی بات معلوم ہو جائے گی۔ اس کے یہ قائل نہ تھے۔ لوٹ کر پھر مزار پر آئے اور عرض کیا: حضرت خواب میں اگر کوئی بات نظر آئی میں نہیں مانوں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ بلا کسی ظاہری سبب کے قلب مطمئن ہو جائے اور سکون واطمینان میسر ہو جائے۔ وہاں سے جو لوٹے ہیں قلب میں یہی واضح ہوا کہ مذہب سنی حق ہے۔ اپنے سنی ہونے کا اعلان کر دیا۔ ایک صاحب نے یہ خبر نانوتہ ان کی والدہ کو پہنچائی کہ آپ کے بیٹے سنی ہو گئے۔ وہ ایسی سخت تھی کہ اول تو اس

کو یقین نہیں آیا اور کہا کہ میرا بیٹا ایسا نہیں کہ وہ سنی ہو جائے۔ اس شخص نے کہا کہ تم بیٹھی بھی کہتے جانا وہ سنی ہو چکے۔ ان کی والدہ نے اپنے اطمینان کیلئے سفر کیا اور تحقیق کیلئے یہاں آئیں۔ بیٹے کو بلوایا اور کہا کہ مجھے ایک بات معلوم کرنا ہے اوپر کوٹھے پر الگ چلو۔ آگے انکو کیا اور پیچھے خود ہوئی کہ کہیں بھاگ نہ جائیں۔ برداشت نہ کرسکی، زینہ ہی میں سوال کر بیٹھی کہ میں نے سنا ہے کہ تم سنی ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات صحیح ہے میں سنی ہو چکا۔ یہ سن کر اس عورت کو اتنا صدمہ اور رنج ہوا کہ زینہ ہی میں بے ہوش ہو کر گر گئی اور لڑھکتی ہوئی نیچے آ پڑی۔ جب ہوش آیا بولی کم بخت میں دودھ نہ بخشوں گی۔ ایسا کہنے کی عورتوں کو عادت ہوتی ہے۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ تو کیا دودھ نہ بخشے گی میں ہی نہیں بخشوں گا مجھ کو ایسا ناپاک دودھ پلایا کہ اس کے اثر سے میں اتنے زمانے تک گمراہ رہا۔ ماں نے کہا کہ تو مجھ سے مر گیا میں تجھ سے مر گئی۔ انہوں نے کہا کہ میں بھی سب سے مر گیا اور سب مجھ سے مر گئے حق کو نہیں چھوڑ سکتا۔ تمام عمر اس کی ماں نے صورت نہیں دیکھی۔ دیکھو ان میر صاحب نے بھی دعا کی تھی کہ بلا کسی تدبیر کے حق واضح ہو جائے۔ حضرت ساری تدبیریں ایک طرف اور خدا سے تعلق اور دعا کرنا ایک طرف۔ اس کو لوگوں نے بالکل چھوڑ ہی دیا مگر دعا خشوع کے ساتھ ہونا چاہئے۔ اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ دعا میں کسی خاص دعا کی تعیین نہ کرے۔ اس سے خشوع جاتا رہتا ہے۔ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ اب غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم تعیین میں بڑی حکمتیں ہیں۔ فرمایا جی ہاں صوفیاء اور فقہاء یہ دونوں جماعتیں حکماء ہیں۔ دین کو جس قدر انہوں نے سمجھا ہے اور کسی نے نہیں سمجھا۔ اصل محققین صوفیہ اور فقہاء ہی ہیں۔ ایک مرتبہ مجھ کو خیال ہوا باوجود ان کے حکماء اور محقق ہونے کے پھر ان میں لڑائی کیوں ہوتی ہے؟ میں نے تو یہی فیصلہ کیا کہ غیر محققین میں لڑائی ہوتی ہے اور دونوں جماعتوں کے محققین میں کبھی لڑائی نہیں ہوتی۔ یہ تو جامع ہوتے ہیں تو کیا کوئی اپنے سے بھی لڑا کرتا ہے۔ (الافاضات الیومیہ ج:۱ ص:۲۴۱،۲۴۲)

حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کے پتلے نکالنے والواں کوسزا

فرمایا کہ لکھنوتی میں شیعہ لوگوں نے بعض حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کے پتلے نکالے تو سید محمد کے دادا قاضی امانت علی تلوار لے کر اپنے دروازے کے سامنے بیٹھ گئے کہ ادھر کو نکلیں گے تو فوراً ان سے مقابلہ کروں گا۔آخر کار مقدمہ سرکار میں پہنچا وہاں کے کلکٹر نے فیصلہ قاضی صاحب کے موافق دیا۔فیصلہ میں لکھا تھا کہ ان کے مذہب میں تقیہ بھی ہے۔اسی طرح فتح پور کے کلکٹر نے اپنے فیصلے میں لکھا تھا کہ تبرا کہنے والوں کو، اگر عبادت ہے تو آخرت میں اجر ملے گا مگر دنیا میں فلانی دفعہ ضرور بھگتنی پڑے گی۔ (حسن العزیز ج:۲ ص:۱۴۱)

نئے نئے فرقے شیعوں میں کیوں نہیں بنتے ؟

فرمایا کہ ذہانت بھی عجیب چیز ہے۔ایک شخص نے ایک مولوی صاحب سے کہا کہ آج یہ جس قدر نئے نئے فرقے بنتے ہیں، یہ سب سنیوں میں سے بنتے ہیں۔ آپ نے شیعوں میں سے کوئی فرقہ باطلہ بنتے نہ دیکھا ہوگا۔مولوی صاحب نے اس شیعی کو جواب دیا(۱) بنتے دیکھنا کیا معنی سنا بھی نہیں۔یہ تو واقعہ ہے جو بالکل صحیح ہے لیکن اس کی وجہ جناب کو معلوم نہیں مجھ کو معلوم ہے اور وہ یہ کہ یہ تو آپ کو تسلیم ہوگا کہ شیطان اپنا وقت بے کار نہیں کھوتا پھرتا جو اس کا فرض منصبی ہے، شب و روز اس کی انجام دہی میں مصروف رہتا ہے۔شیعی نے کہا یہ تو مسلم ہے۔مولوی صاحب نے کہا اب سمجھئے کہ شیطان شیعوں کو انتہائے مرکز گمراہی پر پہنچا چکا ہے اور اس کے آگے کوئی درجہ گمراہی کا نہیں رہا۔اس لئے ان کو اور کہاں لے جاوے۔باقی سنیوں کو حق پر سمجھتا ہے اس لئے دن رات ان کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔اس کو بہکا دیا، اُس کو بہکا دیا۔وہ شیعی بے چارہ

---

(۱) یہ جواب علی سبیل التسلیم ہے ورنہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ نے تحفہ اثناعشریہ میں شیعوں کے بہت سے فرقوں کی تفصیل بیان کی ہے۔۱۲ محمود اشرف غفراللہ لہٗ

مبہوت رہ گیا۔ (انفاس عیسیٰ ج:۲ ص:۶۲۸)

شیعہ رہ کر حضرت حکیم الامت (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے استفادہ ناممکن تھا

فرمایا ایک شیعی صاحب آگرہ کے علاقے کے تھوڑے دن ہوئے، آئے۔ پہلے تو انہوں نے اپنا پتہ نہ دیا گو قرائن سے میں سمجھ گیا کہ یہ شیعی ہیں۔ کتب تصوف کا مطالعہ بہت کئے ہوئے تھے میری کتابیں بھی دیکھی تھیں اس کے متعلق کچھ سوالات کیے۔ جی تو نہیں چاہتا تھا کہ جواب دوں مگر مہمان سمجھ کر جواب دیا۔ خوش ہو کر کہنے لگے کہ یہی سوالات میں نے شیعہ مجتہدین سے بھی کئے مگر کسی نے معقول جواب نہیں دیا۔ پھر کہا کہ کیا دوسرے مسلمان فرقہ کو بھی خانقاہ امدادیہ سے استفادہ ہو سکتا ہے؟ میں نے کہا اس جواب کیلئے یہ جلسہ کافی نہیں ہے۔ یہ سوال تحریری ہونا چاہئے پھر جواب دوں گا۔ بعد میں سوال تحریری بھی بھیجا تو میں نے جواب دیا کہ یہ سوال تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ میرا وضو تو نہیں ہے بلا وضو بھی مجھ کو نماز پڑھا دو گے یا نہیں؟ تو ایسے شخص سے یوں کہوں گا کہ وضو بھی کر سکتا ہے یا نہیں؟ (اس سے زیادہ صاف جواب دینا بے مروتی ہے) اب بعد میں اس کا جواب آیا کہ میں نماز تو پڑھتا ہوں۔ فرمایا اس عقلمند کو اتنی سمجھ بھی نہیں کہ میں نے نماز کو پوچھا تھا یا مقصود کو نماز سے اور شرائط کو وضو سے تشبیہ دی تھی۔ یہ مجسٹریٹی کیسے کرتے ہوں گے۔ (یہ خیر سے مجسٹریٹ تھے) اب صاف جواب دیتا ہوں کہ مجھ کو معذور رکھئے۔ جب تک ہمارے مشرب میں نہ آجاؤ گے استفادہ نہیں کر سکتے۔ (کلمۃ الحق ص:۸۹)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تحریر فرمودہ کلام پاک سے مذہب اہل سنت کی حقانیت کا ثبوت

فرمایا کہ جلال آباد میں جو جبہ شریف مشہور ہے (جو آنحضرت ﷺ کا بتلایا جاتا ہے) اور ایک قرآن شریف ہے (جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ کا لکھا

ہوا بتلایا جاتا ہے) جھنجانہ میں ایک شیعی رئیس کے یہاں اس کی زیارت ہوئی مگر وہ رئیس جس قدر قرآن شریف کی طرف التفات کرتے تھے، جبہ کی طرف نہ کرتے تھے۔ ایک شوخ مزاج نوجوان سنی نے اس کی وجہ پوچھی تو کہا بے وقوف تو کیا جانے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرے جی کو تو نہیں لگتا۔ کہنے لگے تم بداعتقاد ہو یہ ضرور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ جب خوب جزم کے ساتھ اقرار کرالیا تو کہنے لگے کہ بس تو آج بڑے اختلاف کا فیصلہ ہوگیا۔ یہ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اب اس قرآن شریف کو دیکھ لیجئے کہ سنیوں کے قرآن سے ملتا ہے یا نہیں؟ اگر ملتا ہے تو سنیوں کا مذہب حق ہے اور شیعوں کا دعوی کہ اس قرآن میں تحریف ہوگئی ہے، غلط ہے اور اگر اس سے نہیں ملتا تو شیعوں کا مذہب حق ہے۔ یہ سن کر ان کا رنگ فق ہوگیا اور کھسیانہ ہوکر کہنے لگا تم بڑے شریر ہو اور چپ ہوگیا۔ (جدید ملفوظات ص:۱۲۴۸)

ایک شیعی کی مبالغہ آمیز حماقت کا بیان

فرمایا کہ ایک شیعی ایک مسجد میں پہنچے تو وہاں دیوارِ قبلہ پر لکھا ہوا دیکھا۔

چراغ و مسجد و محراب و منبر ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ

تو آپ نے چھری سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام چھیل دیا اور کہا کہ ہم تو تمہارے پیچھے مرتے کھپتے پھرتے ہیں مگر تم کو جب دیکھا انہیں میں بیٹھے ہوئے دیکھا۔ (جدید ملفوظات ص:۲۵۵)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحیح عظمت اہلِ تشیع نے نہیں پہچانی

فرمایا کہ ایک بزرگ سے کسی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت سوال کیا۔ فرمایا کون علی؟ اس نے کہا کیا علی کئی ہیں؟ فرمایا دو ہیں ایک تو ہمارے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو خلیفہ اور داماد ہیں جناب رسول اللہ ﷺ کے اور شوہر حضرت

خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور والد بزرگوار ہیں حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اور ایک شیعہ کے ہیں جن کا ظاہر کچھ، باطن کچھ۔ بڑے بزدل تمام عمر تقیہ میں گزار دی۔ (جدید ملفوظات ص:۲۵۵،۲۵۶)

خلفاء ثلاثہ مستحق شکر ہیں

فرمایا کہ روافض کہتے ہیں کہ خلافت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حق تھا۔ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان پر ظلم کیا۔ (نعوذ باللہ منہ) حالانکہ ان لوگوں کو خلفاء ثلاثہ کا ممنون ہونا چاہئے کہ انہوں نے چوبیس سال تک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بار سے بچائے رکھا اور اپنے سر اس بوجھ کو لیا۔ اگر ابتداء سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر پر بار ہوتا تو تیس برس تک کیسی تکلیف ہوتی مگر یہ لوگ سمجھتے نہیں ہیں کہ اس وقت کی خلافت آج کل کی نوابی نہ تھی۔ کوئی خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھے کہ کیسی مصیبت و مشقت کی چیز تھی۔

(مقالات حکمت ص:۲۴۰)

اہل تشیع کا اپنا مذہب مردہ ہونے کا اعتراف

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ بحمد اللہ میرے یہاں ہر چیز اپنی حد پر ہے افراط، تفریط نہیں۔ خیر الأمور أوسطها کا صحیح رستہ ہے۔ میں ایک مرتبہ گکرولی گیا۔ یہ ضلع مظفر نگر میں ایک گاؤں ہے۔ وہاں پر شیعہ زمیں دار رئیس ہیں۔ ان میں لکھنو کے تعلق سے تہذیب کا کافی اثر ہے۔ ان لوگوں نے میرے ساتھ بڑی ہی تہذیب کا برتاؤ کیا۔ سو جیسے انہوں نے میرے ساتھ تہذیب برتی میں نے بھی تہذیب کا جواب تہذیب سے دیا۔ چنانچہ ان لوگوں نے بعد مغرب کہ میں اسی وقت پہنچا تھا، کہلا بھیجا کہ ہم لوگ زیارت کے مشتاق ہیں اگر اجازت ہو تو ہم لوگ حاضر خدمت ہو کر زیارت سے مشرف ہوں۔ ایک تو رعایت کے ساتھ رعایت ہوتی ہے دوسرے میں

یہ بھی سمجھ گیا کہ یہ اپنی تہذیب کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ بلا اجازت ملنے نہیں آئے۔ میں ایک غریب سنی قصائی کے گھر ٹھہرا تھا اور یہی غریب سنی لوگ داعی تھے۔ میں نے جواب میں کہلا کر بھیجا کہ اگر اجمالی ملاقات مقصود ہو تو صبح کے وقت مناسب ہے۔ انہوں نے اسی وقت ملنا چاہا۔ میں نے جواب دیا کہ آجایئے اور ساتھ ہی یہ بھی کہلا بھیجا کہ اگر آپ چاہیں تو میں ملاقات کیلئے تخلیہ کا انتظام بھی آسانی سے کرسکتا ہوں۔ اس کہلانے کی وجہ یہ تھی کہ میرے میزبان غریب میلے کچیلے ان کی رعایا کے لوگ تھے۔ شاید ان کے دوش بدوش بیٹھنا یہ رئیس لوگ بھی گوارہ نہ کریں اور اس سے مجھے ان کی تہذیب کا جواب بھی دینا تھا جس کی طرف ان کا ذہن بھی از خود نہ جاسکتا تھا۔ اس کہلا کر بھیجنے پر ان رئیس شیعوں پر بے حد اثر ہوا کہ کیا انتہا ہے اس شخص کی وسعتِ نظر اور رعایتِ حدود اور تہذیب کا کہ کہاں نظر پہنچی۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اسی وقت آنا چاہتے ہیں اور غریبوں کے ساتھ بیٹھنا فخر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ان کو اجازت دی گئی اور انہوں نے آکر ملاقات کی۔

ایک غریب شخص لکرولی ہی کے رہنے والے مجھ سے محبت رکھتے تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس آپ کے مواعظ ہیں اور رسالہ النور بھی منگا تا رہتا ہوں تو یہ شیعہ رؤساء منگا کر دیکھتے رہتے ہیں۔ اور یہی شخص یہ بھی بیان کرتے تھے کہ ان میں کے ایک صاحب یہ کہتے تھے کہ اگر شیعوں میں ایسا (۱) ایک مجتہد بھی ہوتا تو شیعوں کا مذہب زندہ ہو جاتا اور اس میں روح پیدا ہو جاتی۔ میں نے سن کر کہا کہ چلو یہ تو اقرار کرلیا کہ ہمارا مذہب مردہ ہے۔ شب کی مذکورہ ملاقات میں بعض شیعوں نے بیعت کی درخواست کی۔ میں سوچ میں پڑا کہ بدوں تشیع چھوڑے بیعت کیسے ہو سکتی ہے؟ اور تشیع کے چھوڑنے کو خصوصاً جب میں اس درخواست کو محض مہمان داری سمجھتا ہوں، کیسے

---

(۱) یعنی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی (رحمہ اللہ تعالیٰ) جیسا۔ احقر قریشی غفر اللہ لہٗ

کہوں؟ آخر میں نے کہا کہ بیعت کی کچھ شرائط ہیں جو اس جلسہ میں مفصل بیان نہیں ہو سکتیں۔ اسکی مناسب صورت یہ ہے کہ جب میں وطن پہنچ جاؤں اس وقت آپ مجھ سے اس کے متعلق خط وکتابت فرمائیں۔ میں جواب میں شرائط سے اطلاع دے دوں گا۔ خیال دل میں یہ تھا کہ اگر ان لوگوں نے وطن پہنچنے کے بعد لکھا تو یہ جواب دوں گا کہ اس طریق میں نفع کیلئے مناسبت شرط ہے۔ بدوں مناسبت نفع نہیں ہو سکتا اور اختلاف مذہب ظاہر ہے کہ مناسبت کی ضد ہے تو نفع کی کیا صورت ہے؟ خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ سنی ہو جاؤ تو بیعت ہو سکتے ہو مگر اس کے بعد کسی نے کچھ نہ لکھا۔ یہ حضرات اکثر بڑے مہذب ہوتے ہیں اور اکثر دیکھا ہے کہ دوسرے فرقے جس قدر ہیں ان میں ظاہری اخلاق اور تہذیب بہت ہوتی ہے۔

ایک شیعہ نے انہی میں سے ایک سوال کیا جو بالکل نیا سوال تھا اس سے قبل مجھ سے یہ سوال کسی نے نہ کیا تھا۔ میں بالکل خالی الذہن تھا مگر اللہ تعالیٰ نے عین وقت پر مدد فرمائی۔ وہ سوال یہ تھا کہ تقلید اور بیعت میں کیا فرق ہے؟ میں نے کہا تقلید کہتے ہیں اتباع کو اور بیعت کہتے ہیں معاہدۂ اتباع کو۔ یہ جواب سن کر وہ شخص بے حد محظوظ ہوا۔ اور یہ سب ہر وقت کے مناسب معاملہ یا جواب سمجھ میں آجانا اللہ کا فضل ہے اور اپنے بزرگوں کی دعا کا اثر ہے چنانچہ حضرت مولانا یعقوب صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے ایک مرتبہ جوش کی حالت میں ہم چند خادموں سے یہ فرمایا کہ تم جہاں جاؤ گے ان شاء اللہ وہاں تم ہی تم ہو گے تو یہ میرا کمال تھوڑا ہی ہے یہ تو حضرت کی دعا کی برکت ہے اسی لئے بزرگوں سے تعلق بڑی دولت ہے، بڑی نعمت ہے۔ لوگ اس کی قدر نہیں کرتے۔ مجھ کو تو اس لئے بھی اس کی خاص قدر ہے کہ میرے پاس تو سوائے بزرگوں کی دعا کے اور کچھ ہے ہی نہیں۔ نہ علم ہے نہ عمل ہے۔ اگر ہے تو صرف یہی ایک چیز ہے اور جس شخص کا یہ اعتقاد ہو وہ کیا اپنی کسی بات پر ناز یا فخر کر سکتا ہے اور ناز و فخر تو کسی حالت میں بھی انسان کو نہیں کرنا چاہئے جبکہ سر تا سر نقائص و عیوب سے بھرا ہوا

ہے۔اس کو مولانا فرماتے ہیں۔

نازرا روئے بباید ہمچو ورد　　　چوں نداری گرد بدخوئی مگرد

ترجمہ: نازنخرے اٹھوانے کیلئے گلاب کی مانند خوبصورت اور حسین وجمیل چہرہ ہونا چاہئے۔ حسین چہرہ والے کے نخرے برداشت بھی کرلئے جاتے ہیں۔ جب تم حسین چہرہ نہیں رکھتے تو نازنخروں کی آڑ میں اپنی بُری خصلتوں کے گرد مت پھرو کیونکہ کوئی بھی برداشت نہیں کرے گا۔(ازمرتب)

(ماہنامہ حق نوائے احتشام کراچی۔جنوری ۲۰۰۳ء ص:۲۱تا۲۳)

مجالسِ شیعہ میں شرکت کی ممانعت

فرمایا: شیعہ کی مجالس میں اہل السنۃ والجماعۃ ،شیعہ کے عقائد کے طور پر نہیں جاتے۔کوئی تماشے کی نیت سے جاتا ہے کسی کو وہ خود بلاتے ہیں اور مروت سے چلا جاتا ہے۔کسی کی اور خاص غرضیں بھی ہوتی ہیں مگر صاحب خوب سن لیں حدیث میں صاف موجود ہے ”مَنْ كَثَّرَ سَوَادَ قَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ“ یعنی جس نے کسی قوم کی جماعت کو زیادہ کیا خواہ عقیدۃً اسے برا سمجھتا ہو قیامت کے دن وہ انہی کے ساتھ ہوگا۔اس لئے ہر حالت میں ان کی مجلس (ماتم) میں جانا جائز نہیں۔

(تحریم المحرم ص:۳،اشرف الکلام ص:۵۷)

مجلس شیعہ میں حضرت اسماعیل شہیدؒ کا وعظ

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید (رحمہ اللہ تعالیٰ) دہلوی جب لکھنو تشریف لے گئے اس وقت وہاں شیعہ کی حکومت تھی۔مولانا ایک سنی کے مہمان ہوئے جو دربار شاہی میں کسی عہدہ پر ممتاز تھے۔اس زمانہ میں اکثر سلاطین میں تعصب نہ تھا اس لئے سنی بھی ان کے دربار میں عزت سے رہتے تھے۔جب بادشاہ کو مولانا کا تشریف لانا معلوم ہوا تو زیارت کا اشتیاق ہوا کیونکہ مولانا اسمٰعیل صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) کی

شہرت اور عزت اس زمانہ میں بہت زیادہ تھی۔آپ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کو ایک خاص امتیاز حاصل تھا حالانکہ مولانا اپنے کو مٹائے ہوئے تھے مگر حق تعالیٰ نے آپ کو ایک خاص عزت دی تھی۔اس کی نظیر اسی قریب زمانہ میں بھی گزر چکی ہے یعنی مولانا محمد قاسم صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) کہ مولانا نہ مدرس تھے، نہ مصنف چنانچہ دیو بند کے مدرسہ میں مدرس اول مولانا محمد یعقوب صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) تھے مولانا محمد قاسم صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) خود مدرس نہ تھے اور نہ مولانا نے کوئی کتاب تصنیف کی اور جو رسائل آپ کے نام سے طبع ہوئے ہیں وہ اکثر خطوط کے جوابات ہیں جن کو لوگوں نے طبع کرادیا مگر بایں ہمہ آپ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کی عزت وشہرت ایسی تھی کہ مخالفین بھی مولانا کے کمال کے معتقد تھے۔یہی حال مولانا اسمٰعیل صاحب کا تھا کہ مخالفین بھی ان کے کمال کو مانے ہوئے تھے۔چنانچہ بادشاہ لکھنو گو مذہبا شیعہ تھے مگر مولانا کا نام سن کر زیارت کے مشتاق ہوئے اور آپ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کا وعظ سننا چاہا تو انہوں نے مولانا کے میزبان سے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ کے یہاں مولانا اسمٰعیل صاحب تشریف لائے ہیں ہم ان کی زیارت کرنا اور وعظ سننا چاہتے ہیں۔میزبان کو بڑی فکر ہوئی کہ یہ بلا سر لگی کیونکہ مولانا صاف گو بہت تھے وہ وعظ میں کسی کی رعایت نہ کریں گے شیعہ کی بھی ضرور خبر لیں گے جو بادشاہ کو ناگوار گزرے گی اس لئے چاہا کہ کسی طرح اس بلا کو ٹالیں مگر ادھر سے اصرار بڑھتا گیا۔آخر میزبان نے مولانا سے آکر عرض کیا کہ بادشاہ آپ کی زیارت اور وعظ کے مشتاق ہیں۔میں کئی روز تک ان کو ٹالتا رہا مگر وہ اصرار پر اصرار کیے جاتے ہیں اس لئے بہتر ہے کہ ان کی درخواست کو آپ منظور فرمالیں مگر خدا کیلئے وعظ میں شیعہ وسنی کے اختلاف کا ذکر نہ فرمایئے گا کیونکہ بادشاہ شیعی ہے۔اس کو یہ امر ناگوار ہوگا۔مولانا نے فرمایا کہ آپ اس سے بے فکر رہیں۔میں ایسا بے وقوف نہیں ہوں جو کچھ کہوں گا موقع کے مناسب کہوں گا۔واقعی سچ فرمایا کیونکہ آپ نے تو جو کچھ بھی فرمایا وہ موقع کے مناسب ہی تھا گو بعض کی سمجھ میں نہ آوے۔اس کے بعد مولانا محل شاہی میں تشریف لے گئے اور بادشاہ نے بڑی تعظیم

کے ساتھ آپ کا استقبال کیا۔ پھر وعظ شروع ہوا جس میں تمام درباری مع بادشاہ کے اور لکھنو کے سب علماء اور شیعوں کے مجتہد وغیرہ سبھی جمع تھے۔ مولانا نے تمہید میں فرمایا کہ صاحبو! اول وعظ کی حقیقت سن لیجئے۔ وہ ایک روحانی علاج ہے اور علاج ہوتا ہے امراض کا تو اب اگر میں وعظ کی حقیقت پر نظر کرتا ہوں تو اس کا مقتضا یہ ہے کہ جس مرض میں مخاطب مبتلا ہیں اس کا علاج کروں ورنہ پھر وعظ ہی کیا ہوگا اور میں دیکھتا ہوں کہ بادشاہ میں مرض ہے رفض کا مگر ہمارے فلاں میزبان صاحب کہتے ہیں کہ مذہبی نزاعات وخلافیات کا بیان نہ ہو مگر میں وعظ میں اسی بدعت کا علاج کروں گا۔ اس تمہید میں آپ نے میزبان کو بھی آفت سے بچالیا اور بتلا دیا کہ وہ تو نزاعی مسائل کے بیان سے منع کرتے ہیں مگر میں نے ہی ان کی رائے قبول نہ کی تو ان پر کچھ الزام نہیں۔ اس کے بعد مولانا نے ایک آیت پڑھ کر صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کے مناقب بیان کرنا شروع کیے اور ساتھ ہی اہل بیت کے مناقب بھی بیان فرمائے اور درمیان درمیان میں شیعہ وسنی کے اختلافی مسائل کا بھی بیان فرمایا اور مذہب شیعہ کا خوب ابطال فرمایا۔ بادشاہ کی تو یہ حالت تھی کہ اول سے اخیر تک سکتہ کی سی حالت میں بیٹھے رہے اور وعظ ختم ہوتے ہی بادشاہ اٹھے اور بہت تعظیم وتکریم کے ساتھ مولانا کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بعض علماء شیعہ کو نواب صاحب کی اس تعظیم وتکریم سے مولانا کے ساتھ حسد پیدا ہوا اور انہوں نے بعد وعظ کے مولانا پر کچھ اعتراضات شروع کئے جن میں سے ایک اعتراض منقول بھی ہے۔ وہ یہ کہ مجتہد شیعہ نے کہا کہ مولانا تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کبھی برا نہیں کہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہمیشہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ اس سے دونوں کی حالت کا فیصلہ ہوتا ہے۔ (۱) مولانا نے جواب دیا کہ اس

---

(۱) اس دعوی میں بھی مجتہد نے تقیہ سے کام لیا ہے اور مولانا نے علی سبیل التسلیم جواب دیا ورنہ نہج البلاغہ شریف رضی کی موجود ہے جس کو یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال وخطبات ومکاتیب کا مجموعہ سمجھتے ہیں اس کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے =

سے ان دونوں حضرات کا تو فیصلہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو مگر ہمارا اور آپ کا تو فیصلہ ہو ہی گیا کیونکہ اس سے معلوم ہو گیا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقہ پر ہم کسی کو برا بھلا نہیں کہتے اور تم رات دن تبرا کرتے ہو۔ اس جواب سے مجتہد دم بخود رہ گیا۔ بادشاہ نے کہا قبلہ کچھ اور سننا ہو تو اور اعتراض کر لیجئے۔

یہ حکایت میں نے اس پر بیان کی تھی کہ محقق ہمیشہ ضرورت وحالتِ مخاطب کے لحاظ سے مضمون اختیار کرتا ہے۔ چاہے مکرر ہو یا پرانا ہو کیونکہ وعظ علاجِ روحانی ہے اور علاج میں ہمیشہ مریض کی حالت کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ اگر ایک شخص کو بخار ہے تو وہ دس دفعہ بھی حکیم صاحب کے پاس جائے گا تو وہ بخار ہی کا نسخہ لکھے گا۔ یہ نہیں کہ آج بخار کا لکھ دیگا اور کل کو زکام کھانسی کا، پرسوں کسی اور مرض کا تاکہ نسخہ مکرر نہ ہو۔ وہ اس کی رعایت کبھی نہ کرے گا جب تک بخار ہے بخار ہی کا نسخہ دے گا۔ بس لوگ اس کو نہ دیکھیں کہ مضمون پرانا ہے یا نیا، طالب علم کو اس سے کیا بحث۔

(اصلاح ذات البین ملحقہ مواعظ آداب انسانیت ص: ۳۱۰ تا ص: ۳۱۴)

خواص اہل تشیع گمراہ تر ہیں

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ شیعوں کے عوام الناس گمراہی میں اس درجہ کے نہیں جس درجہ کے ان کے خواص ہیں۔ ہر وقت تلبیس کی تدابیر سوچتے رہتے ہیں۔ ایک واقعہ ہے لکھنو کا ایک مجتہد صاحب کے پاس ایک شیعی نواب صاحب ہانپتے کانپتے آئے کہا کہ جناب آج بڑا جرم صادر ہوا اس کا کیا کفارہ ہونا چاہئے۔ وہ جرم یہ ہوا قبلہ کہ خاک شفاء کی تسبیح بھولے سے ہاتھ میں رہ گئی اور بیت الخلاء میں چلی گئی اور اس کا تاگا ٹوٹ کر چند دانے پاخانہ میں گر گئے۔ اب اس گناہ کا کیا

=حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کیسا برا بھلا اور سخت سست کہا کلب وابن الکلب اور منافق تک کہا ہے اسی لئے ہم اس کو موضوع ومفتراء سمجھتے ہیں۔ ۱۲ جامع

کفارہ ہے؟ مجتہد صاحب نے جواب دیا کہ نواب صاحب فکر نہ کیجئے وہ خاک شفاء ہی نہ تھی۔ پاک چیز ناپاک کی طرف جا ہی نہیں سکتی۔ تمام مجلس میں اس جواب پر بڑی تحسین ہوئی کہ سبحان اللہ کیا نکتہ فرمایا۔ اس مجلس میں ایک سنی بھی تھے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت قبلہ آپ کے جواب سے تو آج مذہب کا قطعی فیصلہ ہو جائے گا۔ یہ جو آپ کے ہاتھ میں تسبیح ہے میں نے بارہا آپ سے سنا ہے کہ یہ اصلی خاک شفاء کی ہے سو مجھ کو اجازت دیجئے کہ اس کا تاگا توڑ کر پاخانہ کے سامنے لٹکاتا ہوں اگر تسبیح کا کوئی دانہ نہ گرا تو میں شیعی ہو جاؤں گا اور اگر گر گیا تو آگے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تمام مجلس پر اس جواب سے حیرت طاری ہو گئی اور مجتہد صاحب سے کچھ بھی جواب نہ بن پڑا۔

ایک دوسرا واقعہ بھی لکھنو کا ہے شیعوں کے یہاں خرگوش حرام ہے۔ مولانا اسمعیل صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) لکھنو کی آمد کے زمانہ میں ایک بار خرگوش کا شکار کر کے لائے۔ وہ ایک گوشہ میں رکھا ہوا تھا۔ اتفاق سے مولانا صاحب کے پاس ایک مجتہد صاحب بغرض ملاقات تشریف لائے۔ وہ بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں ایک کتا آیا۔ وہ خرگوش کی طرف چلا مگر سونگھ کر ہٹ گیا۔ اس پر مجتہد صاحب کو ایک موقع ملا۔ فرماتے ہیں کہ جناب مولانا صاحب دیکھئے آپ کے شکار کو کتے نے بھی نہیں کھایا۔ مولانا نے جواب دیا کہ جناب قبلہ مجتہد صاحب! یہ کتوں کے کھانے کا نہیں، آدمیوں کے کھانے کا ہے۔

تیسرا واقعہ ایک صاحب نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ عامی سنی سے ایک شیعی کی گفتگو ہوئی۔ سنی نے کہا کہ جب فدک پر جھگڑا تھا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کو کیوں نہ لے لیا؟ شیعی نے جواب دیا کہ جو چیز غصب کر لی جاتی ہے پھر ہم لوگ اس کو نہیں لیتے۔ سنی نے جواب دیا کہ خلافت بھی تو غصب کر لی گئی تھی پھر اس کو کیوں لیا؟ اس جواب پر شیعی دم بخود رہ گیا۔

چوتھا واقعہ ایک مولوی صاحب میرے دوست ہیں کیرانہ کے رہنے والے

وطن ہی میں ان سے ایک شیعی نے کہا کہ مولوی صاحب کیا بات ہے کہ آج کل جتنے نئے نئے فرقے نکلتے ہیں، تہتر بہتر فرقے جو بنے ہیں سب سنیوں ہی میں سے بنتے ہیں کبھی آپ نے یہ بھی دیکھا کہ مؤمنین سے کوئی نیا فرقہ بنا ہو؟ مولوی صاحب نہایت ذہین اور ذکی شخص ہیں بڑی ظرافت سے کہا کہ آپ نے بالکل سچ کہا مگر اس کی وجہ آپ کو معلوم نہیں میں بتلاتا ہوں۔ وہ وجہ یہ ہے کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ شیطان ہر شخص کو گمراہی میں اعلیٰ درجے پر پہنچانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے تو سنی چونکہ حق پر ہیں اس لئے وہ ہر وقت ان کے پیچھے پڑا رہتا ہے اور نئی نئی گمراہیاں سکھلاتا رہتا ہے بخلاف تم لوگوں کے کہ تم کو گمراہی کے اعلیٰ درجے پر پہنچا چکا ہے۔ اب وہاں سے کس درجے پر پہنچاوے گا اس لئے تم سے بے فکر ہے۔ یہ سن کر شیعی صاحب نے سانس نہیں لیا۔

پانچواں واقعہ ایک خواندہ شیعی اور ایک ناخواندہ خان صاحب کا ہے۔ سفر میں اتفاقاً ساتھ ہو گیا۔ شیعی صاحب نے کہا کہ جناب خان صاحب جن لوگوں نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا معلوم نہیں ہم تھے یا تم تھے؟ (یہ چھیڑ تھی مطلب یہ کہ شیعی تو محبِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں وہ تو ہو نہیں سکتے بس سنی ہی ہوں گے حالانکہ یہ تاریخ کے خلاف ہے مگر بے چارہ ناخواندہ پٹھان تاریخ کیا جانے شیعی صاحب سمجھتے تھے کہ یہ بیچارہ اس کا جواب کیا دے گا) خان صاحب بولے جناب واقعات تو واقف لوگ جانتے ہوں گے مگر ایک بات موٹی تو ہم بھی سمجھ سکتے ہیں۔ وہ یہ کہ ہم نے سنا ہے جو اصحاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کو برا کہے اس نے اللہ و رسول کو برا کہا اور جو اللہ و رسول کو برا کہے وہ کافر ہے اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرنا مسلمان کا کام تو ہے نہیں کافر ہی ایسا کر سکتا ہے۔ اب دیکھ لیجئے ان کے شہید کرنے والے کون تھے۔ شیعی صاحب باوجود خواندہ ہونے کے دم بخود ہی تو رہ گئے۔

(الافاضات الیومیہ ج:۴ ص:۲۷۴ تا ۲۷۶)

وطن ہی میں ان سے ایک شیعی نے کہا کہ مولوی صاحب کیا بات ہے کہ آج کل جتنے نئے نئے فرقے نکلتے ہیں، تہتر بہتر فرقے جو بنے ہیں سب سنیوں ہی میں سے بنتے ہیں کبھی آپ نے یہ بھی دیکھا کہ مؤمنین سے کوئی نیا فرقہ بنا ہو؟ مولوی صاحب نہایت ذہین اور ذکی شخص ہیں بڑی ظرافت سے کہا کہ آپ نے بالکل سچ کہا مگر اس کی وجہ آپ کو معلوم نہیں میں بتلاتا ہوں۔ وہ وجہ یہ ہے کہ یہ سب کو معلوم ہے کہ شیطان ہر شخص کو گمراہی میں اعلیٰ درجے پر پہنچانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے تو سنی چونکہ حق پر ہیں اس لئے وہ ہر وقت ان کے پیچھے پڑا رہتا ہے اور نئی نئی گمراہیاں سکھلاتا رہتا ہے بخلاف تم لوگوں کے کہ تم کو گمراہی کے اعلیٰ درجے پر پہنچا چکا ہے۔ اب وہاں سے کس درجے پر پہنچادے گا اس لئے تم سے بے فکر ہے۔ یہ سن کر شیعی صاحب نے سانس نہیں لیا۔

پانچواں واقعہ ایک خواندہ شیعی اور ایک ناخواندہ خان صاحب کا ہے۔ سفر میں اتفاقاً ساتھ ہوگیا۔ شیعی صاحب نے کہا کہ جناب خان صاحب جن لوگوں نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا معلوم نہیں ہم تھے یا تم تھے؟ (یہ چھیڑ تھی مطلب یہ کہ شیعی تو محب حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں وہ تو ہو نہیں سکتے بس سنی ہی ہوں گے حالانکہ یہ تاریخ کے خلاف ہے مگر بے چارہ ناخواندہ پٹھان تاریخ کیا جانے شیعی صاحب سمجھتے تھے کہ یہ بیچارہ اس کا جواب کیا دے گا) خان صاحب بولے جناب واقعات تو واقف لوگ جانتے ہوں گے مگر ایک بات موٹی تو ہم بھی سمجھ سکتے ہیں۔ وہ یہ کہ ہم نے سنا ہے جو اصحاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کو برا کہے اس نے اللہ ورسول کو برا کہا اور جو اللہ ورسول کو برا کہے وہ کافر ہے اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرنا مسلمان کا کام تو ہے نہیں کافر ہی ایسا کرسکتا ہے۔ اب دیکھ لیجئے ان کے شہید کرنے والے کون تھے۔ شیعی صاحب باوجود خواندہ ہونے کے دم بخود ہی تو رہ گئے۔

(الافاضات الیومیہ ج:۴ ص:۷۴تا۷۶)

ابوبکرؓ ایک سو علیؓ ایک جانب خلافت کو گھیرے ہیں باصد صفائی
الف اور یاء کی طرح ان کو جانو کہ محصور ہے جن میں ساری خدائی
یہ تشبیہ ہے واقعی تو جگہ بھی الف اور یاء نے بترتیب پائی
وہ اول خلیفہ کے اول میں آیا یہ آخر خلیفہ کے آخر میں آئی

یعنی جیسے لفظ الف اور یاء تمام حروف کو گھیرے ہوئے ہیں اسی طرح حضرت ابوبکر اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تمام خدائی کو محیط ہیں اور یہ تشبیہ واقعی ہے اس لئے الف اور یاء نے دونوں کے ناموں میں جگہ بھی بترتیب پائی کہ الف اول خلیفہ کے نام کے اول میں آیا اور یاء آخر خلیفہ کے نام کے آخر میں آئی اور یہ محض ایک لطیفہ ہے اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ہمارا مدعا ان لطائف ہی پر موقوف ہے۔

اہلِ سنّت کے دلائل محض لطائف پر مبنی نہیں

بلکہ اہل سنت کے پاس حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حقیقت خلافت پر دلائلِ صحیحہ تو یہ موجود ہیں جس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ جس ترتیب سے ان حضرات کی خلافت وقوع میں آئی، وہی حق ہے۔ پھر دلائل سے مقصود ثابت ہو جانے کے بعد تفریح طبع کیلئے لطائف کے بیان کا بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ باقی ان سے استدلال مقصود نہیں گو دوسرے فرقوں کے یہاں دلائل بھی اسی قسم کے ہیں وہ لطائف ہی کو دلائل کے موقع میں بیان کرتے ہیں اور بیچارے ایسا نہ کریں تو کیا کریں کیونکہ باطل کیلئے دلیل صحیح کہاں سے آئے چنانچہ ایک شیعی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف اور فضیلت میں یہ شعر کہا ہے۔

علیؓ کا نام بھی نامِ خدا کیا راحت جاں ہے
عصائے پیر ہے تیغ جواں ہے حرز طفلاں ہے

اس میں لطیفہ یہ ہے کہ "ع" کی شکل اوپر سے مثل عصا کے ہے اور عدد اس کا

ستر ہے جو بوڑھے شخص کی عمر ہے اور ''ل'' کی خمدار شکل تلوار کی سی ہے اور عدد اس کا تیس ہے جو جوان کی عمر ہے اور ''ی'' کی شکل تعویذ کی سی ہے اور عدد اس کا دس ہے جو بچہ کی عمر ہے۔ لطیفہ بہت عمدہ ہے مگر اس کو دلیل بنانا جیسے بعض اہلِ غلو کی عادت ہے، غلط ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت کا کس کو انکار ہے مگر اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ تم خلفائے ثلاثہ کی مفضولیت کو ان لطائف سے ثابت کرنے لگو۔ ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے بہت فضائل ہیں جو ان لطائف سے اقویٰ ہیں مگر حضرات خلفائے ثلاثہ کا درجہ ان سے بڑھا ہوا ہے۔

کیا شیعہ قرآن پاک کا حافظ ہوسکتا ہے؟

اسی طرح کانپور میں ایک شخص نے مجھ سے ایک شیعی کا قول نقل کیا کہ اس نے اپنی جماعت پر سے قرآن کے حفظ نہ کر سکنے کا الزام اس طرح اتارا کہ سنی جو قرآن حفظ کرتے ہیں وہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کی برابری کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی حافظ قرآن ہیں تو یہ لوگ حفظ کر کے اس صفت میں خدا کی برابری کرتے ہیں اور شیعی ایسی گستاخی نہیں کرتے ہیں۔ کہا کہ اس شیعی سے یہ بھی کہہ دینا کہ تمہارا خدا کیسا ہے کہ سنیوں کا بچہ بچہ اس کی برابری کر سکتا ہے بس جس سنی کا دل چاہے وہ قرآن حفظ کر کے اس کی برابری کر لے اور ہمارا خدا ایسا ہے کہ جس کی برابری تمام دنیا بھی مل کر کرنا چاہے تو کسی بات میں بھی برابری نہ کر سکتے۔ غرض یہ ہیں ان شیعوں کے دلائل جن پر جاہل سے جاہل آدمی بھی ہنستا ہے۔ چونکہ اس جگہ شیعوں کے حفظ قرآن کا ذکر آ گیا اس لئے استطراداً ایک اور بات کہتا ہوں۔ وہ یہ کہ آج کل مسلمانوں میں یہ بات زیر غور ہے کہ شیعہ کو قرآن حفظ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور بہت لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ شیعہ ہرگز حفظ نہیں کر سکتے اور اس دعوی کو بہت زور کے ساتھ شیعہ کے مقابلے میں ان کو عاجز کرنے کیلئے بیان کرتے ہیں اور کسی شیعہ نے آج تک ایسے مواقع میں اپنا کوئی حافظ پیش نہیں کیا اور اس بات سے وہ بہت عاجز اور نادم ہو جاتے ہیں لیکن یہ سمجھ

لینا چاہئے کہ یہ کوئی شرعی مسئلہ نہیں۔اس کی بنا محض تجربہ غالبہ پر ہے اس لئے ہم زبان سے اس کا دعویٰ نہیں کر سکتے کہ شیعہ سے حفظ قرآن محال یا متعذر ہے۔اب رہی یہ بات کہ ان میں حافظ کیوں نہیں ہوتے؟ آیا اس کا منشأ حضرات خلفائے ثلاثہ کی شان میں گستاخی ہے جس کی نحوست سے ان کو حفظ نہیں ہو سکتا یا کچھ اور بات ہے تو میرا خیال یہ ہے کہ اس میں گو اس گستاخی کی نحوست کو بھی دخل ہو مگر اس کا اصل منشأ ان لوگوں کی بے توجہی ہے کہ ان کو قرآن کے ساتھ لگاؤ اور دلچسپی نہیں اس لئے ان کو اس کے پڑھنے پڑھانے اور حفظ کرانے کا اہتمام بھی نہیں اور ممکن ہے کہ اس عدمِ اہتمام اور عدمِ تعلق کا سبب اس کے محرف (۱) ہونے کا اعتقاد ہو۔بہر حال عدم حفظ کا سبب قریب تو عدمِ اہتمام ہی ہے اب عدمِ اہتمام کا سبب جو بھی چاہے ہو۔اگر یہ لوگ بھی سنیوں کی طرح قرآن کے پڑھنے پڑھانے کا اہتمام کرتے تو غالباً ان کو بھی قرآن حفظ ہو سکتا تھا۔محال یا متعذر ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔

تراویح میں قرآن سنانا بقائے حفظ کا سامان ہے

چنانچہ پانی پت میں شیعہ کے بعضے بچے حافظ ہو جاتے ہیں مگر رہتے نہیں اور حفظ نہ رہنے کا سبب بھی وہی عدم اہتمام ہے۔ایک شیعی لڑکا غلام سردار میں نے خود دیکھا ہے کہ وہ حافظ ہو گیا تھا مگر بعد میں سنی ہو گیا تو رمضان کے موقع پر اس نے اپنی جماعت سے کہا کہ تراویح میں میرا قرآن سنو۔انہوں نے کہا کہ ہمارے یہاں تو نہ جماعت ہے نہ تراویح ہے۔اس نے کہا کہ جب تراویح میں میرا قرآن نہ سنا جائے گا تو مجھے محفوظ کیونکر رہے گا؟ شیعوں نے کہا کہ جو کچھ بھی ہو ہم تیری وجہ سے تراویح تو نہیں پڑھ سکتے اس نے کہا کہ پھر میں سنی ہوتا ہوں تا کہ میرا حفظ باقی رہے چنانچہ وہ سنی ہو گیا تو اس لڑکے کو دیکھ کر میرا خیال یہی ہے کہ شیعہ کے عدمِ تحفظ کا سبب ان کا عدم اہتمام

---

(۱) تحریف کیا جانا

ہے۔ اگر وہ تحفظ کا اہتمام کریں تو حافظ ہو سکتے ہیں مگر حافظ رہیں گے نہیں کیونکہ بقاء حفظ کا سامان ان کے یہاں نہیں اور تنہا پڑھنے سے حفظ باقی نہیں رہتا۔ اس میں کچھ تراویح (۱) میں سنانے کو خاص دخل ہے مگر میں نے اپنا یہ خیال اپنی جماعت کے سامنے

---

(۱) میں کہتا ہوں کہ اسی بات کو دیکھ کر حضرات فقہاء (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے تراویح میں ختم قرآن کو ایک بار سنت مؤکدہ کہا ہے اور کسل قوم سے بھی اس کے ترک کی اجازت نہیں دی۔ اگر اس حکم کو بدلا گیا اور ختم واحد کو بھی لازم نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ شیعہ کی طرح سنیوں میں سے بھی حفظ قرآن کا سلسلہ جاتا رہے۔ وليست التراويح بـأكد من حفظ القرآن فلما انحصر طريق بقاءه في الختم مرة في التراويح بالتجربة لزم القول بتأكده (لا في نفسه بالغير) ولهذا ذهب بعض فقهائنا الى عدم تأكد التراويح بعد حصول الختم فيها مرة ولا يلزم من وعد الله بحفظه عدم لزوم الإهتمام باسبابه كيف وقد حرمنا كتابة ترجمة القرآن مجردة عن المتن وإشاعتها كذلك لإخلال ذلك في حفظ القرآن وإفضاءه إلى إنعدامه ظاهراً فكذا هذا ولعمري ان قول الفقهاء بتأكد الختم مرة في رمضان وإن لم يظهر لنا دليله نصاً لا يحتاج بعد مشاهدة هذا الحال إلى دليل. هذا ما عندي والله تعالى اعلم ۱۲ (تراویح حفظ قرآن سے زیادہ مؤکد نہیں ہیں۔ جبکہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ حفظ قرآن کے باقی رکھنے کا طریق تراویح میں ایک مرتبہ ختم کرنے میں منحصر ہے تو تراویح کے مؤکد ہونے کا قائل ہونا لازم آگیا نہ فی نفسہ بلکہ بغیرہ۔ اسی بنا پر ہمارے بعض فقہاء ایک مرتبہ تراویح میں ختم قرآن ہونے پر تراویح کے مؤکد نہ ہونے کی طرف گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا اس کی حفاظت کرنے کا وعدہ کرنے پر یہ لازم نہیں کہ اس کی حفاظت کے اسباب کا اہتمام نہ کیا جائے۔ اس کے اسباب کے اہتمام کرنے کی وجہ سے ہم نے قرآن کی عبارت کو چھوڑ کر محض ترجمہ کی طباعت اور اس کی اشاعت کو حرام کر دیا ہے تا کہ وہ ظاہراً حفاظت قرآن میں مخل اور اس کے انعدام کی طرف مفضی نہ ہو۔ اپنی جان کی قسم فقہاء کا رمضان میں ایک مرتبہ ختم قرآن کے مؤکد ہونے کا قول اگرچہ نص میں اس کی دلیل ہم کو نہیں ملی، اس حالت کے مشاہدہ کے بعد کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ یہ میرے نزدیک ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

بیان کر دیا ہے کہ یہاں سب اپنے ہی ہیں اور اس ضرورت سے بیان کیا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ شیعہ کا حافظ نہ ہونا کوئی شرعی مسئلہ نہیں جیسا کہ بہت سارے عوام کا خیال ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میرے اس خیال کو شیعہ میں مشتہر کیا جائے۔ ایک صاحب نے غضب کیا کہ ضلع مظفر نگر میں ایک مقام پر شیعوں اور سنیوں کی اس بات پر گفتگو ہو رہی تھی کہ شیعہ حافظ قرآن نہیں ہوتے اور اس بات سے وہ لوگ بہت شرمندہ ہو رہے تھے۔ اس مجلس میں اس بھلے مانس نے میرا یہ قول بیان کر دیا کہ میں نے فلاں شخص کی تحقیق اس مسئلہ میں یہ سنی ہے کہ شیعہ اس لئے حافظ نہیں ہوتے کہ اس کا وہ اہتمام نہیں کرتے۔ اگر اہتمام کریں تو حافظ ہو سکتے ہیں۔ اس کو سن کر شیعہ بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے واقعی اس شخص نے دماغ حکیمانہ پایا ہے۔ سبحان اللہ کیا سچا فیصلہ کیا۔ میں کہتا ہوں کہ جب تم کو میرے حکیمانہ دماغ کا اقرار ہے تو پھر میرا مذہب کیوں نہیں اختیار کر لیتے کیونکہ جس کا حکیمانہ دماغ ہوگا وہ مذہب بھی صحیح اختیار کرے گا۔ یہ کیا کہ اس بات میں تو میرا دماغ حکیمانہ ہو گیا جو ان کے موافق اور مطلب کی تھی اور باقی باتوں میں حکیمانہ دماغ نہ رہا۔ اس کی مناسبت سے ایک اور واقعہ یاد آ گیا کہ میں ایک دفعہ سادات کے گاؤں میں گیا جہاں ایک سنی نے مجھے وعظ کیلئے بلایا تھا تو اس موقع پر یہ لوگ ایسی خاطر سے پیش آئے کہ میں شرما گیا کیونکہ شیعوں میں ظاہری تہذیب بہت ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض شیعہ نے بیعت کی بھی درخواست کی مگر میں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ اس کے کچھ شرائط ہیں جو بذریعہ خطوط طے ہو سکتے ہیں اور ٹالنے کی وجہ یہ تھی کہ میں جانتا تھا کہ جس وقت شرائط بیعت پیش کروں گا جن میں سب سے پہلے تبدیل مذہب کی شرط ہوگی تو اس وقت یہ سب تہذیب رخصت ہو جائے گی۔

(استمرار التوبہ ملحقہ مواعظ راہ نجات ص: ۱۴۰ تا ۱۴۴)

عظمتِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر وعظ حکیم الامت (رحمہ اللہ تعالیٰ)

کانپور کے قیام کے زمانہ میں جب حضرت (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے یہ دیکھا کہ

عشرۂ محرم میں اہل السنۃ والجماعۃ بھی اہل تشیع کی مجالس عزا کو رونق دیتے ہیں تو حضرت حکیم الامت (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے ان کی عادت کی نبض دیکھ کر اس کا یوں علاج کیا کہ آپ (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے بھی اول عشرۂ محرم میں روزانہ بالترتیب سرور کائنات ﷺ اور خلفائے راشدین کے واقعاتِ وفات بیان کرنا شروع کر دیئے تاکہ مشاہیر اسلام کے واقعات سننے کی عادت بھی نہ چھوٹے اور اہل عزا کے ساتھ تشبہ بھی نہ رہے۔ مجدد کا بس یہی کام ہوتا ہے کہ وہ اپنی بصیرت اور فراست سے لوگوں کی فطرت معلوم کر کے ان کی عادت نہیں بدلتا، ہیئت بدل دیتا ہے۔ حضرت کی مجلس کا رنگ ایسا نکھرا کہ اب ادھر مجمع ہونا شروع ہو گیا۔ صرف سنی ہی نہیں، شیعہ بھی بکثرت حضرت کی مجلس میں آنے لگے۔ جس سے ان کی اپنی مجلسیں پھیکی پڑ گئیں۔ اب جو حضرت کا بیان شروع ہوا تو انہوں نے اول تینوں خلفائے عظام کے واقعات کچھ اس انداز سے پیش کئے کہ اہل تشیع حضرات کے ساتھ سب رو رہے تھے اور شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس خوبی کے ساتھ بیان کی کہ ہائے ہائے کرنے والے واہ واہ کرنے لگے اور اتنے درد بھرے واقعہ پر کسی کی آنکھ سے ایک آنسو نہ نکلا حالانکہ اس میں شیعہ بکثرت موجود تھے۔ حضرت کے ان کارناموں پر لوگوں کو صرف حیرت ہی نہ ہوئی بلکہ عظمتِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انہیں پہلی بار احساس ہوا۔

اسلام اور کفر کی لڑائی

حضرت مولانا یعقوب صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) ایک زمانہ میں اجمیر تشریف رکھتے تھے۔ اتفاق سے عشرۂ محرم میں ایک مقام پر تعزیہ داروں اور ہندوؤں میں جھگڑا ہو گیا۔ (کوئی درخت تھا اور یہ جھگڑا اس درخت کے متعلق تھا) تو وہاں کے سنی عمائد نے علماء سے استفتاء کیا کہ ہندوؤں کا اور تعزیہ داروں کا جھگڑا ہے ہم کو کیا کرنا چاہئے؟ تو علماء نے جواب دیا کہ کفر اور بدعت کی لڑائی ہے اس لئے تم کو الگ رہنا چاہئے۔ پھر وہ لوگ مولانا کے پاس دریافت کرنے آئے۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ

بدعت اور کفر کی لڑائی نہیں ہے بلکہ اسلام اور کفر کی لڑائی ہے۔ کفار بدعت سمجھ کر تھوڑا ہی مقابلہ کر رہے ہیں بلکہ وہ تو اسلامی شعار سمجھ کر مقابلہ کر رہے ہیں۔ جاؤ ان کا مقابلہ کرو۔ غرضیکہ تمام مسلمان متحد ہو کر لڑے اور فتح ہوئی۔ تو ان چیزوں کو سمجھنے کیلئے فہم اور عقل کی ضرورت ہے۔ صرف ایک ہی پہلو پر نظر نہ کرنا چاہئے۔

(حضرت حکیم الامت (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے حیرت انگیز واقعات ص:۶۲۳)

حکایت علی نقی خان

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ پہلے زمانہ میں پکے لوگ ہوا کرتے تھے۔ بادشاہوں کے دربار میں بھی معمولی معمولی لوگ حق بات کہنے سے نہیں رکتے تھے۔ واجد علی شاہ کے زمانہ میں علی نقی وزیر اعظم تھا۔ بڑا ہی متعصب شخص تھا۔ اسی زمانہ میں شاہی مطبخ کے ایک داروغہ تھے سنی۔ ان کی مہر ہو کر واجد علی شاہ کے دستر خوان پر کھانا آتا تھا۔ ان داروغہ نے اپنی مہر پر اپنے نام کے ساتھ چار یاری بھی کندہ کرا رکھا تھا۔ ایک روز علی نقی نے براہِ شرارت ان داروغہ سے کہا کہ خان صاحب آپ کی مہر پر جو آپ کے نام کے ساتھ چار یاری کندہ ہے کیا آپ کی بیوی بھی چار یاری ہیں؟ کہا کہ جی ہاں وہ بھی چار یاری ہیں مگر آپ کی بیگم سے ایک یار کم، اس لئے کہ وہ پنجتنی ہے۔ واجد علی شاہ بھی سن رہے تھے وزیر پر خفا ہوئے کہ اور چھیڑا اپنے بہنوئی کو۔ میں نے تم کو بارہا منع کیا ہے کہ ان لوگوں کو مت چھیڑا کرو مگر تم باز نہیں آتے۔ اب جواب کیوں نہیں دیتے خاموش کیوں ہو۔ ایک حکایت اور یاد آئی۔ واجد علی شاہ سواری پر چلے جا رہے تھے ایک سنی خدمت گار ساتھ تھے۔ ایک قبرستان پر گزر ہوا۔ ٹوٹی پھوٹی قبریں تھیں۔ ایک قبر پر کتا ٹانگ اٹھائے پیشاب کر رہا تھا۔ واجد علی شاہ قرائن سے سمجھے کہ ایسے قبرستان سنیوں کے ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ شیعوں کے قبرستان پر تکلف ہوتے ہیں اس لئے کہ حکومت تھی اور یہ لوگ اکثر پیسے والے بھی ہوتے تھے۔ واجد علی شاہ نے ان سنی سے کہا کہ یہ قبر کسی سنی کی معلوم ہوتی ہے۔ اس سنی نے جواب دیا کہ جی

حضور صحیح فرمایا جب ہی تو رافضی کتا اس پر پیشاب کر رہا ہے۔ کیا ٹھکانہ تھا اس دلیری کا۔ بادشاہ کی بھی پرواہ نہ کی فوراً ترکی بترکی جواب دیا۔ آج کل تو مصلحت پرستی ہی میں رہتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی حکایت ہے جو ملازمت بھی انہی کے یہاں کرتے تھے اور ملازمت بھی ادنی درجہ کی۔ اب تو کوئی برابر والے کے سامنے بھی ایسی بات نہیں کر سکتا۔ ان لوگوں کے ایمان قوی تھے۔

باطل عقیدہ رکھنے والے سید کی مثال

فرمایا کہ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) بڑے صاحبِ کشف تھے اور تقوی میں مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے بڑھ کر تھے۔ مولوی فضل حق صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) معقولی، حدیث میں آپ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے شاگرد تھے۔ ان سے ایک سید شیعی نے یہ کہا کہ سنا ہے تمہارے استاذ بڑے صاحبِ کشف ہیں۔ میں تو جب جانوں کہ جب میں جاؤں تو وہ میری تعظیم کیلئے باعتبار میری سیادت کے کھڑے ہو جاویں اور ان کو میرا سید ہونا معلوم ہو جاوے۔ حضرت شاہ عبدالقادر (رحمہ اللہ تعالیٰ) کسی کی تعظیم نہ فرماتے تھے۔ مزاج میں سادگی بہت تھی اور ان کی یہ بھی ایک کرامت تھی کہ اہل حق کے سلام کے جواب میں داہنا ہاتھ اور اہلِ باطل کے سلام کے جواب میں بایاں ہاتھ خود بخود اٹھ جاتا تھا۔ پس وہ شخص مولوی فضلِ حق صاحب کے ساتھ آیا تو سلام کیا جواب تو حسبِ عادت شاہ صاحب کے ملا یعنی مولوی صاحب کے سلام پر داہنا ہاتھ اور اس شیعی کے سلام پر بایاں ہاتھ اٹھ گیا مگر شاہ صاحب تعظیم کیلئے نہیں کھڑے ہوئے۔ مولوی فضل حق صاحب دل میں بہت زچ پچ ہوئے کہ کاش اس وقت کھڑے ہو جاتے تو میری بات رہ جاتی۔ شاہ صاحب دفعۃً کھڑے ہو گئے اور فرمایا میر صاحب یہ آپ کی سیادت کی تعظیم ہے اور میں نے جو اول تعظیم نہ کی تھی وجہ اس کی یہ ہے کہ باوجود سیادت کے تم میں عقائد باطلہ مل گئے ہیں۔ تمہاری مثال قرآن محرف کی سی ہے جس کی تعظیم غیر واجب ہے اور شاہ صاحب

کی ایک تیسری کرامت اس شیعی نے وہاں سے اٹھنے کے بعد بیان کی کہ جب میں یہاں آیا تھا تو دل میں تبرا کہنا شروع کیا تھا اور پاس بیٹھ کر بھی دل میں وہی شغل رکھا مگر کیفیت یہ تھی کہ اس کے خیال کرنے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص چھریاں مار رہا ہے یا سوئیاں چبھو رہا ہے۔ جب وہ خیال رفع کر دیتا راحت ہو جاتی تھی۔ پھر خیال کرنے سے وہی کیفیت ہو جاتی تھی۔ اس کرامت کو بیان کر کے اس شیعی نے مولوی صاحب سے کہا کہ تمہارے استاذ بڑے ساحر ہیں۔ (ملفوظات خبرت)

اہل تشیع کا ایک عقیدۂ فاسد

فرمایا بعضے نعت والے جاہل اللہ میاں کو عاشق اور حضور ﷺ کو معشوق کہتے ہیں یا شیعی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نعوذ باللہ حضور ﷺ سے بھی بڑھا دیتے ہیں۔ چنانچہ کسی شیعی نے ایک شعر لکھا تھا جس میں صریح طور پر تو فضیلت کا حکم نہیں دیا لیکن یہ کہا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کے داماد تھے اور داماد ایسے ہی کو تجویز کیا جاتا ہے جو اپنے سے افضل ہو لیکن اگر یہی بات ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تو حضور ﷺ کے داماد تھے بلکہ داماد ہونے کی صفت ان میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ موجود تھی کیونکہ ان کے نکاح میں حضور ﷺ کے اپنی دو لڑکیاں یکے بعد دیگرے دیں تو انہیں افضل کیوں نہیں کہتے؟

(الافاضات الیومیہ ج:۹ ص:۱۵۰)

یہ بطور الزامی جواب کے ارشاد فرمایا ورنہ حضور ﷺ کی شان تو یہ ہے کہ

ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

سعادت علی خان کا اہل تشیع کو منصفانہ جواب

فرمایا سعادت علی خان بڑا فارسی دان اور حاضر جواب تھا۔ اس کی حکایت ہے کہ اس نے ایک سنی کو قاضی بنا دیا۔ اس پر شیعوں نے شکایت کی کہ آپ نے ایک

عمری کے عدالت سپرد کر دی۔ سعادت علی خان نے کہا کہ ''چوں عدل بعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تعلق دارد لاجرم بعمریاں سپرد شد۔'' (جدید ملفوظات ص:۲۶۱)

یعنی جب عدل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تعلق رکھتا ہے تو یہ عمریوں کو عدالت سپرد کرنا جرم نہیں۔

مجالس شیعہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر نہیں کرتے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شیعہ مجلس کرتے تو ہیں مگر امام صاحب کے نام کی ایک بھی نہیں۔ کہیں شیر مال کی ہوتی ہے، کہیں جلیبی کی ہوتی ہے، کہیں حلوے کی ہوتی ہے۔ (الافاضات الیومیہ ج:۲ ص:۲۸)

چنانچہ واقعہ ہے ایک شیعہ نے سنی سے کہا کہ تم امام کی مجلس میں کیوں نہیں آتے؟ اس نے کہا کہ امام کی مجلس کب ہوتی ہے چنانچہ اسی دوران ایک صاحب آئے اور کہا کہ مجلس چلو گے۔ پوچھا کس چیز کی؟ کہا شیر مال کی۔ تھوڑی دیر میں ایک صاحب نے اور یہی کہا۔ انہوں نے کہا کس چیز کی مجلس ہے؟ کہا بریانی کی۔ غرض جتنے صاحب تھے سب نے چیزوں کا نام لیا، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نہیں لیا۔

حکایت ملا دو پیازہ اور مجتہد ایران

نور جہاں مذہباً شیعہ تھی اور جہانگیر کو بلطائف وحیل اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے اس نے ایک جلسہ کیا اور اپنے یہاں ایران سے ایک مجتہد کو بلایا۔ مباحثہ کی تاریخ مقرر ہوئی۔ مباحثہ کیلئے شیخ عبدالحق (رحمہ اللہ تعالیٰ) تجویز کئے گئے۔ یہ فکر میں تھے۔ ملا دو پیازہ ان کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے جب ان کو متفکر دیکھا تو کہا کہ آپ کیوں فکر میں بیٹھے ہیں اس کام کیلئے میں حاضر ہوں۔ شیخ نے فرمایا کہ وہاں علمی مجلس ہوگی۔ ایسے موقع پر تمہاری ظرافت کیا کام دے گی؟ ملا دو پیازہ نے کہا کہ نہیں حضرت آپ میرا نام لکھا دیجئے اس کو میں انجام دوں گا۔ جب مجلس آراستہ ہوئی تو

آپ اس صورت سے تشریف لائے کہ ایک تھان تو سر پر باندھا اور ایک تھان کا شملہ ٹوکرے میں ایک آدمی کے سر پر رکھا۔ مجتہد نے پوچھا کہ یہ عمامہ کیسا؟ تو جواب دیا کہ حضرت! شملہ بمقدار علم۔ آپ دیکھیں گے کہ میرا علم کتنا بڑا ہے۔ جب یہ مجلس کے اندر جانے لگے تو انہوں نے اپنی جوتی اٹھائی۔ مجتہد نے کہا کہ شاہی مجلس میں جوتوں کی ایسی حفاظت؟ یہ حرکت خلاف تہذیب ہے۔ انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں شیعہ چور ہوتے تھے۔ یہ شیعوں کی مجلس ہے ممکن ہے کہ کوئی شیعی چرا لے۔ مجتہد نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں شیعہ کہاں تھے۔ کہا کہ آہا میں بھولا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں۔ مجتہد نے کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں کہاں تھے۔ انہوں نے کہا کہ آہا پھر بھولا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں۔ مجتہد نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بھی کہاں تھے۔ انہوں نے کہا نسیان کتنا بڑھ گیا ہے میں بھولا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں۔ مجتہد نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں کہاں تھے۔ تاریخ بھی دیکھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب نہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تھے نہ حضرت ابوبکر، عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں تو پھر یہ اب کہاں سے آ گئے؟ پھر انہوں نے مجتہد کے کان میں جا کر کہا کہ اپنی بیگم صاحبہ سے میرا سلام عرض کر دیں۔ اس پر مجتہد بہت بگڑا تو انہوں نے کہا کہ اپنی بیگم کو سلام کہنے سے تو اتنا برا مانا۔ شرم نہیں آتی کہ ازواج مطہرات پر برملا تبرا کرتے ہو۔ مجتہد نے کہا کہ یہ فضولیات چھوڑو۔ اب علمی مجلس ہونا چاہئے۔ انہوں نے سوال کیا درحق سلیم چشتی چہ گوئی؟ مجتہد نے کہا کہ سلیم چشتی چہ گیدی خرست۔ بادشاہ چونکہ سلیم چشتی (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے بیعت تھا ملا دو پیازہ نے بادشاہ کو مخاطب کر کے کہا کہ جو کچھ مجتہد صاحب کہتے ہیں وہ آپ نے سنا۔ بادشاہ کو اس جملہ پر نہایت غیظ ہوا اور حکم دیا کہ دربار سے پا بجولاں نکال دیا جائے۔ اس پر نور جہاں نے خلوت میں بادشاہ سے شکایت کی کہ میرے وطن اور مذہب کے مجتہد کی بر سر دربار اس طرح بے عزتی کی۔ جہانگیر نے کیا عمدہ جواب دیا ہے کہ جاناں! بتو جاں

دادم نہ کہ ایمان ۔ (۱) یہ ایک عام مشہور حکایت ہے جس سے مقصود ایک ظرافت کا نقل کرنا ہے اس پر کسی تحقیق کا مدار نہیں ۔

(جدید ملفوظات ص: ۲۳۹،۲۳۸)

ایک شیعی مجتہد کی دعوت مناظرہ قبول فرمانا

ارشاد فرمایا کہ خدا کے فضل اور بزرگوں کی دعا سے جس نے مجھ سے ایک بار بھی پڑھ لیا پھر کبھی اس نے کسی دوسرے سے پڑھنا پسند نہیں کیا۔ ایک شیعی مجتہد نے ایک مرتبہ کہلا بھیجا کہ مناظرہ کرلو۔ میں نے کہلا بھیجا کہ آجاؤ حالانکہ وہ اپنے یہاں کی کتابیں بھی اور ہمارے یہاں کی کتابیں بھی دیکھے ہوئے ہوتے ہیں کیونکہ مناظرہ کے موقعے پیش آتے رہتے ہیں نیز ویسے بھی انہیں بحث مباحثوں سے دلچسپی ہوتی ہے۔ مجھے نہ کبھی شیعوں سے مناظرہ کا اتفاق ہوا تھا نہ کبھی ان کی کتابیں دیکھنے کا شوق ہوا مگر چونکہ اس نے خود مناظرہ کیلئے کہلا بھیجا تھا اگر اس کی دعوت مناظرہ قبول نہ کرتا تو بڑی ذلت تھی ۔ توکلا علی اللہ کہلا بھیجا کہ آجاؤ مگر ڈرتا رہا کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے خدا تعالیٰ عزت رکھ لے۔ اسی تردد میں تھا کہ رات کو خواب میں دیکھا کہ میں مولانا محمد یعقوب صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے سامنے بخاری شریف کا درس دے رہا ہوں ۔ بخاری کا نسخہ ایک مولانا کے پاس ہے ایک میرے سامنے اور مولانا نے رومال بچھا رکھا ہے اور کنگھا کر رہے ہیں ۔ درس کے وقت بھی مولانا کا معمول تھا کہ کنگھا فرماتے رہتے تھے اور سامنے رومال بچھا لیتے تھے تا کہ جو بال گریں رومال پر گریں ۔ فرماتے تھے کہ کنگھے سے سر کے مسامات کھل جاتے ہیں اور دماغ کے بخارات نکل جاتے ہیں ۔ غرض میں نے خواب میں دیکھا کہ میں بخاری شریف پڑھا رہا ہوں اور میری تقریر پر مولانا فرماتے جاتے ہیں کہ ٹھیک ہے ۔ پھر تو میرے دل میں اتنی قوت ہوگئی کہ چاہے مجتہد کا

---

(۱) اے محبوب! میں نے تجھ کو جان دی ہے نہ کہ ایمان ۔

دادا بھی آجائے اس پر بھی غالب آجاؤں گا۔ حضرت اس خواب کی ایسی برکت ہوئی کہ اس شیعی مجتہد کی ہمت ہی نہ ہوئی کہ وہ مناظرہ کیلئے میرے پاس آتا۔ وہاں چند روز بعد آیا تو نیاز مندانہ اور معتقدانہ آیا۔ بس پھر اس نے معمول کرلیا کہ کبھی کبھی ملاقات کیلئے آتا لیکن مناظرہ کی کبھی ہمت نہ ہوئی۔ کانپور میں بڑے بڑے رئیس شیعی سنی سب کے قلب میں خدا تعالی نے ایسی بات ڈال دی تھی کہ سب نیاز مندانہ اور معتقدانہ آتے تھے۔ یہ سب بزرگوں کی برکت تھی ورنہ لیاقت جس کا نام ہے، اس وقت تو کیا اتنی عمر گزر گئی اب تک بھی حاصل نہیں ہوئی۔ اللہ تعالی نے اس وقت بھی پردہ پوشی فرمائی اور اب آسان عذر ہے کہ بڑھاپے سے مجھے قوت نہیں دوسری جگہ سے دریافت کرلو۔

شیعی تھانے دار کے لڑکے کی تھانہ بھون کیلئے دعا کروانے کی حکایت

یہاں ایک شیعی تھانے دار تھے ان کا ایک لڑکا تھا وہ بزرگوں کا بہت معتقد تھا۔ وہ کہتا تھا کہ میں ایک مرتبہ دہلی کے چاندنی چوک میں جارہا تھا کہ ایک مجذوب نظر پڑے جو برہنہ سر اور برہنہ پا تھے۔ میں نے ان کو دیکھتے ہی ارادہ کیا کہ بازار سے خرید کر ان کو جوتا اور ٹوپی پہناؤں گا۔ یہ خیال دل میں آنا تھا کہ ان مجذوب نے بہت ڈانٹ کر یہ شعر پڑھا۔

پا برہنہ نیستم دارم کلاہ چار ترک　　　ترک دنیا ترک عقبی ترک مولی ترک ترک

(اس شعر کی تاویل اہل طریق جانتے ہیں۔) پھر اس شیعی لڑکے نے تھانہ بھون کیلئے دعا کروائی۔ کہتا تھا خدا جانے سچ یا جھوٹ کہ اس مجذوب نے کہا کہ تھانہ بھون کیلئے دعا کرواتا ہے ارے وہ قصبہ تو اس قابل ہے کہ غرق کردیا جائے مگر دو شخصوں کی وجہ سے بچا ہوا ہے۔ ایک مردہ کی وجہ سے اور ایک زندہ کی وجہ سے۔ مردہ تو شاہ ولایت صاحب کو بتایا کہ وہ قبر میں مچل رہا ہے غرق نہیں ہونے دیتا۔ زندوں میں میرا نام لیا مگر ان کشفوں سے کیا جی خوش ہو۔ کشف کوئی حجت شرعی نہیں۔ بڑی چیز تو شریعت ہے اور کسی چیز کا اعتبار نہیں۔ (الافاضات الیومیہ ج:۹ ص:۱۵۹)

بغیر عمل کے رونا نحوست ہے

بڈولی کے رافضی ہر بات میں مجلس عزا کرتے تھے۔ ایک صاحب نے کہا کہ وہ خود شیعی تھے اور مجلس میں بیان کرنے کیلئے بلائے جایا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ بڈولی غارت ہوگئی کیونکہ یہاں ہر وقت رونا ہی رونا ہوتا ہے چنانچہ واقعی غارت ہی ہوگئی۔ (عمل الشکر ملحقہ مواعظ خیر الاعمال ص:۴۸۳)

روافض کے اعتراضات کے جوابات

بروقت وصال حضور ﷺ کا قلم دوات مانگنا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ کہنا کہ کیا ضرورت ہے

ارشاد فرمایا یہ اعتراض صرف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نہیں بلکہ اس میں تو حضور ﷺ پر بھی کتمان حق کا اعتراض لازم آتا ہے۔ آپ پر تبلیغ احکام فرض تھی اگر کوئی حکم واجب تھا تو آپ ﷺ نے کیوں نہ ظاہر فرمادیا۔ اگر اس وقت دوات قلم نہیں آئی تو دوسرے وقت منگا کر تحریر فرمادیتے کیونکہ آپ ﷺ کئی روز اس واقعہ کے بعد زندہ رہے ہیں۔

چنانچہ یہ واقعہ پنج شنبہ کا ہے اور وفات دوشنبہ کو ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو کوئی نیا حکم ارشاد فرمانا نہ تھا بلکہ کسی امر قدیم کی تجدید و تاکید مقصود تھی۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمجھ گئے اس لئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گوارہ نہ فرمایا کہ حضور ﷺ تکلیف فرمائیں۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ طبیب کسی کو نسخہ بتلائے پھر براہِ شفقت کہے قلم دوات لاؤ لکھ دوں اور مریض یہ دیکھ کر کہ اس وقت ان کو تکلیف ہوگی، کہے کہ کیا حاجت ہے اس وقت تکلیف مت دو۔

اور جواب الزامی یہ ہے کہ قصہ حدیبیہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

صلح نامہ لکھا تھا "هذا ما قضى عليه محمد رسول الله" کفار نے مزاحمت کی کہ ابن عبداللہ لکھو کیونکہ اسی میں تو جھگڑا ہے اگر ہم رسالت کو تسلیم کرلیں تو نزاع کس بات کی۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اس کو مٹادو۔ انہوں نے انکار فرمایا۔ پس ایسی مخالفت تو اس میں بھی ہوئی جس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مخالفت کی تھی۔ پھر فرمایا کہ جواب الزامی مجھے پسند نہیں ہے مگر بطور لطیفہ کے اس وقت بیان کردیا۔

(مجادلات معدلت حصہ اول دعوات عبدیت ص:۲۳۳)

اس شبہ کا جواب کہ حضرت علیؓ کو خلیفہ اول بنانا چاہیے تھا

فرمایا ہمارے بعضے بھولے بھائی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے لڑتے ہیں کہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خلافت لے لی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہ دی۔ میں کہتا ہوں کہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کیلئے دعا کیجئے۔ اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اول سے ہی خلافت دے دی جاتی اور اتنی مدت تک یہ خلیفہ رہتے اور ان حضرات کی مشقت وتعب دین کیلئے اور قلت دنیا کیلئے معلوم ہو چکی تو ان کو کس قدر تکلیف ہوتی جو اٹھائے نہ اٹھتی۔ ان حضرات نے یہ بڑا سلوک کیا کہ اس مصیبت کو خود بانٹ لیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تکلیف نہ پہنچنے دی۔ اور جو کچھ ان حضرات میں شکر رنجی ہوئی اول تو بہت واقعے غلط مشہور ہیں۔ دوسرے جب اتحاد اور دوستی ہوتی ہے تو شکر رنجی بھی ہو ہی جاتی ہے۔ مولانا گنگوہی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اپنے دو خادموں سے جو کہ آپس میں نہایت درجہ اتحاد رکھتے تھے، پوچھا تم دونوں میں کبھی لڑائی بھی ہوئی ہے یا نہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضور کبھی کبھی ہو جاتی ہے مگر پھر اتحاد ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ تمہارا اتحاد پائیدار ہے۔ ذوق کہتا ہے۔

بے محبت نہیں اے ذوق شکایت کے مزے
بے شکایت نہیں اے ذوق محبت کے مزے

ایک عربی حکیم لکھتا ہے ”ویبقی الود ما بقی العتاب“ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ دوستی جب باقی ہے کہ دل میں غبار باقی نہ رہے اور اگر عتاب نہ کیا جائے اور بات کو دل میں رکھا جائے تو تمام عمر بھر بھی دل سے کدورت نہ نکلے گی۔ اور اگر دل کی بھڑاس نکال لی جائے تو پھر دل صاف ہو جاتا ہے حتی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) جو کہ سب سے زیادہ محبّ اور محبوب تھیں، وہ بھی کبھی ناز کے طور پر روٹھ جاتیں۔ حضور ﷺ فرماتے کہ میں تمہاری خوشی و ناراضگی کے وقت کو جانتا ہوں۔ جب تم ناراض ہوتی ہوتو قسم میں ”لا ورب ابراھیم“ اور جب خوش ہوتی ہوتو ”لا ورب محمد“ کہتی ہو۔ حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) عرض کرتی تھیں ”وھل أھجر إلا اسمک“ کہ حضور ﷺ اس صرف آپ کا نام نہیں لیتی ورنہ دل میں تو آپ ہی بسے ہوتے ہوتو اگر آپس میں ان حضرات میں کوئی بات ہوئی بھی ہوتو باہم ایک دوسرے پر ناز ہے۔ ہمارا منہ نہیں کہ ہم اعتراض کریں۔ کانپور میں ایک صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا بھلا کہتے تھے۔ ایک مرتبہ اتفاق سے میں ان سے ملا انہوں نے وہی تذکرہ چھیڑا اور یہ حدیث پڑھی ”من سب أصحابی فقد سبنی ومن سبنی فقد سب اللہ“ اور کہا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نامناسب الفاظ کہہ دیتے تھے تو وہ اس حدیث کے مصداق ہو گئے۔ میں نے کہا کہ صاحب آپ نے غور نہیں کیا اس حدیث کے وہ معنی نہیں جو آپ سمجھے بلکہ اس کے معنی دوسرے ہیں ان کے سمجھنے کیلئے اول آپ ایک محاورہ سمجھئے کہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ جو شخص میرے بیٹے کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے گا میں اس کی آنکھیں نکال دوں گا تو اب بتلایئے کہ یہ وعید کس کیلئے ہے۔ آیا اپنی دوسری اولاد کیلئے بھی کہ وہ آپس میں لڑیں جھگڑیں تو ان کے ساتھ بھی یہی کہا جاوے گا یا غیروں اور اجانب کیلئے ہے۔ ظاہر ہے کہ اجانب کیلئے یہ وعید ہے۔ بس حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ غیر اصحاب میں سے جو شخص میرے اصحاب کو برا بھلا کہے اس کیلئے یہ حکم ہے۔

(فضائل الخشیۃ ص:۳۶)

میں بقسم کہتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل سے پوچھا جائے وہ تو حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے احسان مند ہوں گے کہ انہوں نے ان کو اس مصیبت سے بچالیا کیونکہ حضرات صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کی خلافت شاہان اودھ جیسی بادشاہت نہ تھی کہ دن رات عیش ومستیاں کرتے ہوں۔ وہاں تو ایسی بادشاہت تھی۔ ایک دن گرمی کی سخت دوپہر میں جبکہ لو چل رہی تھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تنہا جنگل کی طرف جارہے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دور سے دیکھا تو پہچان لیا کہ امیر المؤمنین ہیں۔ جب ان کے گھر سے قریب ہوئے تو آواز دی کہ امیر المؤمنین اس وقت سخت گرمی اور لو میں کہاں جارہے ہیں؟ فرمایا بیت المال کا ایک اونٹ ضائع ہو گیا ہے اس کی تلاش میں جارہا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا کہ کسی خادم کو نہ بھیج دیا؟ فرمایا کہ قیامت میں تو سوال مجھ سے ہوتا خادم سے سوال نہ ہوتا۔ عرض کیا پھر تھوڑی دیر توقف کر کے تشریف لے جایئے۔ ذرا گرمی کم ہو جائے۔ فرمایا "نار جهنم اشد حراً" جہنم کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے۔ یہ کہہ کر اسی دھوپ اور لو میں جنگل تشریف لے گئے۔ یہ سلطنت تھی۔

ایک بار آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر کھڑے ہوئے خطبہ پڑھ رہے تھے۔ خطبہ میں فرمایا: اسمعوا واطيعوا. ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: لا نسمع ولا نطیع. آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کیوں؟ اس نے کہا کہ آپ نے دو کپڑے پہن رکھے ہیں جو مال غنیمت سے تقسیم ہوئے ہیں مگر سب کے حصہ میں تو ایک کپڑا آیا تھا۔ آپ نے دو کپڑے کیسے لئے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بیشک تم سچ کہتے ہو۔ اے عبداللہ! تم اس کا جواب دو۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کھڑے ہوئے اور کہا کہ امیر المؤمنین کے پاس آج کوئی کپڑا نہ تھا جس کو پہن کر نماز پڑھاتے تو میں نے اپنے حصے کا کپڑا ان کو عاریۃً دے دیا۔ اس طرح ان کے پاس دو کپڑے ہو گئے جن میں سے ایک کی لنگی بنائی اور ایک کی چادر۔ یہ جواب سن کر

سائل رونے لگا اور کہا جزاک اللہ اب آپ خطبہ پڑھیں ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔ یہ ان حضرات کی حکومت تھی کہ رعایا کا ہر شخص ان کو روک ٹوک کرنے کو موجود تھا تو ایسی صورت میں خلافت کوئی راحت کی چیز ہے جس کی تمنا کی جائے۔ ہرگز نہیں۔ واللہ اس سے زیادہ مصیبت کی چیز کوئی نہ تھی تو کیا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے نہ ملنے سے رنجیدہ ہو سکتے تھے۔ کبھی نہیں۔ دوسرے اگر مان بھی لیا جائے کہ خلافت بڑی راحت کی چیز تھی تو اس کی تمنا وہ کرے جس کے دل میں دنیا کی ہوس اور وقعت ہو تو کیا نعوذ باللہ ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دنیا دار اور طالبِ دنیا سمجھ رکھا ہے جو وہ اس کے نہ ملنے سے رنجیدہ ہوئے ہوں گے۔ اگر وہ ایسا سمجھیں تو ان کو یہ خیال مبارک ہو۔ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں دنیا کی کچھ بھی وقعت یا ہوس نہ تھی کیونکہ ان کو تعلق مع اللہ کی سلطنت حاصل تھی جس کی خاصیت یہ ہے۔

آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند فرزند و عیال و خانماں راچہ کند

پھر ان کو خلافت دیر میں ملی تو کیا۔ اور نہ ملتی تو کیا۔ ان کو کبھی بھی اس کا رنج نہ ہو سکتا تھا بلکہ وہ تو اس سے خوش ہوتے تھے۔ پھر جس بات سے ان کو خوشی ہو آپ اس میں رنج کرنے والے کون ہیں۔ یہ تو وہی بات ہوئی مدعی سست گواہ چست۔ اس دنیا کی بے وقعتی کو حق تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ مال و بنون زینت حیات دنیا ہیں۔

(مظاہر الآمال ص:۱۹)

ایک فرقہ ضالہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بلافصل ایک حدیث سے ثابت کی ہے جس میں حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت "لَحْمُکَ لَحْمِیْ وَدَمُکَ دَمِیْ" آیا ہے اور استدلال اس طرح کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عین رسول ﷺ ہیں اس لئے ان کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو خلافت کا استحقاق نہیں تھا۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں۔ دوسرے میں یہ

کہتا ہوں کہ اس سے عینیت حقیقیہ مراد ہے تو اس سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت ہی کی نفی ہوتی ہے کیونکہ خلیفہ تو غیر ہی ہونا چاہئے۔ کوئی شخص خود اپنا خلیفہ نہیں ہوا کرتا۔ بس بہت سے بہت تم یہ کہہ سکتے ہو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے حضور ﷺ کے خلیفہ تھے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھی خلیفہ تھے تو اس میں ہم تم سے نزاع نہ کریں گے۔

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گزشتی　　　گو مشت خاک ما ہم برباد رفتہ شد

مگر ان کا مدعا تو باطل ہو گیا اور ایک جواب دوسرے علماء نے دیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عین رسول ﷺ ہیں تو حضرت فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے ساتھ ان کا نکاح کیسے ہوا؟ یہ تو حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں معاذ اللہ سخت گالی ہو گی اور عینیت حقیقیہ مراد نہیں اور یقیناً مراد نہیں بلکہ صرف عینیت غیریہ مراد ہے جیسا کہ صوفیاء حضور ﷺ کو اس معنی کر عین حق کہتے ہیں تو پھر یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ خاص نہیں۔ اس معنی کر تو ہر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عینِ رسول ﷺ تھا کیونکہ حضور ﷺ سے سب کو ہی تعلق تھا کسی کو اجنبیت نہ تھی۔

(ارضاء الحق حصہ دوم ص:۱۲)

ازواج مطہراتؓ بھی اہل بیت میں داخل ہیں

فرمایا: حضور ﷺ کی دعا ہے ''اللھم اجعل رزق آل محمد قوتا'' کہ اے اللہ! آل محمد ﷺ کا رزق بقدر قوت کیا جائے اور قدر قوت وہ ہے جس سے بقدر کفایت گزر ہو جائے کچھ فاضل نہ ہو اور اس میں شک نہیں کہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین) بھی آل محمد ﷺ میں داخل ہیں اس لئے یہ دعا ان کو بھی شامل تھی اور اسی طرح ذریت بھی داخل ہے بلکہ اصل مقتضائے لغت یہ ہے کہ ازواج رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین) تو آل محمد ﷺ میں اصالۃً داخل ہوں اور ذریت (اولاد) تبعاً داخل ہو کیونکہ آل کہتے ہیں اہل بیت کو یعنی گھر والوں کو اور گھر والوں

کے مفہوم میں بیوی سب سے پہلے داخل ہے۔ پس یہ احتمال نہیں ہو سکتا کہ ذریت تو آل میں داخل ہو اور ازواج (رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین) داخل نہ ہوں۔ بعض لوگوں کو ایک حدیث سے شبہ ہو گیا ہے۔ وہ یہ کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت علی وفاطمہ وحضرات حسنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو اپنی عبا میں داخل فرما کر فرمایا: اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِیْ. کہ اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ اس سے بعض عقلمندوں نے یہ سمجھا کہ ازواج (رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین) اہل بیت میں داخل نہیں حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! یہ بھی میرے اہل بیت میں سے ہیں ان کو بھی "اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْراً" کی فضیلت میں داخل کر لیا جائے۔ یہاں حصر مقصود نہیں کہ بس یہی اہل بیت میں داخل ہیں اور ازواج مطہرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین) اہل بیت نہیں اور یہ جو اس حدیث کے بعض طرق میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے ان حضرات کو عبا میں داخل فرما کر یہ دعا کی تو ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے بھی ان کے ساتھ شامل فرما لیجئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کو عبا میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں تم تو پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہو۔ دوسرے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ام سلمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے اجنبی تھے ان کے ساتھ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو عبا میں کیونکر داخل کیا جا سکتا تھا۔ یہ تو اشکالات کا جواب تھا اور اصل مدعا کیلئے دلیل اول تو لغت ہے کہ آل محمد ﷺ میں ازواج اولاً داخل ہیں۔ دوسرے قرآن کا محاورہ یہی ہے حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے واقعہ میں جبکہ ملائکہ نے ان کو ولد کی بشارت دی اور حضرت سارہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو اس بشارت پر تعجب ہوا، ملائکہ کی طرف سے یہ قول نقل فرمایا ہے "قَالُوْا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ" ظاہر ہے کہ یہاں اہل بیت میں حضرت سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) یقیناً داخل ہیں کیونکہ خطاب انہی سے ہے۔ معلوم ہوا کہ

اہل بیت میں ازواج بھی داخل ہیں۔ (التسوان فی رمضان ص:۴)

اس شبہ کا جواب کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علوم سینہ بسینہ ہیں

فرمایا: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ''سُئِلَ هَلْ خَصَّكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِشَيْءٍ دُوْنَ النَّاسِ؟ قَالَ: لَا إِلَّا فَهْمًا أُوْتِيَهُ الرَّجُلُ فِي الْقُرْآنِ أَوْ مَا فِيْ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ'' یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ حضرات اہل بیت کو رسول اللہ ﷺ نے کچھ خاص باتیں دوسروں سے الگ بتائی ہیں؟ فرمایا نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو قرآن کی فہم خاص درجہ میں عطا فرمادیں تو وہ دوسروں سے زیادہ صاحب علم ہو جاوے گا یا وہ چند باتیں جو اس صحیفہ میں ہیں۔ اس کو دیکھا گیا تو اس میں دیت وغیرہ کے کچھ احکام تھے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مخصوص نہ تھے بلکہ دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی اس کا علم تھا۔ مقصود اس سے نفی کرنا تھا تخصیص کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ فہم میں تفاوت ہوسکتا ہے جس کی وجہ سے ایک شخص کو قرآن سے وہ علوم حاصل ہوں گے جو دوسروں کو حاصل نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چونکہ قرآن سے خاص مناسبت تھی اس لئے ان کو بعض دوسروں سے زیادہ قرآن کے علوم حاصل تھے۔ شاید اس سے بعض لوگوں کو شبہ ہو کہ حضور ﷺ نے ان کو کچھ باتیں دوسروں سے الگ بتلائی ہیں یا کسی نے اڑائی ہو۔ یہ خیال اسی وقت سے لوگوں میں پیدا ہو گیا ہے کہ بعض علوم سینہ بسینہ ہیں جو کتاب وحدیث میں نہیں اور یہ خیال عبداللہ بن سبا بانی فرقہ سابیہ نے ایجاد کیا تھا جس سے مقصود اس کا، اسلام کا استیصال تھا کیونکہ عبداللہ بن سبا اول یہودی تھا پھر بطور نفاق مسلمان ہوا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت کا دم بھرنے لگا اور ان کے متعلق مسلمانوں میں غلط اعتقادات پھیلانے لگا کیونکہ وہ لوگ یہ سمجھ چکے تھے کہ تلوار سے اسلام کا خاتمہ نہیں ہوسکتا تو اب انہوں نے یہ ترکیب نکالی کہ احکامِ اسلام میں خلط کرنا چاہئے اور اس کا ذریعہ یہ نکالا کہ بعض علوم کو سینہ بسینہ بتلایا مگر اللہ کا وعدہ ہے ''اِنَّا

نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ'' اللہ تعالیٰ نے دین کی خود حفاظت کی ہے کہ احکام میں خلط نہیں ہوسکتا گو فرق ضالہ اسلام میں بہت ہوئے ہیں اور اب بھی ہیں جن کے متعلق حدیث میں ہے کہ میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے اور یہ تہتر تو اصول کے اعتبار سے ہیں ورنہ ہر فرقے کے اندر بہت سے فرقے ہو گئے ہیں بلکہ آج کل تو ہر شخص ایک مستقل فرقہ ہے کیونکہ ہر شخص دین کے متعلق اپنی الگ رائے قائم کرتا ہے اور اس میں بھی حکمت ہے تا کہ اس تفرق سے پریشانی نہ ہو کیونکہ اختلاف تو ناگزیر تھا۔ کسی قدر اختلاف تو ضرور ہوتا۔ اس عالم میں بر بنائے حکمت یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی امر میں اختلاف نہ ہو۔ اب اگر اختلاف کبھی کبھی ہوتا تو طالب حق کو طبعاً احتمال ہوسکتا تھا کہ نامعلوم ان میں سے کون حق پر ہے اور جب روزانہ نئے نئے فرقے نکلتے آتے ہیں تو اس کا اثر طبعاً کم ہو جاوے گا اور دیکھے گا کہ اختلاف کی تو کہیں انتہاء ہی نہیں۔ یہ روز کی دال روٹی ہو گئی۔ کہاں تک ہر چیز کی تحقیق کیا کرے۔ بس وہ پرانا ہی طریقہ اسلم ہے۔ بہر حال یہ خیال بالکل غلط ہے کہ بعض علوم سینہ بسینہ ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بعض علوم فہم عالی سے سمجھ میں آتے ہیں۔ عقل متوسط یا ادنیٰ ان کیلئے کافی نہیں۔

(الارتیاب ص:۴)

اور بعض لوگ صوفیاء کو بھی اس مضمون کے ساتھ بدنام کرتے ہیں کہ ان کے یہاں بھی کچھ علوم سینہ بسینہ ہیں۔ وہ علوم نہیں علوم تو ان کے پاس وہی ہیں جو کتاب وسنت میں مذکور ہیں۔ ہاں ایک بات ان کے یہاں سینہ بسینہ ہے یعنی نسبت اور طریق سے مناسبت اور یہ وہ چیز ہے جو ہر علم میں سینہ بسینہ ہی ہے حتیٰ کہ بڑھئی اور باورچی کے پیشہ میں بھی مناسبت اور مہارت جس کا نام ہے وہ سینہ بسینہ ہی ہے یعنی یہ بات استاذ کے پاس رہنے سے ہی حاصل ہوسکتی ہے محض کتاب پڑھ لینے یا زبانی طریقہ دریافت کر لینے سے نہیں ہوتی۔ خوان نعمت ایک رسالہ چھپ گیا ہے جس میں ہر قسم کے کھانوں کی ترکیب لکھ دی گئی ہے لیکن کیا اس کو دیکھ کر کوئی باورچی بن سکتا ہے۔ ہرگز نہیں جب

تک کسی پکانے والے کو پکاتا ہوا نہ دیکھے اور ایک دو بار کا دیکھنا کافی نہیں بلکہ بار بار کا مشاہدہ شرط ہے چنانچہ ایک عورت گلگلے پکا رہی تھی خاوند آیا اور کوئی کام بتلایا کہ فلاں کام کرلو، گلگلے میں پکالوں گا۔ بیوی نے کہا تم یہ کام نہیں کر سکتے۔ اس نے کہا واہ یہ بھی کوئی مشکل کام ہے کہ ڈالا اور نکال لیا۔ اس نے کہا بہت اچھا ابھی معلوم ہو جائے گا چنانچہ شوہر صاحب نے کھڑے کھڑے ہی اوپر سے گلگلہ کو گھی میں ڈال دیا جس سے گھی کے چھینٹے گرم گرم اڑ کر ان کے بدن پر پڑے اور بدن جل گیا، چھالے پڑ گئے۔ بیوی نے کہا میں نہ کہتی تھی کہ تم سے یہ کام نہ ہوگا۔ وہ یہ سمجھے تھے کہ اس میں کیا مشکل بات ہے بس ڈالا اور نکال لیا جیسے گنگوہ کے ایک پیر جی کہا کرتے تھے کہ کھانا کیا مشکل ہے منہ میں رکھا اور نگل لیا اور چلنا کیا مشکل ہے قدم اٹھایا اور رکھ دیا۔ وہ ظالم بہت کھانا کھا جاتا تھا اور دن میں بہت مسافت طے کر لیتا تھا مگر ان دو لفظوں سے کہیں کام چلتا ہے۔ ذرا آپ تو ایسا کر کے دیکھیں حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ اسی طرح نجاری کا کام ایک دو بار دیکھنے سے نہیں آسکتا۔ بندر بھی تو بڑھئی کو دیکھ کر بڑھئی بنا تھا مگر کیا گت بنی اس لئے کہتے ہیں۔

کار بوزینہ نیست نجاری

غرض تصوف میں سینہ بسینہ ایک چیز ہے یعنی نسبت اور مناسبت اور مہارت اور ایک اور چیز ہے یعنی برکت جو مشاہدہ سے معلوم ہوگی بدوں مشاہدہ کے اس کا علم نہیں ہوسکتا جیسے نابالغ کو لذت جماع قبل بلوغ کے معلوم نہیں ہوسکتی۔ ایک قصہ مشہور ہے کہ چند سہیلیوں نے آپس میں تذکرہ کیا کہ شادی کی لذت کیسی ہوتی ہے۔ ایک لڑکی نے کہا کہ میرا نکاح ہو جائے تو میں بتلاؤں گی۔ جب اس کا نکاح ہو گیا تو ساتھنوں نے اس سے پوچھا اب بتلاؤ۔ اس نے جواب دیا۔

بیاہ یوں ہی جب تمہارا ہو جائے گا   تب مزا معلوم سارا ہو جائے گا

غرض امور ذوقیہ کو عبارت میں بیان نہیں کر سکتے وہ مشاہدہ ہی سے معلوم ہو

سکتے ہیں۔اسی طرح برکت بھی مشاہدہ ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔اسکے بغیر نہیں معلوم ہو سکتی۔پس جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ علوم سینہ بسینہ عطا ہوئے تھے وہ احکام میں خلط کرنا چاہتے ہیں۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خیال کی تردید خوب فرمادی ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے ''إلا فهما أوتيه الرجل فی القرآن '' کہ ہاں ایک چیز تو سینہ بسینہ ہے کہ انسان کو قرآن کا خاص فہم عطا ہو جائے۔اس میں قرآن سے مراد تمام شریعت الٰہیہ ہے جیسا کہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دو شخص آئے اور انہوں نے کہا ''اِقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ'' کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کر دیجئے۔اس پر حضور ﷺ نے عورت کیلئے رجم کا حکم دیا مرد کیلئے سو درے اور جلا وطنی کا حالانکہ رجم کا حکم قرآن میں نہیں تو یہاں بھی کتاب اللہ سے مراد شریعت الٰہیہ ہے کیونکہ تمام احکام شریعت کتاب اللہ ہی کی طرف راجع ہیں کلیاً یا جزیاً چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعض احکام حدیث کو قرآن کا مدلول فرما کر یہ آیت پیش کی ''مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا'' اور یہی فہم ہے جس کا اختلاف بعض اوقات اس درجہ کا ہوتا ہے کہ ایک شخص کو حدیث معلوم ہے مگر اس کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس حدیث سے فلاں مسئلہ مستنبط ہوتا ہے چنانچہ امام ابو یوسف (رحمہ اللہ تعالیٰ) کا قصہ ایک محدث کے ساتھ جو کہ کوفہ کے بہت بڑے محدث ہیں، مشہور ہے۔محدث نے امام ابو یوسف (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے سوال کیا کہ تمہارے استاذ امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خلاف کیوں کیا؟ امام ابو یوسف (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے کہا کس مسئلہ میں؟ کہا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ ہے کہ باندی کی بیع طلاق ہے یعنی جو باندی کسی نکاح میں ہو اگر مالک اس کی بیع کسی دوسرے شخص کے ہاتھ کر دے تو بیع ہوتے ہی باندی کو طلاق ہو جائے گی اور امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتے ہیں کہ باندی کی بیع طلاق نہیں۔امام ابو یوسف (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے کہا کہ تم نے ہی تو ہم کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کی تھی کہ حضور

ﷺ نے بیع جاریہ کو طلاق نہیں قرار دیا۔ محدث نے کہا کہ میں نے کب یہ حدیث بیان کی تھی۔ کہا تم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی یہ حدیث ہم سے بیان کی ہے جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے حضرت بریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو خرید کیا اور آزاد کیا تو رسول اللہ ﷺ نے بریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو اختیار دیا کہ خواہ اپنا نکاح شوہر سابق سے برقرار رکھیں یا فسخ کر دیں تو اگر بیع جاریہ ہی سے طلاق واقع ہو جایا کرتی تو اختیار دینے کے کیا معنی۔ محدث سوچنے لگے اور کہا اے ابو یوسف! کیا یہ مسئلہ اس حدیث میں ہے؟ کہا ہاں۔ محدث نے کہا "وَاللّٰهِ اَنْتُمُ الْاَطِبَّاءُ وَنَحْنُ الصَّيَادِلَةِ" بخدا تم طبیب ہو، ہم تو عطار ہیں۔ صاحبو! فقہاء کے بیان کے بعد تو اب ہم بھی کہتے ہیں کہ فلاں حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط ہوا اور فلاں آیت سے وہ مسئلہ مگر بدوں بیان فقہاء کے اس کا سمجھنا دشوار اور سخت دشوار۔ اسی کا نام اجتہاد ہے اور یہی وہ فہم ہے جس کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "إلا فهما أوتيه الرجل في القرآن." (ایضاً ص:۷)

(اشرف الجواب ص:۸۱تا۸۸)

حصہ چہارم

دورِ حاضر میں حضراتِ صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) سے متعلق پیدا ہونے والے شبہات واشکالات کے شافی ومدلل جوابات

نکاح سنیہ با شیعی

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ سنی المذہب عورت بالغہ کا نکاح زید شیعی مذہب کے ساتھ برضائے شرعی باپ کی تولیت میں ہو گیا۔ اس نکاح کو عرصہ گزر گیا یہاں تک کہ ہندہ کے بطن سے زید کی اولاد بھی ہوئی۔ اب ہندہ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ شیعہ سبّیہ کافر ہیں لہٰذا نکاح کا انعقاد نہیں ہوتا اور جماع بحکم زنا ہوتا ہے پس ہندہ اسی علم کے وقت سے مباشرت سے محترزہ ہے اور چاہتی ہے کہ نکاح فیما بین الزوجین فسخ ہو جائے۔ علمائے شریعت غراء سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ شیعہ اور سنی کا بتفرق مذہب نکاح جیسا کہ ہندوستان میں شائع ہے، عندالشرع صحیح ہوتا ہے یا نہیں؟ اور عورت بوجہ جہالت مسئلہ یا شیعی مذہب کے بتقیہ اپنے آپ کو سنی ظاہر کرنے کی بنا پر اگر شیعہ کے نکاح میں چلی جائے تو مسئلہ سے واقف ہونے یا خاوند شیعہ کے خیالات تشنیع اور تبرا اور سب الشیخین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) علی الاعلان ظاہر ہونے کی بنا پر اپنے نفس کو اس کی زوجیت سے نکالنے کی مجاز ہے یا نہیں؟ نیز اسی حالت میں پیدا ہونے والی اولاد پر کیا حکم لگایا جائے گا؟

الجواب: وتعتبر الکفاء ة دیانة ای تقوی فلیس فاسق کفؤ الصالحة الخ ... وفیہ لو تزوجھا برضاھا ولم یعلموا بعدم الکفاء ة ثم

علموا الا خيار لأحد الا إذا شرطوا الكفاءة أو أخبرهم بها وقت العقد فزوجوها على ذلك فظهر أنه غير كفؤ كان لهم الخيار . ولوالجية. فليحتفظ.

روایت اولی کی بنا پر یہ نکاح غیر کفوٴ سے ہوا ولم یثبت کون السب کفراً اور روایت ثانیہ کی بنا پر جب زوجہ اور اولیاء دونوں غیر کفوٴ پر رضا مند ہوں، نکاح لازم ہو جاتا ہے اور غیر کفوٴ ہونے کا علم نہ ہو جب بھی نکاح ہو جاتا ہے البتہ اگر صریحاً کفاءت شرط ٹھہری تھی یا زوج نے زبان سے تصریحاً خبر دی تھی کہ میں سنی ہوں، اس صورت میں یہ نکاح باوجود انعقاد کے لازم نہیں ہوا لکن لا بد للفسخ من وجود قاض شرعی اور باقی سب صورتوں میں حق فسخ نہیں ہے اور چونکہ نکاح منعقد ہو گیا لہذا اولاد ثابت النسب اور صحبت حلال ہے۔ واللہ اعلم ۲۹ صفر ۱۳۲۳ھ

(امداد الفتاوی ج:۲ ص:۲۲۴، ۲۲۵)

سوال: ایک نابالغہ لڑکی کا نکاح غیر کفوٴ میں ماں نے کر دیا کیونکہ باپ، بھائی، چچا وغیرہ کوئی بھی رشتہ دار موجود نہیں ہے۔ ابھی لڑکی بالغ نہیں ہوئی مگر معلوم ہوا کہ لڑکا جس کے ساتھ نکاح کیا گیا ہے، نہایت آوارہ بدچلن اور شیعہ مذہب ہے۔ اس نکاح کو لڑکی کے جوان ہونے کی وجہ پر اجازت دینے پر موقوف کہیں گے یا ولی نہ ہونے کی وجہ سے غیر کفوٴ و آوارہ ہونے کی وجہ سے کالعدم یا سنی شیعہ کے تفرقہ کی وجہ سے نکاح کا انعقاد ہی نہ ہوگا؟ اگر شق ثالث ہے تو کیا مطلق شیعہ کا سنی سے نکاح نہیں ہو سکتا خواہ تفضیلیہ ہو سبّیہ یا غالیہ حالانکہ تفضیلیہ پر کفر کا فتوی نہیں اور سبّیہ کی تکفیر بھی مختلف فیہ ہے اور نیز ممکن ہے کہ مرد اپنا نکاح قائم رکھنے کی وجہ سے تقیۃً اپنے آپ کو سنی یا کم از کم شیعہ تفضیلیہ بتائے۔ (یہ صورت واقع ہوئی ہے خاوند نہایت ظالم اور ان بچیوں کو مارتا پیٹتا ہے جن کی ماں نے دھوکہ کھا کر اس کے نکاح میں دے دیا۔ ماں مفارقت چاہتی ہے اور خاوند ضد پر کمر بستہ ہے۔)

الجواب: فی الدر المختار وان کان المزوج غیرهما ای غیر الأب وأبیه ولو الأم أو القاضی (الی قوله) لایصح النکاح من غیر کفؤ أو بغبن فاحش أصلاً وإن کان من کفؤ بمهر المثل صح لکن لهما خیار الفسخ (الی قوله) یشترط القضاء للفسخ وفیه ایضاً فی باب الکفاءة وتعتبر فی العرب والعجم دیانةً ای تقوی فلیس فاسق کفؤا لصالحة اوفاسقة بنت صالحة معلنا کان او لا علی الظاهر. نهر.

روایت اولی سے معلوم ہوا کہ ماں اگر غیر کفوٴ سے نکاح کر دے، نکاح منعقد نہیں ہوتا اور روایت ثانیہ سے معلوم ہوا کہ شیعی بوجہ فسق اعتقادی کے کفوٴ سنیہ نہیں لہذا یہ نکاح منعقد نہیں ہوا وفی ما انعقد یحتاج الی قضاء القاضی وهو من له ولایة ولا ولایة للعلماء فهم لیسوا بقضاة وکذا لا ولایة للاجنبی الذی لیس من الاقسام المدونة من العصبة کما هو مبسوط فی کتب الفقه فافهم. ۲۷ محرم ۱۳۲۳ھ (امداد الفتاوی ج:۲ ص:۲۲۵،۲۲۶)

تفصیل نکاح زن سنیہ با شیعہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رافضی جو کہ سب صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) پر تبرا کرتے ہیں اور اہل اسلام سے مذہبی تعصب رکھتے ہیں، مسلمان ہیں یا کافر ہیں؟ ان سے تعلقات نکاح وغیرہ کے رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ قوم بوہرے جو بمبئی اور اس کے اطراف میں بکثرت پائی جاتی ہے ایک متعصب رافضی قوم ہے۔ ان کا قاعدہ یہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کی لڑکی اس کے والدین کو لالچ زر دے کر اپنے نکاح میں لاتے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر کوئی سنی جماعت لالچ زر میں جان کر لڑکی دے دیوے اور وہ رافضی اپنے آپ کو مصلحت جان کر اسلام لانے کو ظاہر کرے لیکن تمام لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ اس کا اسلام لانا نکاح کی غرض سے ہے تو ایسی حالت میں اس کے اسلام کا اعتبار کیا جاوے گا یا نہیں.

اوراس کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: وتعتبر (الکفاءۃ) فی العرب والعجم دیانۃ ای تقوی فلیس فاسق کفؤا لصالحۃ بنت صالح معلنا کان او لا علی الظاھر. نھر. وفیہ: وللولی انکاح الصغیر والصغیرۃ ولزم النکاح ولو بغبن فاحش وبغیر الکفؤان کان الولی أبا اوجدالم یعرف منھما سوء الاختیار مجانۃ وفسقاوان عرف لاوان کان المزوج غیرھما لایصح النکاح من غیر کفؤاو بغبن فاحش أصلاوفیہ ولہ ای للولی اذا کان عصبۃالإعتراض فی غیر الکفؤ ما لم تلدمنہ ویفتی فی غیر الکفؤ بعدم جوازہ أصلاوھو المختار للفتوی لفساد الزمان.

وفی رد المحتار وھذا اذا کان لھا ولی لم یرض بہ قبل العقدفلا یفید الرجا بعدہ. بحر. واما اذا لم یکن لھا ولی فھو صحیح نافذمطلقاًاتفاقاً کما یأتی.

بنا بر روایات مذکورہ ودیگر قواعد معروفہ مسلمہ جواب میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ رافضی عقائد کفر کے رکھتا ہو جیسے قرآن مجید میں کمی بیشی کا قائل ہونا یا حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) پر تہمت لگانا یا حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو خدا ماننا، یہ اعتقاد رکھنا کہ حضرت جبریل (علیہ السلام) غلطی سے حضور ﷺ پر وحی لے آئے، تب تو کافر ہیں اور اس کا نکاح سنیہ سے صحیح نہیں اور محض تبرائی کے کفر میں اختلاف ہے۔ علامہ شامی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے عدم کفر کو ترجیح دی ہے۔ (ج:۳ ص:۴۵۳) مگر اس کے بدعتی ہونے میں کچھ شک نہیں تو اس صورت میں گو وہ کافر نہ ہوگا مگر بوجہ فسق اعتقادی کے سنیہ کا کفو نہ ہوگا اور غیر کفو مرد سے نکاح کرنے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر لڑکی نابالغ ہے اور نکاح کیا ہے باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے تب تو نکاح صحیح ہی نہ ہوگا اور اگر باپ دادا نے کیا ہے اور واقعات سے معلوم ہوا کہ طمع زر

میں کیا ہے اور لڑکی کی مصلحت پر نہیں نظر کی جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تب بھی نکاح صحیح نہ ہوگا اور اگر منکوحہ بالغ ہے اور اس نے خود اپنا نکاح کرلیا ہے اور ولی عصبہ راضی نہ تھا تب بھی نکاح صحیح نہیں ہوا اسی طرح اگر ایسے ولی نے کردیا اور وہ منکوحہ راضی نہیں یعنی زبان سے انکار کردیا تب بھی نکاح صحیح نہیں ہوا۔ یہ صورتیں تو عدم جواز نکاح کی ہیں اور اگر لڑکی نابالغ ہے اور نکاح کیا ہے باپ یا دادا نے اور لڑکی کی مصلحت سمجھ کر کیا ہو کسی طمع وغیرہ کے سبب نہیں کیا یا لڑکی بالغ ہے اور نکاح خود کیا ہے اور ولی عصبہ کی رضا سے کیا ہے، یا اس کا کوئی ولی عصبہ ہے ہی نہیں یا لڑکی بالغ ہے اور ولی نے اس کی اجازت سے کردیا تو اب صورتوں میں ان علماء کے نزدیک نکاح صحیح ہو جائے گا جو تبرائی کو کافر نہیں کہتے اور یہ سب تفصیل اس وقت ہے کہ نکاح کے وقت اس کا رفض معلوم ہوا اور اگر اس وقت اپنے کو سنی ظاہر کیا اور بعد میں رفض ثابت ہوا تو جس صورت میں وہ محض بدعتی ہے تو اگر منکوحہ بالغہ ہے اور وہ اور اس کا ولی عصبہ دونوں راضی ہیں تو نکاح کے فسخ کا حق حاصل ہوگا اور اگر ولی سے اجازت نہیں لی گئی تو ولی کو فسخ کا حق ہے جس کی ایک شرط قضا قاضی مسلم ہے۔ اور اگر منکوحہ صغیرہ ہے تو بعد بالغ ہونے کے اگر راضی ہے تب بھی نکاح صحیح رہے گا اور اگر راضی نہ ہوئی تو اس کو حق فسخ حاصل ہوگا جس طرح شرط اوپر مذکور ہوئی۔

کمافی الدر المختار:

فلو نكحت رجلا ولم تعلم حاله فاذا هو عبد لا خيار لها بل للاولياء ولو زوجوها برضاها ولم يعلموا بعدم الكفائة ثم علموا الاخيار لاحد الا اذا شرطوا الكفاء ة او اخبرهم بها وقت العقد فزوجوه على ذلك ثم ظهر انه غير كفؤ كان لهم الخيار.

وفی ردالمحتار قوله لا خيار لأحد هذا فی الكبيرة كما

ھو فی فرض المسئلة بدلیل قوله نکحت رجلاً فقوله برضاھا فلا یخالف ما قدمناہ فی باب المھر عن النوازل لو زوج ابنته الصغیرة ممن ینکر انه یشرب الخمر فاذا ھو مدمن له وقالت بعد ما کبرت لا أرضی بالنکاح ان لم یکن یعرفه الاب بشربه وکان غلبة اھل بیته صالحین فالنکاح باطل لانه انما تزوج علی ظن انه کفؤہ (ثم بعد اسطر) لکن کان الظاھر ان یقال لا یصح العقد اصلاً کما فی الأب الماجن والسکران مع ان المصرح به ان لھا ابطاله البلوغ وھو فرع صحته فلیتامل۔ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ

(امداد الفتاوی ج:۲ ص:۲۲۶ تا ۲۲۸)

نکاح سنیہ با شیعہ

سوال: زید نو وارد شیعی المذہب نے خالد سنی المذہب کو باور کرا کر کہ میں سنی المذہب ہوں اور حلفاً اس کی تصدیق کر کے خالد کی دختر نابالغہ ہندہ سے عقد کیا۔ خالد نے باعتبار اس کے بیان و تصدیق حلفی زید کو سنی المذہب سمجھ کر اپنی لڑکی کا عقد زید سے کر دیا بعد عقد کے زید کے افعال مثل تعزیہ و شدہ پرستی یوم عاشوراء ماتم سینہ زنی وغیرہ وقوع میں آئے جس کے لحاظ سے زید کے وطن کے قاضی صاحب وغیرہ سے مذہبی حالت دریافت ہوئی تو معلوم ہوا کہ زید واقعی شیعی المذہب گروہ شیعان وطن سے ہے پس بلحاظ احکام فقہ حنفی جو نکاح دخترِ خالد کا زید شیعی المذہب سے ہوا ہے شرعاً وقوع پذیر ہوگا یا نہیں؟ بصورت واقع ہونے کے خالد پدر و ولی ہندہ نابالغہ اس عقد کو فسخ و کالعدم کرانے کا مجاز ہے یا نہیں؟ ایسا عقد بحکم قاضی یا حاکم کالعدم کرانا ضروری ہوگا یا خود بخود کالعدم و باطل قرار پائے گا؟ بحوالہ عبارات کتب فقہ معتبرہ و مستندہ جواب عطا فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب: فی رد المحتار عن فتح القدیرعن النوازل لو زوج ابنته الصغیرة ممن ینکر أنه یشرب الخمرفاذاهو مدمن له وقالت بعد ما کبرت لا أرضی بالنکاح إن لم یکن یعرفه الأب بشربه و کان غلبة اهل بیته صالحین فالنکاح باطل معناه أنه سیبطل. (ج:۲ص:۴۹۹)

وفی الدرالمختار ولو زوجها(ای الکبیرة) برضاهاولم یعلموا بعدم الکفاءة ثم علموا الا خیار لأحد الااذاشرطواالکفاءة او أخبرهم بها وقت العقدفزوجوها علی ذلک ثم ظهر أنه غیر کفؤ کان لهم الخیار. ولوالجیة. فلیحفظ. (ج:۲ص:۵۲۱)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں ولی منکوحہ کو بھی اور اسی طرح بعد بلوغ کے خود منکوحہ کو بھی اس نکاح کے فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہے اور یہ فسخ بحکم حاکم ہوگا جو کہ حیدرآباد میں آسان ہے۔ وقوله: قالت لا أرضی لیس للاحتراز فی صورة الإشتراط او الإخبار لیتوقف الفسخ علی بلوغها لأن المسئلة الثانیة التی رضیت الکبیرة فیها یتحقق الإختیار للأولیاء. والله اعلم. ۹ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

(امدادالفتاوی ج:۲ ص:۲۲۸، ۲۲۹)

توارث سنی و شیعی

سوال: زید کا انتقال ہوا جو سنی المذہب تھا اس کے صرف دو بیٹے ہیں ایک سنی دوسرا شیعہ۔ آیا دونوں وارث ہوں گے یا صرف سنی؟

الجواب: جو اختلاف دین مانع توارث ہے وہ اختلاف کفراً واسلاماً ہے نہ کہ سنةً وبدعةً۔ پس جو شخص کھلم کھلا کفریہ عقائد کا قائل نہ ہو وہ سنی کا وارث ہوگا۔

۸ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

(امدادالفتاوی ج:۴ ص:۳۵۵)

شبہات بر تکفیر شیعہ (از طرف مولانا عبدالماجد دریا آبادی)

وضاحت:

ذیل میں بیان کیئے گئے شبہات وہ ہیں جو مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی طرف سے پیش کیئے گئے اور حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کا جواب تحریر فرمایا۔

ان کا مطالعہ کرنے سے پہلے بطور تمہید عرض ہے کہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی رائے یہ تھی کہ شیعہ پر علی الاطلاق کفر کا حکم نہ لگایا جائے۔ اس کے برعکس اس وقت کئی علماء تکفیرِ شیعہ کے قائل تھے۔ مولانا موصوف نے جب تکفیرِ شیعہ سے متعلق اپنے شبہات حضرت تھانوی قدس سرہ کی خدمت میں بھیجے تو آپ نے ان کی تائید کرنے کے بجائے ان علماء کا ساتھ دیا جو تکفیرِ شیعہ کے قائل تھے۔ اگرچہ آپ کا اپنا موقف علی الاطلاق تکفیرِ شیعہ کا نہ تھا لیکن اس موقع پر مولانا عبدالماجد صاحب کے جواب میں یہ موقف اس لئے اختیار کیا کہ وہ تکفیر کے معاملے میں بہت تساہل برتتے تھے حتیٰ کہ قادیانیوں کی تکفیر کے بھی قائل نہ تھے۔ چنانچہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ مناسب سمجھا کہ اس موقع پر ان کی تائید کرنے کے بجائے دوسرے علماء کا ساتھ دیا جائے تاکہ ان کی تائید کرنے سے کہیں تکفیر میں ضرورت سے زیادہ تساہل ونرمی والے پہلو کو تقویت نہ ملے۔ اور ان کے دل میں ان علماء کی طرف سے بدگمانی بھی پیدا نہ ہو۔ (اعجاز احمد غفرلہٗ)

السوال: ایک فتویٰ کی نقل مرسل خدمت ہے (یہ فتویٰ جواب خط کے بعد منقول ہوگا) اس پر علاوہ دوسرے معتبر و مستند علماء کے حضرت مولانا تک کے دستخط ثبت ہیں (غالباً مولانا حسین احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مراد ہیں) لیکن میں کیا عرض کروں کہ مجھے شرح صدر اب بھی نہیں۔ شیعوں کو مبتدع، فاسق، فاسد العقیدہ وغیرہ اور جو کچھ کہہ لیا جائے اس کا میں بھی پوری طرح قائل ہوں لیکن کافر اور خارج از اسلام کہنے

سے جی لرز اٹھتا ہے۔

الجواب: یہ علامت ہے آپ کی قوت ایمانیہ کی مگر جنہوں نے یہ فتوی دیا ہے ان کا منشأ بھی یہی قوت ایمان ہے کہ جس کو ایمانیات کا منکر دیکھا کافر کہہ دیا۔

تتمہ السوال: اگر یہ گمراہ فرقہ یوں ہی خارج از اسلام ہوتا رہا تو مسلمان رہ ہی کتنے جائیں گے؟

تتمہ الجواب: اس کا کون ذمہ دار ہے۔ کیا خدا نہ کردہ اگر کسی مقام میں کثرت سے لوگ مرتد ہو جائیں اور تھوڑے ہی مسلمان رہ جائیں تو کیا اس مصلحت سے ان کو بھی کافر نہ کہا جاوے گا۔

تتمہ السوال: شیعوں سے مناکحت اگر تجربہ سے مضر ثابت ہوئی ہے تو بس تہدیداً اس کا روک دینا کافی ہے۔

تتمہ الجواب: اس تہدید کا عنوان بجز اس کے کوئی ہے ہی نہیں۔ غور فرمایا جاوے۔

تتمہ السوال: میرا دل تو قادیانیوں کی طرف سے ہمیشہ تأویل ہی تلاش کرتا رہتا ہے۔

تتمہ الجواب: یہ غایت شفقت ہے لیکن اس شفقت کا انجام سیدھے سادھے مسلمانوں کے حق میں عدم شفقت ہے کہ وہ اچھی طرح ان کے شکار ہوا کریں گے۔

تتمہ السوال: جو بنا تکفیر قرار دی گئی ہے یعنی عقیدۂ تحریف قرآن، مجھے اس میں تأمل ہے۔ اگر یہ عقیدہ ان کے مذہب کا جزو ہوتا تو حضرت شاہ عبدالعزیز (رحمہ اللہ تعالیٰ) وغیرہ سے مخفی نہ رہتا۔

تتمہ الجواب: جب ان کی مسلم کتابوں سے جزئیت ثابت ہے پھر حضرت شاہ

صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) کا اگر سکوت ثابت ہو جس کی مجھ کو تحقیق نہیں تو ان کے سکوت میں کچھ تاویل ہوگی نہ کہ جزئیت میں۔

تتمہ السوال: بہت زائد خلش مجھے اس امر سے ہو رہی ہے کہ اب تک ہم آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں کلام مجید کے غیر محرف ہونے کو بطور ایک بالکل مسلم اور غیر مختلف فیہ عقیدہ کے پیش کرتے رہے ہیں۔ اب ان لوگوں کے ہاتھ میں ایک نیا حربہ آجائے گا کہ دیکھو خود تمہارا ہی کلمہ پڑھنے والے اور تمہارے قبلہ کو ماننے والے لاکھوں کروڑوں لوگ قرآن کو محرف مان رہے ہیں۔

تتمہ الجواب: اس سے تو اور زیادہ ضرورت ثابت ہوگئی ان کی تکفیر کی۔ پھر ہمارے پاس صاف جواب ہوگا کہ وہ مسلمان ہی نہیں۔

تتمہ السوال: حضرت حاجی صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) کا جو مکتوب سر سید کے نام تھا مجھے اس قدر پسند آیا تھا کہ میں نے اہتمام کے ساتھ اسے سچ میں شائع کیا تھا۔ پس میری فہم ناقص میں اسی کو معیار بنالینا چاہئے اور اسی کے مطابق معاملہ تمام گمراہ فرقوں کے ساتھ رکھنا چاہئے یعنی نہ مداہنت، نہ مداخلت اتنی کہ آریوں، عیسائیوں وغیرہ میں کوئی فرق ہی نہ رکھا جائے۔

تتمہ الجواب: لیکن اگر وہ خود ہی اپنے کو کافر بنائیں (بالنون) تو کیا ہم اس وقت بھی ان کو کافر نہ بتائیں (بالتاء) دنیا میں اپنے کو آج تک کسی نے کافر نہیں کہا بلکہ کوئی عیسائی کہتا ہے کوئی یہودی مگر چونکہ ان فرقوں کے عقائد کفریہ دلائل سے ثابت ہیں اس لئے ان کو کافر ہی کہا جاوے گا تو مدار اس حکم کا عقائد کفریہ پر ٹھہرا تو اگر ایک شخص اپنے کو فرقہ شیعہ سے کہتا ہے اور کوئی عقیدہ کفریہ اس مذہب کے اجزاء یا لوازم سے ہے تو اپنے کو اس فرقہ سے بتلانا بدلالتِ التزامی اس عقیدہ کو اپنا عقیدہ بتلانا ہے۔ پھر عدم تکفیر کی کیا وجہ اور اگر ان کے یہاں یہ عقیدہ مختلف فیہ بھی ہوتا تب بھی کسی کی تکفیر

میں تردد ہوتا لیکن یہ بھی نہیں اور جو اختلاف ہے وہ غیر معتد بہ ہے جن کو خود ان کے جمہور رد کر رہے ہیں۔ اس حالت میں اصل تو کفر ہوگا البتہ اگر کوئی صراحۃً کہے کہ میرا یہ عقیدہ نہیں ہے یا کوئی فرقہ اپنا لقب جدا رکھ لے مثلاً جو علماء ان کی تحریف کے منافی ہیں ان کی طرف اپنے کو منسوب کیا کریں مثلاً اپنے کو صدوقی اور قمی یا مرتضوی یا طبرسی کہا کریں مطلق شیعی نہ کہیں تو خاص اس شخص کو یا اس فرقہ کو اس عموم سے مستثنیٰ کہہ دیں گے لیکن ایسے استثناؤں سے قانونی حکم نہیں بدلتا۔ حرمت نکاح وحرمت ذبیحہ احکام قانونی ہیں یہ اس پر بھی جاری ہوں گے جب تک وہ فرقہ متمیز ومشہور نہ ہوجاوے خصوص جب کہ تقیہ کا بھی شبہ ہے تو خواہ سوء ظن نہ کریں مگر احتیاطاً عمل تو سوء ظن ہی جیسا ہوگا البتہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا معاملہ وہ اس کے عقیدہ کے موافق ہوگا۔ اگر کوئی ہندو توحید کا بھی قائل ہو اور رسالت کا بھی لیکن اپنے کو ہندو ہی کہتا ہو مگر کچھ تاویل ہی کرتا ہو تو اس کے ساتھ آخر کیا معاملہ ہوگا۔ یہی حالت یہاں کی ہے۔ ضلع فتحپور میں ہندوؤں کی ایک جماعت ہے جو قرآن وحدیث پڑھتے ہیں اور نماز روزہ کرتے ہیں مگر اپنے کو ہندو کہتے ہیں لباس اور نام سب ہندوؤں جیسا رکھتے ہیں۔ اگر وہ اپنے کو ہندو کہیں اور اپنا مشرب ظاہر نہ کریں تو کیا سامع کے ذمہ تفصیل واجب ہوگی کہ اگر ایسے عقیدہ کا ہے تو کافر اور اگر ایسے عقیدہ کا ہے تو مسلمان۔

تتمہ السوال: آپ کو ہر معاملہ میں اپنا کچا چٹھا لکھ بھیجتا ہوں۔ خدا کرے اس باب میں بھی آپ کا جواب باصواب میرے حق میں ذریعہ تشفی ہو۔

تتمہ الجواب: تشفی کا ذمہ تو مشکل ہے خصوصاً اسی خشیت کا غلبہ مجھ پر ہے کہ حضرت جنید (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے لرزتے ہوئے ہاتھ سے حسین بن منصور (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے خلاف فتوی لکھا تھا۔ محض حفاظت شرع کیلئے ہم لوگ بھی ان کے متبع ہیں اور راز اس کا وہی ہے کہ اس رعایت میں سادہ لوح مسلمانوں کی ہلاکت ہے۔ مولوی محمد شفیع صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اصول تکفیر میں ایک مختصر اور جامع ومانع اور نافع رسالہ

ہے۔ بعض اجزاء میں میں بھی الجھا تھا مگر ان کی تحریر وتقریر سے قریب قریب مسئلہ صاف ہو گیا۔ وہ عنقریب چھپ جاوے گا۔ میں نے اس کا نام رکھا ہے ''وصول الافکار الی اصول الاکفار'' ۷ شعبان ۱۳۵۱ھ

نقل فتوی موعودہ آغاز خط بالا

وضاحت: یہ وہ خط ہے جس کی وجہ سے مولانا عبد الماجد دریا آبادی صاحب نے اپنے مذکورہ بالا شبہات حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پیش کئے۔ اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جوابات دیئے۔ (اعجاز احمد غفر اللہ لہ)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شیعہ اثنا عشری مسلمان ہیں یا خارج از اسلام؟ اور ان کے ساتھ مناکحت اور ان کا ذبیحہ حلال ہے یا نہیں؟ ان کی جنازہ کی نماز پڑھنا، اپنے جنازہ میں شریک کرنا درست ہے یا نہیں؟ نیز اگر وہ کسی مسجد کی تعمیر کیلئے چندہ دینا چاہیں تو لیا جائے یا نہیں؟

الجواب واللہ الموفق للصواب

شیعہ اثنا عشری قطعاً خارج از اسلام ہیں۔ ہمارے علمائے سابقین کو چونکہ ان کے مذہب کی حقیقت کماینبغی معلوم نہ تھی بوجہ اس کے کہ یہ لوگ اپنے کو چھپاتے ہیں اور کتابیں بھی ان کی نایاب ہیں لہذا بعض محققین نے بنابر احتیاط ان کی تکفیر نہیں کی تھی مگر آج ان کی کتابیں نایاب نہیں رہیں اور ان کے مذہب کی کیفیت منکشف ہو گئی اس لئے تمام محققین ان کی تکفیر پر متفق ہو گئے ہیں۔ ضروریات کا انکار قطعاً کفر ہے اور قرآن شریف ضروریات میں سب سے اعلی وارفع چیز ہے اور شیعہ بلا اختلاف کیا ان کے متقدمین اور کیا متاخرین سب کے سب تحریف قرآن کے قائل ہیں۔

ان کی معتبر کتابوں میں زائد از دو ہزار روایات تحریف قرآن کی موجود ہیں

جن میں پانچ قسم کی تحریف قرآن میں بیان کی گئی ہے۔ کمی، بیشی، تبدلِ الفاظ، تبدلِ حروف، خرابیٔ ترتیب سورتوں میں بھی اور آیتوں میں بھی اور کلمات میں بھی۔ ان پانچ قسم کی تحریف کی روایات کے ساتھ ان کے علماء کا اقرار ہے کہ یہ روایات متواتر ہیں۔ تحریف قرآن پر صریح الدلالۃ ہیں اور انہی کے مطابق اعتقاد ہے علماء شیعہ میں۔ گنتی کے چار آدمی تحریف قرآن کے منکر ہیں۔ شیخ صدوق، ابن بابویہ قمی، شریف مرتضی، ابوعلی طبرسی مصنف تفسیر مجمع البیان تو ان چار شخصوں کے اقوال چونکہ محض بے دلیل اور روایات متواترہ کے خلاف ہیں اس لئے خود علماء شیعہ نے ان کو رد کر دیا ہے۔ پوری تحقیق اس مبحث کی میری کتاب ''تنبیہ الحائرین'' میں ہے۔ من شاء فلیطالعہ. علامہ بحرالعلوم فرنگی محل (رحمہ اللہ تعالیٰ) پہلے شیعوں کے مسلمان ہونے کا فتوی دیتے تھے مگر تفسیر مجمع البیان کے دیکھنے سے ان کو معلوم ہوا کہ شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہیں لہذا انہوں نے ''فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت'' میں شیعوں کے کفر کا فتوی دیا ہے اور لکھا ہے کہ قرآن شریف کی تحریف کا جو قائل ہو وہ قطعاً کافر ہے۔ الغرض شیعوں کا کفر بر بنائے تحریف قرآن محل تردد نہیں۔ علاوہ اس کے دوسرے وجوہ کفر بھی ہیں مثلاً بدا و قذف ام المؤمنین وغیرہ کے مگر ان میں کچھ تاویل کی گنجائش ہے لہذا شیعوں کے ساتھ مناکحت قطعاً ناجائز اور ان کا ذبیحہ حرام، ان کا چندہ مسجد میں لینا ناروا ہے۔ ان کا جنازہ پڑھنا ان کو اپنے جنازے میں شریک کرنا جائز نہیں۔ ان کی مذہبی تعلیم کی کتابوں میں ہے کہ سنیوں کے جنازہ میں شریک ہو کر یہ دعا کرنا چاہئے کہ اے اللہ! ان کی قبر کو آگ سے بھر دے اور ان پر عذاب نازل کر۔ فقط واللہ اعلم۔ جواب خط مع نقل فتوی تمام ہوا۔

تنقیح الجواب علی اصول الفقہ: تکفیر کے دو درجے ہیں۔ ایک فیما بینہ و بین اللہ یعنی جو معاملات عبد اور حق تعالیٰ کے درمیان ہیں ان کا مدار تو کفر باطنی پر ہے جس کا بالیقین کسی پر حکم نہیں لگایا جا سکتا اور دوسرا درجہ احکام ظاہری کے اعتبار سے ہے

اس کا مدار قوانین خاصہ پر ہے جو علماء کے کلام میں مدون ہیں۔اس درجہ میں احتمالات غیر ناشی عن دلیل ملحوظ نہیں ورنہ کسی کافر پر جہاد تک بھی جائز نہ رہے کیونکہ احتمال ہے کہ یہ دل میں مؤمن ہو اور اظہار کفر میں اس کے پاس کوئی واقعی عذر ہو اور ظاہر ہے کہ اس میں کس قدر غلط لازم آتا ہے۔

توضیح الجواب علی اصول الکلام: ایمان جس طرح ایک اجمالی ہے ایک تفصیلی اور دونوں مدارِ احکام ہیں اسی طرح کفر بھی ایک اجمالی ہے ایک تفصیلی اور دونوں مدارِ احکام ہیں پس جیسا کسی فرقہ اسلامیہ کی طرف اپنے کو نسبت کر دینا موجب حکم بالایمان ہے گو ایک ایک عقیدہ اسلامیہ کی تفصیل نہ کرے اسی طرح کسی فرقہ کفریہ کی طرف اپنے کو نسبت کر دینا موجب حکم بالکفر ہے گو ایک ایک عقیدہ کفریہ کی تفصیل نہ کرے۔آگے ایک ضعیف سوال رہ جاتا ہے کہ اگر ایسے فرقے کی طرف اپنے کو منسوب کرے جس کے کچھ عقائد اسلامیہ ہوں کچھ کفریہ اس کا کیا حکم ہوگا؟ سو قواعد سمعیہ وعقلیہ اس پر متفق ہیں کہ مجموعہ ایمان اور کفر کا کفر ہی ہے۔وقد صرح بہ فی قولہ تعالی: ''وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا'' ورنہ دنیا میں ایسا کوئی کافر نہ نکلے گا جس کا عقیدہ کفریہ ہی ہو۔کثرت سے کافر صانع کے قائل ہیں اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ اگر ننانوے وجہ کفر کی ہوں اور ایک ایمان کی تو ایمان کا حکم کیا جاوے گا اس سے مراد وہ وجوہ ہیں جن میں دونوں احتمال ہوں جیسے ایک کلام کے کئی معنی ہو سکتے ہیں۔

۱۴ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ

تشریح الجواب علی اصول التصوف: جواب بالا مع اپنے کل اجزاء کے درجۂ منع میں ہے یعنی فتوی مذکورہ پر جو شبہات تھے ان کا جواب ہے۔جواب بالا خود فتوی نہیں ہے۔چونکہ سرسری نظر میں اس کو فتوی سمجھا جا سکتا تھا اس لئے تسہیل امر کیلئے اپنی تحقیق خاص اس باب میں معروض ہے اور وہ تحقیق باعتبار اپنی حقیقت کے فقہ اور

کلام ہی میں داخل ہے مگر باعتبار صورت کے اس کو تصوف سے خاص قرب ومناسبت ہے اس لئے عنوان میں اس کا لحاظ رکھا گیا۔ وہ تحقیق یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے متعلق یا کسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو خواہ تردد کے اسباب میں علماء کا اختلاف ہو، خواہ قرائن کا تعارض ہو یا اصول میں غموض ہو تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم کیا جائے نہ اسلام کا حکم۔ اول میں تو خود اس کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے اور حکم ثانی میں دوسرے مسلمانوں کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے۔ پس احکام میں دونوں احتیاطوں کو جمع کیا جائے گا یعنی نہ اس سے عقد مناکحت کی اجازت دیں گے، نہ اس کی اقتداء کریں گے، نہ اس کا ذبیحہ کھائیں گے اور نہ اس پر سیاست کافرانہ جاری کریں گے۔ اگر تحقیق کی قدرت ہو اس کے عقائد کی تفتیش کریں گے اور اس تفتیش کے بعد جو ثابت ہو ایسے احکام جاری کریں گے اور اگر تحقیق کی قدرت نہ ہو تو سکوت کریں گے اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں گے۔ اس کی نظیر وہ حکم ہے جو اہل کتاب کی مشتبہ روایت کے متعلق حدیث میں وارد ہے ''لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوهم وقولوا أمنا بالله وما انزل الينا.'' الاية. رواه البخاری. دوسری فقہی نظیر احکام خنثیٰ کے ہیں۔ يؤخذ فيه بالأحوط والأوثق فى أمور الدين وأن لا يحكم بثبوت حكم وقع الشك فى ثبوته واذا وقف خلف الإمام قام بين صف الرجال والنساء ويصلى بقناع ويجلس فى صلوته جلوس المرأة ويكره له فى حياته لبس الحلى والحرير وان يخلو به غير محرم من رجل وامرأة او يسافر مع غير محرم وتيمم بالصعيد ويكفن كما يكفن الجارية وأمثالها مما فصله الفقهاء.

۱۸ شعبان ۱۳۵۱ھ النور ص:۹ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ

(امداد الفتاوی ج:۴ ص:۵۸۶ تا ۵۸۹)

حضرت حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو سید الشہداء کا لقب

السوال: وہ والا نامہ جس میں تلقیب سید الشہداء واحکام کے متعلق یہ ارشاد گرامی تھا کہ اہل سنت کے دفعِ توحش کیلئے شیعہ و اہل سنت کے مذہب کا فرق کیا جائے اور یہ ظاہر کر دیا جائے کہ ہمیں صرف عقائد شیعہ کی رو سے ان امور سے اختلاف ہے ورنہ امام کہنے میں کوئی حرج ہے اور نہ سید الشہداء کہنے میں۔ میں نے مولانا عبد الشکور صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) کی خدمت میں بھیج دیا۔ مولانا نے اسے رکھ لیا اور مجھے اتنا جواب عنایت فرما کر دیا کہ یہ مضمون کسی مناسب مقام پر بڑھا دیا جاوے گا۔ لیکن مجھے اس میں تردد ہے کہ ایک کی تلقیب دوسرے کی تلقیب سے مانع نہیں اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو لقب اپنے کسی ایک صحابی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو عطا فرمایا آپ ﷺ نے خود بھی وہ کسی دوسرے کو نہیں عطا فرمایا۔ پھر آپ ﷺ کے صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) و تابعین (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے بھی کسی کو وہ لقب نہیں دیا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ جس کسی کو جو لقب دیا گیا ہے وہ ایسے امور کی وجہ سے دیا گیا ہے جو انہی کے ساتھ خاص ہیں بالخصوص سیادت جنت کے لقب میں تو صاف صاف یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ مختلف جنتیں مختلف اعمال کے لوگوں کیلئے بنائی گئی ہیں مثلاً انبیاء (علیہم السلام) کیلئے اور شہداء کیلئے اور صالحین کیلئے اور سید الشہداء کیلئے۔ اس لئے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ کسی کو سید الشہداء کا لقب ملنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ انہیں ایک خاص جاگیر کی سند دی گئی ہے اور ایسا سند دینے کا اختیار اسی کو ہے جس کے اختیار میں جاگیر ہے۔

اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو خلیفہ فرمایا گیا تو رسول اللہ ﷺ کے بعد وہی خلیفۂ رسول ﷺ کہلائے اور کسی کو اس لقب کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ اگرچہ اور حضرات بھی خلیفہ کہلائے مگر یہ سب باعتبار لغت یا باعتبار اصطلاح شرعی کے خلفاء کہلائے، لقب کے طور پر نہیں کہلائے اور نہ یہاں ان معنیٰ کا لحاظ ہوا جو خلیفۂ رسول اللہ ﷺ میں ہے جیسا کہ رسول اللہ میں لفظ رسول سے جو

شرف مفہوم ہوتا ہے وہ مثلاً جاء رسول عامل خراسان میں نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کو مختلف القاب عطا فرمائے جن میں بعض القاب کے آثار کا دنیا میں ظہور ہوا اور بعض کا آخرت میں ہوگا مثلاً حضرت ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو صدیق اور حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو فاروق اور حضرت خالد (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو سیف اللہ، حضرت ابوعبیدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو امین ھذہ الامۃ، حضرت حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اسد اللہ واسد رسولہ وسید الشہداء، حضرات حسنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو سیدا شباب اھل الجنۃ، حضرات شیخین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو سیدا کھول اھل الجنۃ، حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اقضاھم، حضرت ابی بن کعب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اقرأھم فرمایا گیا مگر کوئی ضعیف سے ضعیف روایت ایسی نہیں ملتی کہ صحابۂ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) یا تابعین (رحمہم اللہ تعالیٰ) سے حالات کے تشابہ کے لحاظ سے ان القاب سے کسی اور کو یاد فرمایا ہو جو صاف صاف اس امر کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا عطا کردہ لقب وہ حضرات کسی اور کیلئے استعمال کرنا جائز نہ سمجھتے تھے۔

دنیا میں شاہی خطابات کا بھی اصول یہی ہے کہ خان بہادر، شمس العلماء یا جنگ بہادر وغیرہ خطابات کسی غیر شاہی خطاب یافتہ کیلئے استعمال نہیں ہو سکتے، نہ قانوناً نہ رواجاً اور اگر کسی کو غیر بادشاہ یہ خطاب دے بھی دے تو اس سے ذرا بھی اس کی عزت افزائی نہ ہوگی اور نہ وہ آثار مرتب ہونگے جو شاہی خطاب یافتہ کیلئے ہیں مثلاً دربار میں مدعو ہونا، عدالت میں کرسی ملنا، اس کی شہادت کی خاص وقعت ہونا وغیر ذلک۔ اسی طرح القاب نبوی کے متعلق بھی یہی سمجھ میں آتا ہے۔

میں اپنے خیالات پریشان حضور والا کی خدمت میں پیش کئے دیتا ہوں تاکہ اصلاح ہو جاوے ورنہ میں کیا اور میری ہستی کیا۔

الجواب: یہی حکم کرنا مشکل ہے کہ یہ ارشاداتِ توصیف ہیں یا تلقیب۔ اس کیلئے قرائن خارجیہ کی حاجت ہے جب تک احتمال توصیف کا ہے تخصیص کا حکم نہیں کیا جاسکتا حتی کہ حق تعالیٰ کے بعض اوصاف کا اطلاق مخلوق کیلئے جائز ہے جیسے رحیم، ملک، عزیز وامثالہا تا بہ وصف دیگراں چہ رسد۔ حضور ﷺ نے زلزہ جبل میں حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو صدیق کا لقب اور بعض صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو شہید کا لقب دیا پھر بھی قرآن سے شہید اور صدیق کا تعدد معلوم ہوتا ہے۔ ''أُولٰـئِکَ هُـمُ الـصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَـدَاءُ عِـنْـدَ رَبِّهِـمْ.'' قرآن مجید میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو امام فرمایا گیا اور خود امت نے ہزاروں کو امام کے لقب سے نامزد کیا۔ نیز حضور اقدس ﷺ نے حضرت حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی نسبت فرمایا: ان ابـنـی هذا سید. پھر بلانکیر سید کا اطلاق ہزاروں پر کیا گیا اور اخیر بات تو یہ ہے کہ یہ حکم شرعی ہے اس کا استفتاء علماء سے کرلیا جاوے۔ کم از کم یہی فائدہ ہوگا کہ تحقیق مشترک ہو جاوے گی تفرد تو نہ ہوگا۔ اگر استفتاء ہو دونوں پہلوؤں کے دلائل سوالوں میں لکھ دئے جاویں۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلق تلقیب بھی مستلزم تخصیص نہیں بلکہ اس میں تفصیل ہے۔ وہ یہ کہ تلقیب کبھی نفس مفہوم لقب کے اعتبار سے ہوتی ہے وہ تو مقتضی تخصیص کی ہوتی ہے جیسے رسول کا لقب صحابی کا لقب مثلاً اور کبھی مفہوم لقب کے درجہ کمال کے اعتبار سے ہوتی ہے وہ نفس مفہوم کی تخصیص کو مقتضی نہیں ہوتی۔ بخاری کی حدیث میں حضور ﷺ کے مناقب میں حدیث قدسی ہے۔ ''سَمَّیْتُکَ الْمُتَوَکِّلَ.'' اور پھر غیر رسول پر اطلاق متوکل کا بلانکیر شائع ہے۔ البتہ قرآن مجید میں ارشاد ہے ''هُوَ سَمّٰـکُمُ الْمُسْلِمِيْنَ'' اس کا اطلاق غیر مسلم پر جائز نہیں۔ فرق یہی ہے کہ مسلمین کا لقب باعتبار نفس مفہوم کے ہے اور متوکل کا لقب باعتبار کمال کے ہے اور تعیین اس کی قرائن خارجیہ سے ہوتی ہے جس میں ذوق اجتہادی کی ضرورت ہے۔ ماد شما کا

حکم معتبر نہیں۔اس کے بعد ایک حدیث نظر سے گزری۔آخر زمانہ میں روم اور اہل مدینہ کے قتال کے واقعہ میں ارشاد ہے۔''وَيُقْتَلُ ثُلُثٌ هُمْ اَفْضَلُ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ اللّٰهِ۔ (جمع الفوائد کتاب الملاحم عن مسلم)

افضل الشہداء مرادف ہے سید الشہداء کا۔اس سے اطلاق کا خود اسی روایت میں تصریح ہے کہ سید الشہداء کا اطلاق ایسے شخص پر بھی کیا جاسکتا ہے جو امام جائر(۱) کے مقابلہ میں مارا جائے۔اب کیا حضرت حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس رجل کے عموم میں داخل نہیں۔یقیناً داخل ہیں اور جب آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس عموم میں داخل ہو گئے تو حضرت امام (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے اوپر سید الشہداء کا اطلاق حضور ﷺ ہی کی زبان مبارک سے ثابت ہو جائے گا اور حضرت امام (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا مقابلہ بلاشبہ امام جائر سے تھا۔

دوسری روایت: حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے کہ حضرت جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پر سید الشہداء کا اطلاق کیا گیا۔اس وقت سرسری تتبع سے یہ روایات سامنے آگئی ہیں۔ممکن ہے تلاش کرنے پر اور روایات بھی ایسی ملیں کہ جن میں دوسرے صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پر خاص اس لفظ کا یا دوسرے ان القاب کا جو حضور ﷺ نے صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کو دیے،اطلاق کیا گیا ہو۔لہذا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ ان القاب کا دوسرے لوگوں پر اطلاق نہیں کیا گیا،بالخصوص سید الشہداء کا۔

شبہ دوم: دوسرا شبہ یہ ہوسکتا ہے (یہ مانع کی طرف سے کیا گیا ہے) کہ سید الشہداء میں اضافت سید کی جمع کی طرف ہے جو مفید عموم ہے۔یہ بھی دعوی محض ہے۔اس پر کوئی دلیل قوی قائم نہیں کی گئی۔اس لئے ظاہر یہی ہے کہ اضافت اور الف لام دونوں عہد کیلئے ہیں،استغراق کیلئے نہیں اور اگر استغراق بھی تسلیم کرلیا جائے تو استغراق حقیقی پر کیا دلیل ہے۔ظاہر ہے کہ استغراق عرفی ہے چنانچہ علامہ حنفی حاشیہ

(۱) ظالم

شرح جامع صغیر حدیث سید الشہداء حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔ قوله سيد الشهداء اى شهداء المعركة فلا يردان نحو سيدنا عمر (رضى الله تعالىٰ عنه) من الشهداء وهو افضل منه لكنه ليس من شهداء المعركة فليس داخلاً فيه وكذا يقال فى رجل قام الى الإمام.
(حاشیہ شرح جامع صغیر ص:۳۲۱)

شبہ سوم: تیسرا شبہ اس میں تشبہ بالروافض ہے۔ یہ اس قدر ضعیف ہے کہ ایک فاضل اور فہیم شخص کو تو کیا معمولی آدمی کو بھی اس سے دھوکہ نہیں ہوسکتا کیونکہ نفس محبت حسنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) یا حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور ان کا مرتبہ اہلسنت کے نزدیک جو کچھ ہے وہ معلوم ہے۔ باقی ان کو شیعہ کا اپنے اعتقاد کے موافق اور حضرات سے افضل سمجھنا افراط ہے لہذا محض اس وجہ سے اس کے عدم اطلاق کو معلل کرنا درست نہیں جبکہ اس کے عدم جواز پر کوئی نص موجود نہیں اور روایات کے عموم سے جواز مفہوم ہوتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ وجہ عدمِ جواز کی یہی ہو سکتی ہے کہ یہ لقب حضرت حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کیلئے مخصوص ہے سو اس کا عام ہونا تقریر مذکور سے ثابت ہو گیا اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے اور حضرت حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کیلئے اس خصوصی شرف کو مخصوص کر دیا جائے تو ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پر جو اطلاق کیا ہے وہ اس کے اس وصف خاص کے لحاظ سے فردِ اعلیٰ تھے اور دوسرے افراد کو چونکہ زبانِ نبوت سے یہ لقب نہیں ملا تو اس درجہ میں نہ سہی لیکن اطلاق کیلئے کوئی مانع نہیں جب کہ حضور ﷺ کے کلام سے عموم ثابت ہے چنانچہ علامہ حنفی سید الشہداء جعفر میں بھی باوجودیکہ خود حضور ﷺ نے ان کو سید الشہداء فرمایا، یہ توجیہ فرماتے ہیں: اى بعد حمزة (رضى الله تعالىٰ عنه) ويوجد فى المفضول. (ص:۳۲۱ ج:۲)

۲۔حدیث سید الشہداء الخ کو مجمع الفوائد میں حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے بحوالہ اوسط نقل کیا ہے اور بضعف لکھا ہے لیکن جامع صغیر میں طبرانی کبیر کے حوالہ سے اور بحوالۂ حاکم حضرت جابر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے نقل کیا ہے اور شرح میں ہے۔قال الشیخ حدیث صحیح. (ص:۳۲۱ ج:۲)

۳۔''سید شباب اھل الجنۃ'' ترمذی (ص:۲۱۸ ج:۲) پر ہے۔ ترمذی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اس کو حسن اور صحیح کہا ہے۔

۴۔دونوں روایتوں میں چونکہ کوئی تعارض وتخالف نہیں اس لئے کسی کو راجح مرجوح کہنے کی ضرورت نہیں۔ ہر ایک اپنے اپنے محل پر محمول ہے۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ سید احمد اجراڑوی

مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور ۲۶ رجب ۱۳۵۲ھ

الجواب صحیح

عبد اللطیف مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

جواب دیوبند

استفتاء متعلقہ لقب سید الشہداء مع دلائل فریقین دیکھا جواب کیلئے فرصت کا انتظار تھا اسی درمیان میں جواب محرّرہ مظاہر العلوم سہارنپور نظر سے گزرا بالکل صحیح اور کافی ووافی معلوم ہوا۔اس لئے جداگانہ جواب کی حاجت نہ رہی اس لئے اسی جواب کی تصدیق کرتا ہوں اور شبہ دوم کے متعلق اتنا اور اضافہ کرتا ہوں کہ یہ شبہ تشبہ اور تشابہ میں فرق نہ کرنے پر مبنی ہے حالانکہ دونوں میں بونِ بعید ہے۔اگر حب آل نبی روافض میں پائی جائے یا کسی درجہ میں ان کے ساتھ مخصوص سمجھی جانے لگے تو کیا اہل سنت والجماعت کو یہ رائے دی جاوے گی کہ وہ اس کو چھوڑ دیں۔ کلا ثم کلا ولنعم ما

قال الشافعیؒ

ان کان رفضا حب آل محمد فلیشھد الثقلان انّی رافضی

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ احقر محمد شفیع غفرلہ خادم دارالافتاء بدیوبند

۲۹ شعبان ۱۳۵۲ھ

(النور بابت ماہ ذی القعدہ ۱۳۵۲ھ)

تنقید از مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی بر رسالہ تحریف قرآن کی حقیقت مصنفہ مولوی سید علی نقی شیعی

تحریف شیعہ

مصنف کتاب سید علی نقی نے شیعوں سے الزام عقیدۂ تحریف قرآن دور کرنے کی انتہائی کوشش کی ہے لیکن وہ کوشش صرف ناواقفوں کو دھوکہ دے سکتی ہے اور واقف کار جانتے ہیں کہ وہ سراسر تلبیس اور فریب ہے۔ اس کے متعلق مفصل بحث تو کسی دوسرے وقت کی جا سکتی ہے اس وقت ہم نہایت مختصر طور پر اس پر بحث کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مصنف نے اپنی کتاب (ص: ۱۷۶، ۱۷۷) میں اقرار کیا ہے کہ قرآن کے متعلق دو جزو ایسے ہیں جو علماء شیعہ میں نقطۂ اتفاق ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن میں زیادت نہیں ہے اور موجودہ قرآن کلام الٰہی اور وحی آسمانی ہے۔ دوسرے یہ کہ قرآن کی ترتیب اصلی سلسلہ نزول کے مطابق نہیں ہے اور اس میں تقدیم و تاخیر ہوئی ہے۔ اھ

اس عبارت میں تسلیم کیا گیا ہے کہ قرآن کے غیر مرتب ہونے پر شیعہ کا اتفاق ہے۔ اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ اس کے غیر مرتب ہونے کی نوعیت کیا ہے۔ آیا صرف سورتوں کی تقدیم ہے یا آیات کی بھی تقدیم و تاخیر ہے۔ اس کا جواب ہم کو اسی

کتاب کے صفحہ ۱۲۹ میں الفاظ ذیل میں ملتا ہے۔ درحقیقت روایات مذکورہ سے قطعی طور پر جو کچھ نکلتا ہے وہ دو چیزیں ہیں ایک تحریفِ معنوی دوسری ترتیبِ قرآن کا بگڑنا یعنی ایک جگہ کی آیت کا دوسری جگہ ہونا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف سورتوں میں ہی میں تقدیم وتاخیر نہیں بلکہ آیتوں میں بھی تقدیم وتاخیر ہے۔

اب ہم کو اس تقدیم وتاخیر کی نوعیت اور اس کی غرض پر نظر کرنا ہے سو اس کی نوعیت احتجاجِ طبری کی روایت کے اس فقرہ سے معلوم ہوتی ہے جس کو مصنف نے اپنی کتاب کے صفحہ: ۱۷۲ پر نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: واما ظهورک علی تناکر قوله "فان خفتم الاتقسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم من النساء" ولیس یشبه القسط فی الیتامی نکاح النساء فهو بما قدمت ذکره من اسقاط المنافقین من القرآن بین القول فی الیتامی وبین نکاح النساء من الخطاب والقصص أکثر من ثلث القرآن وهذا وما أشبه مما ظهرت حوادث المنافقین فیه لأهل النظر والتأمل ووجد المطلعون وأهل الملل المخالفین للإسلام مساغاًالی القدح فی القرآن یعنی امام صاحب اپنے مخاطب سے فرماتے ہیں کہ تم کو جو "فان خفتم الاتقسطوا فی الیتامی اور فانکحوا ما طاب لکم من النساء" کا بے جوڑ ہونا معلوم ہوتا ہے سو اس کی وجہ وہی ہے جو میں بیشتر بیان کر چکا ہوں کہ منافقین نے قرآن کو نکال ڈالا ہے چنانچہ اقساط فی الیتامی اور نکاح النساء کے درمیان ایک تہائی قرآن تھا جس کو درمیان سے حذف کر کے دونوں فقروں کو ملا دیا گیا ہے۔ یہ اور اس قسم کی اور آیتیں وہ ہیں جن سے منافقین کی کارستانیوں کا اہل غور وفکر کو پتہ چلتا ہے اور معطلہ اور دوسرے مخالفین کو قرآن میں طعن کا موقع ملتا ہے۔ اس تصریح سے اس تغیر ترتیب کی نوعیت بھی معلوم ہوگئی اور معلوم ہو گیا کہ وہ تغیر اسی قسم کا تھا کہ اس سے قرآن کے فقرے بے ربط اور بے جوڑ ہو گئے چنانچہ ایک جملہ کی جزاء کو حذف کر کے ایک

ایسے جملے کو جو ایک تہائی قرآن سے زیادہ کے بعد واقع تھا اور نہ معلوم اس کی حیثیت اس جگہ کیا تھی شرط کی جزاء بنا دیا گیا جس سے بجائے اس کے کہ لوگ قرآن کی فصاحت و بلاغت کے قائل اور اس کے کلام اللہ ہونے کے معتقد ہوں وہ اس پر طعنہ زن ہوئے۔

نیز اسی روایت میں ایک دوسرا فقرہ واقع ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: زاد فيه ما ظهر تناكره وتنافره. اس کی توضیح مصنف نے یوں کی ہے:۔اس میں موقع بموقع ایسے جملے زیادہ ہو گئے ہیں جن کی اجنبیت اس مقام سے جہاں وہ بڑھائے گئے ہیں اور مغایرت اسی مقام سے ظاہر ہے۔پس ان تشریحات سے تغیر ترتیب کی نوعیت معلوم ہو گئی۔اب دیکھنا یہ ہے کہ اس قسم کے تغیرات کا منشاً کیا ہے۔اس کا جواب اسی روایت کے اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے جس کو مصنف نے اسی کتاب کے صفحہ: ۱۷ پر نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ثم وقعهم الاضطرار لورود المسائل عما لايعلمون تأويله وتضمينه من تلقائهم ما يقيمون به دعائم كفرهم فصرخ مناديهم من كان عنده شئي من القرآن فلياتنا به ووكلوا تاليفه إلى بعض من وافقهم إلى معاداة أولياء الله فألفه على اختيارهم. یعنی پھر امیر المؤمنین کے ترتیب دادہ قرآن کے واپس کرنے کے بعد جب ایسی آیات کے متعلق سوال پیدا ہوئے جن کی تاویل سے وہ واقف نہ تھے تو ان کو ضرورت پڑی کہ اس کی جمع و تالیف کریں اور اس میں اپنی طرف سے وہ باتیں داخل کریں جن سے وہ اپنے کفر کے ستونوں کو کھڑا کریں چنانچہ ان کے اعلان کرنے والے نے اعلان کیا کہ جس کے پاس کچھ قرآن ہو وہ ہمارے پاس لے آئے اور انہوں نے اس کی تالیف و ترتیب ایسے شخص کے سپرد کی جو خدا کے دوستوں یعنی اہل بیت کی عداوت میں ان کے ساتھ موافقت رکھتا تھا لہذا اُس نے اِس کو ان کے منشاً کے مطابق ترتیب دیا۔اس سے تغیر ترتیب کی غرض بھی معلوم ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ اس کا منشاً کفر کے ستونوں کو قائم

کرنا اور اہل بیت کی مخالفت کرنا ہے۔ یہ تمام وہ باتیں ہیں جن کو تمام علماء شیعہ بالاتفاق تسلیم کرتے ہیں حتیٰ کہ اس کا خود مصنف کو بھی اقرار ہے۔ اس قول میں کہ ان تشریحات کے ساتھ ہمیں اس روایت کو تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں۔ (ص:۱۷۳)

کیا ان تصریحات کے دیکھنے کے بعد بھی کسی کو گنجائش ہے کہ وہ یہ دعویٰ کر سکے کہ شیعہ تحریف قرآن کے منکر ہیں اور اس کو بعینہٖ منزل من اللہ جانتے ہیں اور کیا اب بھی مصنف کا منہ ہے کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ موجودہ قرآن کلام الٰہی وحی آسمانی رسول کا اعجاز اور مسلمانوں کیلئے واجب العمل ہے۔ اس کے کسی جزء یا کل کے مفاد کی مخالفت، مخالفتِ خدا ہے اور اس کا اتباع ہر مسلمان کا رکن مذہب اور اہم ترین فریضہ ہے۔ موجودہ قرآن کے علاوہ کسی سورت، کسی آیت، کسی حرف کا بھی جزو قرآن ہونا ثابت نہیں اور نہ اس پر احکام مرتب ہو سکتے ہیں۔ اھ۔ ہرگز اس کا منہ نہیں کہ وہ ایسا دعویٰ کر سکے تو کیا اس کا نہایت بے باکی کے ساتھ ایسا دعویٰ کرنا اور اس کو جلی قلم سے آخر کتاب میں بطور خلاصہ کے لکھنا سراسر دھوکہ اور فریب نہیں ہے۔ ہے اور ضرور ہے۔ جی چاہتا تھا کہ اس مجتہد کے ان تمام فریبوں کو ظاہر کروں جو اس نے اس بحث میں استعمال کئے ہیں مگر افسوس کہ وقت نہیں ان شاء اللہ پھر دیکھا جائے گا اور بتلاؤں گا کہ شیعہ صرف اسی تحریف کے قائل نہیں جو تغیر و ترتیب کے ضمن میں متحقق ہے بلکہ ہر قسم کی تحریف کے قائل ہیں اور شیخ صدوق اور اس کے متبعین نے جو بعض انواع تحریف کا انکار کیا ہے وہ مذہب شیعہ نہیں ہے اور نہ اس سے خود ان کے منکرین کو کچھ فائدہ پہنچتا ہے اور نہ مذہب شیعہ کو بلکہ ان کو یہ نقصان ہوتا ہے کہ وہ بلا وجہ مخالفت ائمہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اب ہم کو یہ دکھلانا ہے کہ مصنف نے ان لوگوں کی کس طرح حمایت کی ہے جن کو وہ بھی تحریف کا قائل مانتے ہیں۔ سو وہ صفحہ:۱۸۲ میں لکھتا ہے "عام طور پر اس خیال کی نشر و اشاعت کی جاتی ہے کہ تحریف قرآن کا عقیدہ ایمان بالقرآن کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ جس کتاب میں تغیر و تبدیل اور حذف و اسقاط

عمل میں آ گیا وہ درجہ اعتبار سے ساقط ہو گئی اور یہ حق باقی نہیں رہا کہ اس پر ایمان کا دعوی کیا جائے لیکن یہ خیال حقائق مذہب اور احکام عقل سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ ہم نے معیار حجت یا سند اعتبار کے تحت میں اس امر کی کافی توضیح کر دی ہے کہ تحریف کا اجمالی ثبوت جس کے اندر مخصوص ہو اور خاص نوعیت کی تعیین نہ ہو بے شک تمام کتاب کو غیر معتبر بنانے کا سبب ہو سکتا ہے لیکن تحریف کا ثبوت اس طرح کہ اس کے مقامات کی تعیین اور نوعیت کا علم ہو جائے، موجودہ حصہ کے اعتبار پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتا جبکہ موجودہ حصہ کے متعلق قطعی دلائل بھی موجود ہوں جو اس کی حجیت واعتبار کے ضامن ہیں۔ علماء شیعہ میں سے وہ افراد جو مذکورہ روایات کے ظاہری مفاد کی بنا پر موجودہ قرآن میں نقصان وتحریف کے قائل ہو گئے ہیں ان کے عقیدہ تحریف کی نوعیت یہی ہے'' اھ۔ لیکن یہ محض ایک جھوٹا دعوی ہے جس کا مصنف کوئی ثبوت نہیں دے سکتا چنانچہ نہ وہ اس کا ثبوت دے سکتا ہے کہ جو لوگ تحریف کے قائل ہیں وہ صرف فلاں فلاں مقام پر تحریف کے قائل ہیں اور نہ وہ یہ ثابت کر سکتا ہے کہ موجودہ حصہ کے محفوظ ہونے پر قطعی دلائل قائم ہیں۔ ان لوگوں کو وہ کیا بری کر سکتا ہے خود مصنف جو کہ بظاہر اس کا اقرار کرتا ہے کہ قرآن میں صرف تغییر وترتیب کے ذریعہ سے تحریف کی گئی ہے اور کسی ذریعہ سے نہیں۔ وہی بتلا دے کہ اصلی ترتیب کیا تھی اور وہ کس کس مقام پر واقع ہوئی ہے اور اس کا کیا ثبوت ہے کہ جن مقامات پر وہ تحریف کا اقرار کرتا ہے اس کے علاوہ دوسرے مقامات پر نہیں ہوئی۔ ہم دعوی سے کہتے ہیں کہ وہ ان باتوں کا کوئی ثبوت نہیں دے سکتا اور جبکہ وہ اس کا ثبوت نہیں دے سکتا تو خود اس کے تسلیم کردہ اصول کی بنا پر وہ خود بھی ایمان بالقرآن کا دعوی نہیں کر سکتا۔ دوسروں کو تو کیا بری کر سکتا ہے۔
۲۷ شعبان ۱۳۵۱ھ (النور ص: ۷ جمادی الثانی ۱۳۵۲ھ)

(امداد الفتاوی ج: ۵ ص: ۵۵ تا ۵۸)

جواب شبہ برحدیث منع علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
از ازدواج بر فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

السوال: صحاح کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو ابو جہل کی لڑکی سے عقد کیلئے دراں حالیکہ ابن حجر کی روایت کے مطابق وہ مسلمہ تھیں، منع فرمایا اور حضرت فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی تکلیف کو اس کا سبب بتلایا۔ پھر سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ تمام مسلمات کو اس سے بہر حال تکلیف ہوتی ہے کہ ان کی سوکن لائی جائے تو آخر حضرت فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی تخصیص کی کیا وجہ؟

جواب: معلوم نہیں تخصیص کا شبہ کس بات سے ہوا۔ اسی روایت میں ہے "لا أُحَرِّمُ حَلَالًا" تو منع کہاں ہوا جس سے تخصیص کا شبہ ہو سکے اور یہ جو فرمایا: یریبنی ما رابہا ویؤذینی ما اذاہا۔ اس کے کہنے کا حق سب مسلمات کے اولیاء کو ہے پھر وہ کون سی چیز ہے جس میں تخصیص کا شبہ ہے۔ (النور ص: ۹ جمادی الاولی ۱۳۵۴ھ)

(امداد الفتاوی ص: ۱۲۹، ۱۳۰)

حضرت معاویہؓ کا صحابی ہونا
اور ان کے ساتھ حضرت اور رضی اللہ عنہ کہنا

السوال: حضرت معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) صحابی اند یا نہ؟ ودر فضیلت بوصف صحابیت شریک صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) ہستند یا نہ؟ وایشاں را بلقب حضرت ودعائے رضی اللہ عنہ یاد کردن شعار اہل سنت است یا نہ؟ وکسیکہ در تعظیم نماید ومردماں را تخصیص وترغیب بر قبائح ایشاں سازد در رافضی بودن ایں کس تأمل است یا نہ؟

الجواب: معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) صحابی بن صحابی اند در صحابیت وفضیلت

اوشاں کرا کلام است مگر کہ رافضی باشد وبلقب حضرت وتحیہ رضی اللہ عنہ اوشاں رایاد کردن شعار اہل سنت وجماعت است وکسیکہ در شان والائے ایشاں طعنے یا تشنیع بر زبان راند شعبہ از رفض دارد۔ قال رسول اللہ ﷺ: اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضاً مِنْ بَعْدِیْ. مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ. وقال ﷺ فی معاویة (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه): اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِیاً مَهْدِیًّا. وآنچہ مشاجرات ومنازعات فیما بین واقع شدہ ایں رابر محامل صحیحہ وتاویلات مقبولہ حمل تواں کرد از حضرت غوث الثقلین (رحمہ اللہ تعالیٰ) منقول است کہ اگر دررہ گزر حضرت معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نشینم وگردسم اسپ جناب بر من افتد باعث نجات می شناسم۔ پس تعجب است کہ چنیں بزرگان دین چناں خیال فرمایند وچند کس وناکساں زبان درازی کنند۔ صدق من قال۔

چوں خدا خواہد کہ پردۂ کس درد میلش اندر طعنہ پاکاں برد

فقط ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۱ھ (امداد ج:۴ ص:۱۲۲)

(امداد الفتاوی ج:۵ ص:۳۹۵، ۳۹۶)

ایضاً

سوال: زید کہتا ہے کہ میں حضرت معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے بدعقیدہ ہوں اور کسی طرح جی نہیں چاہتا کہ ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہوں مگر اب تک کہا ہے اور کہتا ہوں اور کہوں گا۔ زید یہ بھی کہتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تھے تو صحابی مگر دل میں سلطنت کی محبت رکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح سلطنت یا خلافت میرے ہی خاندان میں رہے۔ اسی بنا پر انہوں نے اپنے بیٹے یزید سے کہہ دیا تھا کہ حضرت امام حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو مار ڈالنا۔ پھر زید اس اخیر جملے کے خلاف ایک یہ روایت بیان کرتا ہے کہ انہوں نے (حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے) حضرت امام حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے مار ڈالنے کو یزید سے نہیں

کہا تھا۔غرض زید مختلف روایتیں بیان کرتا ہے اور غالباًاول روایت کو صحیح جانتا ہے۔زید اپنے خیالات کی تائید میں یہ بھی پیش کرتا ہے کہ شمس التواریخ کے مصنف نے بھی اپنی تصنیف میں جا بجا حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پر طعن کئے ہیں۔ زید یہ بھی کہتا ہے کہ حضرت ابوسفیان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پکے مسلمان نہ تھے البتہ مرتے وقت پکے مسلمان ہو گئے تھے۔

اب دریافت طلب یہ ہے کہ زید جو اپنے کو سنی اور حنفی کہتا ہے تو ان عقائد اور خیالات کے کہنے سے اس کی سنیت اور حنفیت میں کوئی نقصان نہیں آتا؟ اور ایسے شخص کے پیچھے نماز وغیرہ پڑھنے میں اور اس کی محفلوں اور جلسوں میں بیٹھنے سے کچھ خرابی تو نہیں آتی؟ اور یہ ارشاد فرمایئے کہ اہل سنت و جماعت کو حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور حضرت ابوسفیان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے کیا عقیدہ رکھنا چاہئے اور شمس التواریخ اور اس کے مصنف جو اکبر آبادی ہیں اور غالباً ابھی زندہ ہوں گے، اسلام میں کیا رتبہ رکھتے ہیں؟ آیا ان کی تصانیف قابل اعتبار ہیں یا نہیں؟

الجواب: حدیث میں ہے ”لا تسبوا اصحابی فلو ان احد کم انفق مثل احد ذھباما بلغ مد أحدھم ولا نصیفه“ متفق علیه. اور حدیث میں ہے ”کرموا اصحابی فانھم خیارکم“ رواہ النسائی. اور حدیث میں ہے ”لا تمس النار مسلماًرأنی“ اور ”ایّ من رأنی“ رواہ الترمذی. اور حدیث میں ہے ”فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم“ رواہ الترمذی. اور حضرت ابوسفیان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور حضرت معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) صحابی یقیناً ہیں۔اس لئے احادیث مذکورہ ان کو شامل ہوں گی۔ پس ان کا اکرام اور محبت واجب ہوگی اور ان کو برا کہنا اور ان سے بغض ونفرت رکھنا یقیناً حرام ہوگا اور ان سے جو کچھ منقول ہے بعد تسلیم صحت نقل ان اعمال پر ان کے حسنات بلکہ خود ایک وصف صحابیت غالب ہے جیسا ارشاد نبوی ”فلو ان

احد کم الخ‘‘ اس پر دال ہے اور اسی بنا پر ’’لا تمس النار الخ‘‘ فرمایا ہے۔ پس جو وسوسہ وخطرہ بلا اختیار دل میں پیدا ہو وہ عفو ہے اور جو عقیدہ اور تعلق اختیار سے ہو اس کی اصلاح واجب ہے اور جو شخص باختیار بدگمانی یا بدزبانی یا بغض ونفرت رکھے گا لامحالہ وہ احادیث نبویہ کا مخالف اور خارج از اہل سنت وجماعت ہے جیسا کہ کتب اہلسنت وجماعت سے ظاہر ہے۔ اس لئے اسکی امامت بھی مکروہ ہے اور اختلاط بلاضرورت ممنوع۔ فی شرح العقائد النسفية ’’وما وقع بينهم من المنازعات والمحاربات فله محامل وتأويلات فسبهم وطعنهم ان كان مما يخالف الادلة القطعية فكفر كقذف عائشة (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها) والا فبدعة وفسق.‘‘ ا ھ۔ شمس التواریخ نظر سے نہیں گزری نہ مصنف کا حال معلوم ہوا۔ واللہ اعلم۔ امداد ج:۴ ص:۱۲۹

(امداد الفتاوی ج:۵ ص:۳۹۶، ۳۹۷)

بطلان زعم شیعہ درباب امام مہدی کہ بعد پیدائش غائب شدند وقریب قیامت ظاہر شدند

سوال: ایک صاحب نے دریافت کیا کہ امام مہدی (علیہ السلام) کی پیدائش کے متعلق محققین کا کیا مذہب ہے؟ اور بعض صوفیاء کا خیال کہ پیدا ہوکر غائب ہوگئے ہیں، قریب قیامت ظاہر ہوں گے جیسا کہ شیعوں کا زعم ہے، کیسا ہے؟

الجواب: صوفیہ ہوں یا غیر صوفیہ اصول شرعیہ کے سب پابند ہیں۔ ان اصولوں میں سے یہ اصل بھی ہے کہ منقولات کیلئے خبر صحیح کی ضرورت ہے۔ پس جب تک کوئی خبر صحیح موافق قواعد معتبرہ کے نہ پائی جاوے اس وقت تک کوئی امر منقول ثابت نہیں ہوسکتا اور اس بارہ میں ان تک کوئی خبر ایسی ثابت نہیں ہوئی۔ پس ان کی پیدائش کا اعتقاد رکھنا بھی درست نہ ہوگا۔ اور غالب یہ ہے کہ اصل اس دعوی کی شیعوں

سے شروع ہوئی ہے اور صوفیہ کی طرف اس کی نسبت کرنا تہمت ہے۔ واللہ اعلم۔
۲۷ محرم ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ ص:۱۲۱) (امداد الفتاوی ج:۵ ص:۴۱۶، ۴۱۷)

جواب اشکال سیاست قولیہ عمرؓ برائے علیؓ وغیرہ بسبب تأخیر بیعت بابی بکر بر تقدیر صحت روایات تأخیر

سوال: ابو الفداء کی عبارت حسب ذیل ہے جس کے متعلق جناب والا سے رمضان میں عرض کیا تھا "بایع عمر ابابکر (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما) وامتثل الناس علیه یبایعونه فی العشر الاوسط من ربیع الاول سنة احدی عشرة خلا جماعة من بنی هاشم والزبیر وعقبة بن ابی لهب وخالد بن سعید العاص والمقدادبن عمرووابن عمروسلمان الفارسی وابی ذر وعمار ویاسر والبراء بن عاذب وابی بن کعب (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهم) ومالوا الی علی بن ابی طالب (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه) وقال فی ذلک عقبة بن ابی لهب (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه):

ما کنت احسب ان الامرمنصرف عن هاشم ثم منهم عن ابی الحسن
عن اول الناس ایماناًسابقه واعلم الناس بالقرآن والسنن
وآخر الناس عهداًبالنبی ومن جبریل عون له فی الغسل والکفن
من فیه ما فیهم لایمترون به ولیس فی القوم ما فیه من الحسن

وکذلک تخلف عن بیعة ابی بکرابو سفیان بن امیة ثم ان ابابکر بعث عمر بن الخطاب الی علی ومن معه لیخرجهم من بیت فاطمة وقال: ان ابوا علیک فقاتلهم فاقبل عمر بشئی من نارعلی ان یضرم الدارفلقیته فاطمة وقالت: الی این یا ابن الخطاب! اجئت لتحرق دارنا ؟قال نعم او تدخلوافیما دخل فیه الامة. فخرج علیّ حتی ابابکر (رضی اللّٰہ

تعالیٰ عنه وعن كل الصحابة اجمعين) فبايعه. كذا نقله القاضي جمال الدين بن واصل عن ابن عبد ربه المغربي.

یہ واقعہ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء میں بدیں الفاظ منقول ہے:

عن زيد بن اسلم عن ابيه انه حين بويع لأبي بكر (رضى الله تعالىٰ عنه) بعد رسول الله ﷺ كان علي والزبير (رضى الله تعالىٰ عنهما) يدخلان على فاطمة (رضى الله تعالىٰ عنها) بنت رسول الله ﷺ فيشاورونها ويرتجعون في أمرهم فلما بلغ ذلك عمر بن الخطاب (رضى الله تعالىٰ عنه) خرج حتى دخل على فاطمة (رضى الله تعالىٰ عنها) فقال: يا بنت رسول الله والله ما من الخلق احبّ الينا من ابيك وما من احد احب الينا بعد ابيك منك وايم الله ما ذاك بمانعي ان اجتمع هؤلاء النفر عندك ان امرتهم ان يحرق عليهم البيت قال: فلما خرج عمر (رضى الله تعالىٰ عنه) جاء وها فقالت: تعلمون ان عمر قد جاء ني وقد حلف بالله لئن عدتم ليحرقن عليكم البيت وايم الله لما حلف عليه فانصرفوا راشدين فرؤا رأيكم ولا ترجعوا اليّ فانصرفوا عنها فلم يرجعوا الينا حتى يبايعوا لابي بكر (رضى الله تعالىٰ عنه).

یہ روایت استیعاب میں بھی مذکور ہے مگر بجائے "امرتهم ان يحرق عليهم البيت." کے "لافعلن لافعلن." ہے۔ روایت اولی تو یقیناً موضوع ہے کیونکہ صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) میں افضلیت صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا کوئی منکر نہ تھا اگرچہ دیگر وجوہ سے بیعت صدیقی میں کسی نے توقف کیا ہو۔ اس لئے جمال الدین بن واصل اور ابن عبد ربہ کی حالت تحقیق طلب ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ ابن عبد ربہ کو یہ روایت ڈھائی صدی کے بعد کس ذریعہ سے پہنچی۔ ابن عبد ربہ کی حالت

''وفیات الاعیان'' سے صرف اس قدر معلوم ہو سکتی ہے کہ '' کان من العلماء المکثرین من المحفوظات والاطلاع علی اخبار الناس وصنف کتاب العقد وھو من الکتب الممتعۃ حوی من کل شئی کانت ولادتہ فی رمضان سنۃ ۲۴۶ھ وتوفی سنۃ ۳۲۸ھ. '' یہ نہیں معلوم ہوا کہ یہ کس خیال کا آدمی تھا اور نہ یہی پتہ چلا کہ یہ روایت اس کو کس ذریعہ سے پہنچی اور نہ جمال الدین بن واصل کا کچھ حال معلوم ہوا۔ روایت ازالۃ الخفاء کی سند یا اس کا ماٴخذ ہی ہنوز تحقیق طلب ہے۔

روایت استیعاب کی سند کی تنقید بھی ضروری ہے۔ اگر انہوں نے سند نقل کی ہے ورنہ ماٴخذ کی تحقیق درکار ہے (کوشش کروں گا) مولوی حیدر علی صاحب نے ''منتہی الکلام'' میں اس مبحث پر دوسرے عنوان سے بحث کی ہے لیکن ان امور سے تعرض نہیں کیا اور روایت ابوالفداء کو تو ذکر ہی نہیں کیا۔ میں نے خود ابوالفداء سے نقل کیا ہے۔

الجواب: اگر ان روایات کو بعینہا مان بھی لیا جائے تب بھی واقع میں کوئی اشکال معلوم نہیں ہوتا۔ ان کے نزدیک وہ باغی سمجھے گئے اور باغی کو سیاست کرنا کوئی امر محالِ اشکال نہیں خصوص جب کہ اس کا وقوع بھی نہ ہوا ہو اور اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ تخفیف ہی مقصود ہو اور عزم نہ ہو کہ ایسا کیا جائے۔ شوال ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ ص:۸۴) (امداد الفتاوی ج:۵ ص:۴۲۰،۴۲۱)

دفع شبہ تقدیم آل بر اصحاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

سوال: درود شریف میں صرف آل کا لفظ ہے دیگر مقامات میں مثلاً خطب و دیباچہ ہائے کتب میں بھی جہاں حضرت ﷺ پر درود کہا جاتا ہے، آل کو اصحاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) پر مقدم کیا جاتا ہے۔ شیعہ اس سے افضلیت آل

براصحاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) پر استدلال کرتے ہیں حالانکہ ہمارے یہاں بعد حضرت ﷺ کے، خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پھر بقیہ خلفائے ثلثہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پھر حضرت حسن وحسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) ہیں چنانچہ خطبات جمعہ وعیدین میں بھی ترتیب رکھی گئی ہے۔ یہ کیا بات ہے؟ حضور تکلیف فرما کر تحریر فرمادیں کہ تسلی خاطر ہو۔

الجواب: ترتیب ذکری مستلزم ترتیب درجہ کو نہیں۔ پھر یہ کہ مصداق اول کا صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میں بھی تو داخل ہیں اور ترتیب ذکری کا سبب تو عادۃً یہ ہوتا ہے کہ اشرف کے جزو کو تبعاً غیر جزو کے ذکر پر مقدم کردیتے ہیں۔ ۱۱ رجب ۱۳۳۲ھ

(تتمہ ثالثہ ص:۴۹) (امدادالفتاوی ج:۵ ص:۴۲۴، ۴۲۵)

تحقیق لعن یزید

سوال: یزید کو لعنت بھیجنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر بھیجنا چاہئے تو کس وجہ سے؟ اور اگر نہ بھیجنا چاہئے تو کس وجہ سے؟ بینوا توجروا

الجواب: یزید کے باب میں علماء قدیماً وحدیثاً مختلف رہے ہیں۔ بعض نے تو اس کو مغفور کہا ہے بدلیل حدیث صحیح بخاری ''ثم قال النبی ﷺ: اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم.'' مختصرا من الحدیث الطویل بروایۃ أم حرام (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھا). قال القسطلانی (رحمہ اللہ تعالیٰ): کان أول من غزا مدینۃ قیصر یزید بن معاویۃ ومعہ جماعۃ من سادات الصحابۃ (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم اجمعین) کابن عمر وابن عباس وابن الزبیر وابی ایوب الانصاری وتوفی بھا ابو ایوب (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم اجمعین) سنۃ اثنین وخمسین من الھجرۃ. اھ. کذا قالہ فی الھیر البحاری وفی الفتح قال المھلب: فی ھذا الحدیث منقبۃ

لمعاویة(رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه)لأنه اول من غزا البحر ومنقبة لولده لانه اول من غزا مدینة قیصر. انتھی۔

اور بعضوں نے اس کو ملعون کہا ہے لقوله تعالی " فَهَلْ عَسَيْتُمْ اَنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰى اَبْصَارَهُمْ. الاية." فی التفسیر المظهری قال ابن الجزری: انه روی القاضی ابو یعلی فی کتابه معتمد الاصول بسنده عن صالح بن احمد بن حنبل(رحمه الله تعالیٰ)انه قال: قلت لابی یاابت!یزعم الناس انک تحب یزید من معاویة(رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه). فقال یا بنی!اهل یسع لمن یؤمن بالله ان یحب یزید ولو لایلعن رجل لعنه الله فی کتابه. قلت یا ابت!این لعن الله بیزید فی کتابه ؟قال حیث قال" فهل عسیتم. الایة." مگر تحقیق یہ ہے کہ چونکہ معنی لعنت کے ہیں خدا کی رحمت سے دور ہونا اور یہ ایک امر غیبی ہے جب تک شارع بیان نہ فرماوے کہ فلاں قسم کے لوگ یا فلاں شخص خدا کی رحمت سے دور ہے کیونکر معلوم ہو سکتا ہے اور تتبع کلام شارع سے معلوم ہوا کہ نوع ظالمیں وقاتلینِ مسلم پر تو لعنت وارد ہوئی ہے۔" لما قال تعالی "الالعنة الله علی الظالمین."وقال "ومن یقتل مؤمناًمتعمداًفجزاء ه جهنم خالدا فیها وغضب الله علیه ولعنه واعد له عذابا عظیما. الایة." پس اس کی تو ہم کو بھی اجازت ہے اور یہ علم اللہ کو ہے کہ کون اس نوع میں داخل ہے اور کون خارج اور خاص یزید کے باب میں کوئی اجازت منصوصہ ہے نہیں۔ پس بلا دلیل اگر دعوی کریں کہ وہ خدا کی رحمت سے دور ہے اس میں خطرِ عظیم ہے۔ البتہ اگر نص ہوتی تو مثل فرعون وہامان وقارون وغیرہم کے لعنت جائز ہوتی واذ لیس فلیس. اگر کوئی کہے کہ جیسے کسی شخصِ معین کا ملعون ہونا معلوم نہیں کسی خاص شخص کا مرحوم ہونا بھی تو معلوم نہیں۔ پس صلحاء مظلومین کے واسطے رحمة

اللہ علیہ کہنا کیسے جائز ہوگا کہ یہ بھی اخبار عن الغیب بلا دلیل ہے۔

جواب یہ ہے کہ رحمۃ اللہ علیہ سے اخبار مقصود نہیں بلکہ دعا مقصود ہے اور دعا کا مسلمانوں کیلئے حکم ہے اور لعن اللہ علیہ میں یہ نہیں کہہ سکتے۔ اس واسطے کہ وہ بد دعا ہے اور اس کی اجازت نہیں اور آیت مذکورہ میں نوع مفسدین وقاطعین پر لعنت آئی ہے اس سے لعن یزید پر کیسے استدلال ہوسکتا ہے۔

اور امام احمد بن حنبل (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے جو استدلال فرمایا ہے اس میں تأویل کی جاوے گی یعنی ان کان منهم یا مثل اس کے لحسن الظن بالمجتهد البتہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ قاتل وآمر وراضی بقتل حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پر وہ لعنت بھی مطلقاً نہیں بلکہ ایک قید کے ساتھ ہے یعنی اگر بلا توبہ مرا ہو۔ اس لئے کہ ممکن ہے کہ ان سب لوگوں کا قصور قیامت میں معاف ہو جاوے کیونکہ ان لوگوں نے کچھ حقوق اللہ تعالیٰ کے ضائع کئے ہیں اور کچھ حقوق ان بندگان مقبول کے۔ اللہ تعالیٰ تو تواب، رحیم ہی ہے یہ لوگ بھی بڑے اہل ہمت اور اولوالعزم تھے۔ کیا عجب کہ بالکل معاف کر دیں۔ بقول مشہور۔

صد شکر کہ ہستم میان دو کریم

پس جب یہ احتمال قائم ہے تو ایک خطرِ عظیم میں پڑنا کیا ضرور۔ اسی طرح یقیناً اس کو مغفور کہنا بھی سخت زیادتی ہے کیونکہ اس میں بھی کوئی نص صریح نہیں۔

رہا استدلال حدیثِ مذکور سے وہ بالکل ضعیف ہے کیونکہ وہ مشروط ہے شرط وفات علی الایمان کے ساتھ اور وہ امر مجہول ہے چنانچہ قسطلانی میں بعد نقل قول المھلب کے لکھا ہے "وتعقبه ابن التين وابن المنير بما حاصله انه لا يلزم من دخوله فى ذلك العموم ان لا يخرج بدليل خاص اذلا يختلف أهل العلم عن قوله ﷺ مغفور لهم مشروط بأن يكونوا من أهل المغفرة

حتی لو ارتد واحد ممن غزاھابعد ذلک لم یدخل فی ذلک العموم إتفاقافدل علی ان المرادمغفور لمن وجد شرط المغفرۃ فیہ منھم۔''
(حاشیہ بخاری جلداول مطبوعہ احمدی ص:۴۱۰)

پس توسط اس میں یہ ہے کہ اس کے حال کو مفوض بعلم الٰہی کرے اور خود اپنی زبان سے کچھ نہ کہے لأن فیہ خطراً اور اگر کوئی اس کی نسبت کچھ کہے تو اس سے تعرض نہ کرے لأن فیہ نصراً اسی واسطے خلاصہ میں لکھا ہے ''انہ لا ینبغی اللعن علیہ ولا علی الحجاج لان النبی ﷺ نھی عن لعن المصلین ومن کان من أھل القبلۃ وما نقل من النبی ﷺ من اللعن لبعض من اھل القبلۃ فلما انہ یعلم من احوال الناس ما لا یعلمہ غیرہ۔''

اور ''احیاء العلوم'' جلد ثالث باب آفۃ اللسان آفت ثامنہ میں لعنت کی خوب تحقیق لکھی ہے۔ خوف تطویل سے عبارت نقل نہیں کی گئی من شاء فلیراجع الیہ۔ اللھم أرحمنا ومن مات ومن یموت علی الایمان واحفظنا من آفات القلب واللسان۔یا رحیم یا رحمن۔ تتمہ ثالثہ ص:۵۴

(امداد الفتاوی ج:۵ ص:۴۲۵ تا ۴۲۷)

معنی عدم کلام فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کہ در فدک واقع شد

سوال: شیخ عبد الحق محدث دہلوی (رحمہ اللہ تعالیٰ) در شرح ''اشعۃ اللمعات'' مے فرمایند در باب فدک از صحیح بخاری کہ از وقتیکہ با جناب صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وحضرت زہرا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) دریں باب مکالمہ واقع گشت ازاں باز جناب سیدہ مطہرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) از حضرت صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کلام نہ کرد تا وقتیکہ انتقال فرمودہ ورخت ارتحال کشید۔ از ظاہر کلام شیخ (رحمہ اللہ تعالیٰ) از مضمون صحیح پیدا است کہ ایں عدم تکلم بنا برہمان ملالت است۔ پس مدلول

حقیقت چیست ؟

جواب: ظاہر است کہ حضرت امیر المؤمنین ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) در منع فدک مستند بہ دلیل قطعی مسلم عند علی و فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) بود و حضرت سیدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نیز قبلہ و کعبہ سنیاں ہستند۔ بنا بریں علماء محققین لم یتکلم بر معنی لم یتکلم فی ھذا الامر محمول کردہ اند و لو سلمنا کہ لم یتکلم بر معنی متبادر محمول باشد تاہم چہ دلیل کہ ایں ہجران از ملامت بود و اگر بروایتے تصریح ہم برآید یمکن کہ ظن راوی باشد۔ فقیر می گوید کہ انصاف پسنداں غور فرمائند کہ حضرت فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کہ بابی بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) رشتہ محرمیت یا رضاعت نمی داشتند پس عدم تکلم فیما بینہما مقتضائے حالت اصلی و موجب سیادت وعفت سیدہ است۔ پس بر حالت اصلی چگونہ حیرت دست دادہ بلکہ اگر تعجب باشد از تکلم باشد کہ چرا با اجنبی مکالمت فرمودند لیکن چوں ضرورت طلب حق بود ایں استبعاد ہم مرفوع است لا سیما کہ حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) در حضرت سیدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) مستدعی صفا و رفع کدورت شدند۔ چنانچہ در بعضے روایات کہ نشانش دریں وقت مستحضر نیست آمدہ و حضرت سیدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) رفع ملال فرمودند و اگر گویم کہ انقباض تا بلب گو ہمراہ بردند پس ایں انقباض طبع بود کہ رفع آں غیر مکلّف و از لوازم بشریت است و لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا. خصوصاً اگر دلیل حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بزعم واجتہاد ایشاں مؤول بتأویلے باشد نہ بریشاں کہ باجتہاد خود خویش را مستحق مے پنداشتند۔

بر حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہ ایشاں بر اتحاد و خود مأمور باشند تقلید حضرت سیدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) جائز نہ بود خصوصاً وقتیکہ اجتہاد شاں موافق باشد باجتہاد سائر صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) و ام المؤمنین عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)۔ واللہ اعلم۔

(امداد اربعہ ص:٣٢)

رفض بعض شبہات شیعہ متعلقہ فضائل علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

سوال: ایک شخص کے یہ اقوال ہیں ان کا کیا جواب ہے؟

قول اول: ''روضۃ الصفا'' اور بہت سی کتابوں سے نقل کر کے ترجمہ کیا ہے بخوف طوالت عبارت نقل نہیں کرتا صرف ترجمہ عرض کئے دیتا ہوں۔ وہ یہ کہ جب آیت ''وانذر عشیرتک الأقربین'' نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے بنی عبدالمطلب کو جمع کر کے فرمایا کہ میں تمہارے لئے دنیا اور دین کی بھلائی لایا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو اس کی طرف بلاؤں۔ پس تم میں سے کوئی ایسا ہے کہ اس امر میں میری مدد اور وزارت کر لے اور میرا بھائی اور وصی اور خلیفہ ہو؟ قوم نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور مطلق التفات نہ کی۔ (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ یہ حال دیکھ کر) میں نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ! آپ کی نصرت اور وزارت کیلئے میں موجود ہوں۔ پس جناب رسالت مآب ﷺ نے میری گردن پر ہاتھ رکھا اور قوم سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ میرا بھائی اور میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے۔ تم اس کا حکم سنو اور اطاعت کرو۔ انتہی۔ فقط۔

جواب: ''روضۃ الصفا'' اتفاق سے مل گئی اس میں اول تو آوردہ اند کر کے یہ حکایت بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مؤلف ہی کو وثوق نہیں۔ ثانیاً اگر ان کو وثوق بھی ہوتا تو جب بھی کوئی روایت بلا سند معتبر نہیں اور اس میں سند کا نشان بھی نہیں ملتا۔ ثالثاً اس میں لفظ خلیفہ کا کہیں پتہ بھی نہیں رہا۔ بھائی ہونا سو اس سے کس کو انکار ہے اور لفظ وصی عام ہے کچھ خلافت کے ساتھ مخصوص نہیں۔ حدیث ''فاستوصوهم خیرا'' میں ساری امت کا وصی ہونا ثابت ہے چنانچہ ''روضۃ الصفا'' میں در فضائل اہل بیت آوردہ اند کہا ہے اور اثبات خلافت نہیں کہا۔ معلوم ہوا کہ محض مثبت خلافت ہے وبس۔ اور کتابیں اگر دکھلائی جاویں تو جواب دیا جاوے۔ باقی یہ امر ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بدوں سند صحیح کوئی روایت احتجاج میں مقبول نہیں ہو سکتی گو کسی کتاب میں

ہو۔ واللہ اعلم۔

قول دوم: بعضے کتابوں سے ثابت ہے کہ آیت "یا ایھا الرسول بلّغ" بروز غدیر خم حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ انتھی بلفظہ۔

جواب: اول تو حسب قاعدہ مذکورہ جواب قول اول سند صحیح کا مطالبہ کیا جاتا ہے بدوں اس کے حجت نہیں۔ دوسرے بر تقدیر تسلیم یہ اہل سنت کو مضر نہیں۔ غایت مافی الباب حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی ایک فضیلت کا اثبات ہوگا سو فضائل مرتضویہ کا کون منکر ہے۔ باقی خلافت یا افضلیت من الکل کا اس میں کہیں نشان نہیں۔ اور حدیث غدیر سے صرف حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا محبوب المؤمنین ہونا ثابت ہوتا ہے سو وہ عین دین ہے۔

قول سوم: تفسیر ابن مردویہ، تفسیر در منثور، تفسیر فتح البیان سے نقل کیا ہے۔ عن ابن مسعود (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ) قال: کنا نقرأ علی عهد رسول الله ﷺ یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولی المؤمنین وان لم تفعل فما بلغت رسالته. انتهی کلامه.

جواب: لفظ مولی مشترک ہے و اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال اور قرینہ مقام سے معنی محبوب کو ترجیح ہے کیونکہ امام احمد (رحمہ اللہ تعالیٰ) کی روایت میں اس کے بعد یہ بھی ہے۔ "اللهم وال من والاه وعاد من عاداه" اور ظاہر ہے کہ عداوت کے مقابل ولایت بمعنی محبت ہے۔

قول چہارم: بعضی کتب سے نقل کیا گیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے "من کنت مولاه فعلی مولاه" فرمایا تو یہ آیت "الیوم اکملت لکم دینکم الخ" نازل ہوئی۔ پس آنحضرت ﷺ نے فرمایا خدا کا شکر کرتا ہوں میں اکمال دین اتمام نعمت پر اور اس بات پر کہ وہ میری رسالت اور علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی ولایت سے

راضی اور خوشنود ہوا۔ انتھی کلامہ۔

جواب: بالکل غلط روایت ہے چونکہ صحیح بخاری میں بروایت حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور ترمذی میں بروایت ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) (کلاہما فی کتاب التفسیر) تصریح ہے کہ آیت ''الیوم اکملت لکم دینکم'' یوم عرفہ میں نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ اس وقت عرفات میں تھے اور قصہ غدیر کا وہاں سے واپس ہونے کے وقت جحفہ میں واقع ہوا۔ پس بوجہ معارضہ حدیث صحیح کے یہ روایت بالکل غلط سمجھی جاوے گی۔

قول پنجم: بخاری شریف کی عبارت نقل کی ہے کہ عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے یزید سے بیعت کی تھی اور فرماتے تھے کہ میں نے حکم خدا اور رسول سے بیعت کی ہے اور جو شخص بیعت نہ کرے گا اس سے مجھے کوئی واسطہ نہیں۔ انتھی۔

جواب: اس میں کیا اعتراض ہے۔ بیعت کیلئے خلیفہ کا تقی اور ورع ہونا شرط صحت نہیں ہے اور مخالفت میں خوف فتنہ کا تھا اس لئے اگر باوجود کراہت قلب کے تفریق بین المسلمین سے بچنے کیلئے بیعت کر لی تو کیا خرابی ہوئی اور آپ نے لوگوں کو اسی خوف فتنہ سے روکا۔

قول ششم: ''روضۃ الصفا'' اور ''روضۃ الاحباب'' و ''حبیب السیر'' سے بالکل خلافِ مذہب اہل سنت عجیب وغریب روایتیں نقل کی ہیں اور اول یہ دعوی کیا ہے کہ کتابیں مقبول الطرفین ہیں۔ چنانچہ شاہ عبد العزیز (رحمہ اللہ تعالیٰ) صاحب تحفہ مطبوعہ نولکشور کے (صفحہ: ۴۲۱) میں فرماتے ہیں ''اینست آنچہ در روضۃ الصفا و روضۃ الاحباب و حبیب السیر ملا معین و دیگر تواریخ معتبرہ شیعہ و سنی موجود است۔'' انتھی کلام تحفہ۔ و نیز شاہ صاحب نے اپنے اثبات دعوی میں انہی کتابوں کی روایتیں نقل فرمائی ہیں چنانچہ (صفحہ: ۴۲۴) میں طعن چہارم کے جواب میں روایت نقل کرتے ہیں ''و در

معارج و حبیب السیر مذکور است کہ بعد از غزوہ تبوک الخ'' انتہی کلام تحفہ۔

جواب: کسی تاریخ کے معتبر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اکثر امور تاریخیہ میں معتبر ہو، نہ کہ امور متعلقہ دین میں اور نہ جمیع امور تاریخیہ میں۔

قول ہفتم: جب خاندان رسالت مآب ﷺ کو یزید نے تباہ کرلیا تو حسب وصیت اپنے باپ معاویہ بن سفیان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے مدینہ طیبہ کی بربادی پر کمر باندھی چنانچہ حضرت محدث دہلوی (رحمہ اللہ تعالیٰ) اپنی کتاب ''جذب القلوب'' میں لکھتے ہیں کہ'' ابن ابی خیثمہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) بسند صحیح رسانیدہ میگوید کہ اشیاخ مدینہ منورہ حدیث میکردند کہ معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) در احتضار موت یزید پلید را پیش خود طلبیدہ گفت چنیں دانم کہ ترا از اہل مدینہ منورہ روزے پیش خواہد آمد۔ باید کہ علاج آں واقعہ بمسلم بن عقبہ کنی ہیچ کس را ناصح تر از وے دریں واقعہ نمی بینی چوں یزید پلید بعد از پدر بر سریر امارت نشست بر وصیت پدر عمل نمود۔ مہم اہل مدینہ منورہ بانصرام رسانید و مسلم بن عقبہ را با لشکر عظیم از اہل شام بقتال مدینہ منورہ فرستاد الخ'' انتہی کلامہ بلفظہ۔

جواب: اول تو اس کتاب کے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ ثانیاً حضرت معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی وصیت کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اگر اہل مدینہ ایذاء پہنچادیں تو اس کو مسلم کے ذریعہ سے روکیو۔ کیا ضرور ہے کہ جو مطلب یزید نے سمجھا وہی مراد ہو۔ حضرت معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پر کیا اعتراض ہوا۔

قول ہشتم: امام یافعی (رحمہ اللہ تعالیٰ) در ''مرآۃ الجنان'' وعلامہ ذہبی (رحمہ اللہ تعالیٰ) در ''تذکرہ الحفاظ'' وشاہ عبد العزیز صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) در ''بستان المحدثین'' آوردہ کہ امام نسائی روزے در جامع دمشق از خصائص نسائی برخی در شان جناب امیر مے خواند شخصے گفت از فضائل امیر المؤمنین معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہم

چیزے اگر نوشتہ باشی بگو۔ امام نسائی جواب داد کہ معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) را ہمیں بس است کہ نجات باید۔ اور افضائل کجا بجز اینکہ الالا اشبع اللہ بطنہ. عوام کالانعام چوں ایں بشنیدند امام نسائی را زد وکوب نمودند کہ او مظلوم شہید شد۔ انتہی بلفظہ۔

جواب: امام نسائی کو کوئی حدیث ان کی فضیلت کی نہ پہنچی ہوگی۔ باقی خود ان کے اس قول سے کہ "ہمیں بس است کہ نجات یابد" معلوم ہوتا ہے کہ ان افعال واقوال کو مثل شیعہ کے یقیناً مانع نجات نہ جانتے تھے۔

قول نہم: عبداللہ بن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) جیسے شخص نے یزید جیسے شخص سے بیعت کرلی۔ چنانچہ حدیث بخاری میں ہے "عن نافع (رحمہ اللہ تعالیٰ) قال: لما بایع اہل المدینۃ یزید بن معاویۃ جمع ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) حشمہ وولدہ فقال: انی سمعت النبی ﷺ یقول: ینصب لکل غادر لواء یوم القیامۃ وانا قد بایعنا ھذا الرجل علی بیع اللّٰہ ورسولہ وانی لا اعلم احدامنکم خلعہ ولا تابع فی ھذاالامر الا کانت الفصیل بینی وبینہ." انتہی بلفظ المؤلف.

جواب: جواب سوال پنجم میں گزر چکا ہے اور خود لفظ حدیث کے کہہ رہے ہیں کہ غدر اور خلع سے امتناع اور منع کر رہے ہیں۔ اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں کہ بعد بیعت کے نکث ممنوع ہے جب تک کہ کفر صریح عارض نہ ہو جاوے۔

قول دہم: قال النبی ﷺ: اذا رأیتم معاویۃ (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ) علی منبری فاقتلوہ. منقول از فردوس ودیلمی کنوز الحقائق۔ انتہی۔

جواب: بستان المحدثین میں دیلمی کو تودۂ موضوعات لکھا ہے۔

قول یازدہم: شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے حضرت علی

(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا نام فہرست خلفائے راشدین سے نکال ڈالا۔ چنانچہ ''ازالۃ الخفاء'' میں ہے کہ قرون مشہود لہا بالخیر سے زمانہ رسالت مآب ﷺ وزمانہ ابوبکر وزمانہ عمر وزمانہ عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) مراد ہے۔ بعد ازیں اختلافات ظاہر ہوئے۔ پھر آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں کہ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت راشدہ مدینہ میں ہوگی اور سوائے خلفائے ثلثہ کے مدینہ میں اور کسی نے اقامت اختیار کی۔ انتہی عبارتہ بلفظہ۔

جواب: اول تو پورا مقام دیکھنا ضرور ہے۔ ثانیاً خیریت اور رشد کلی مشکک ہے اور تفاوت ازمنہ کا ظاہر ہے سو اگر خیر و رشد اکمل کی نفی کر دی تو اس سے مطلق خیر کی نفی کہاں سے لازم آئی۔

سوال: بندہ فقیر شیخ عبدالصمد ساکن قصبہ سندیلہ متعلقہ ملک اودھ تین مقامات مندرجہ ذیل پر پریشانی رکھتا ہے۔ امید دانشمندان اہل اسلام سے ہے کہ میری اس حیرانی اور پریشانی کو میرے سوالوں کے جوابات قابل اطمینان سے رفع فرمائیں اور جوابات دلائل منطقی اور تاویلات سے نہیں چاہتا ہوں۔

سوال اول: علی مرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے اوصاف جیسے قرآن مجید اور حدیثوں مستند رسول مقبول ﷺ سے ثابت ہیں ویسے کسی دوسرے کے ثابت نہیں ہیں۔ اکثر علماء اہل سنت و جماعت بھی مقر ہیں بلکہ بجواب فرقہ زیدیہ باب خلافت میں افضلیت علی مرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ) کا کلام علماء سنت و جماعت سے ثابت ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ فرقہ اہل سنت و جماعت مفضولی علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میں کوشش اور اہتمام بلیغ کرتے ہیں؟

سوال دوم: باوصف موجود ہونے امام جعفر صادق (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے عہد ابوحنیفہ کوفی (رحمہ اللہ تعالیٰ) اور امام مالک میں اور امام موسیٰ کاظم (رحمہ اللہ تعالیٰ)

کے عہد محمد شافعی (رحمہ اللہ تعالیٰ) میں اور زمانہ ابن حنبل (رحمہ اللہ تعالیٰ) میں اکثر اولاد اہل بیت نبوی موجود تھی، کیا سبب ہوا کہ جو ابو حنیفہ اور شافع اور مالک اور حنبل (رحمہم اللہ تعالیٰ) چار شخص غیر امام و پیشوائے دین محمدی کے قائم ہوئے اور انہیں کے چار مصلے کعبہ میں نصب ہوئے اور امام اولاد خاندان اہل بیت نبوی عوام الناس میں شمار کیے گئے۔

سوال سوم: علمائے اہل سنت و جماعت نے بمشورہ امام ابو حنیفہ کوفی و امام ابو یوسف (رحمہما اللہ تعالیٰ) گروہ مشائخ میں چار پیر اور چودہ خانوادہ پیری مریدی کے عرب و عجم میں قائم کیے اور یہ بڑا فراخ راستہ رواج دین محمدی کا قرار دے کر جاری کیا گیا۔ ان میں سر گروہ تھے بعض غیر شخص بعض اولاد ابو بکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور بعض اولاد عبد الرحمٰن بن عوف (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے تھے اور اکثر اولاد عباسیوں کی دشمنان اہل بیت میں سے تھی۔ کیا وجہ ہوئی جو ایسے بڑے وسیع طریقہ اجرائے دین محمدی میں کوئی شخص اہل بیت نبوی سے شامل نہیں کیا گیا؟

جوابات: طرز کلام سائل سے معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت سائل کی اختصار پسند ہے لہٰذا ہم بھی بحکم خیر الکلام ما قل و دل نہایت اختصار سے جواب دیتے ہیں۔

افضلیت اصحاب ثلثہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بر خلیفہ راشد (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

جواب سوال اول: یہ کہنا کہ حضرت علی مرتضی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی نسبت ایسے فضائل مذکور ہیں کہ دوسروں کے حق میں نہیں، محل کلام میں ہے۔ کمیۃً فضائل امر دیگر ہے اور کیفیت امر آخر۔ اگر کثرت کماً مسلم بھی ہو تو کثرت کیفاً محل نظر ہے بلکہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر حضرت صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ مخصوص ہے۔ قال اللہ تعالیٰ "وسیجنبها الاتقی" او قال "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم." ان دونوں آیتوں سے بڑھ کر کیا فضیلت اور دلیل افضلیت کی ہوگی۔ بعد

اس کے ہم پوچھتے ہیں کہ مفضولی سے سائل کی کیا مراد ہے۔ اگر مفضولی کل اصحاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) سے مراد ہے سو اس میں تو کوئی سنی اہتمام نہیں کرتا اور اگر مفضولی اصحاب ثلثہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے مراد ہے سو اس میں سنی کیا کریں جب خود حدیث مرفوع تقریری سے یہ امر ثابت ہو۔ روی البخاری عن ابن عمر (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما) انہ قال: کنا نخیر بین الناس فی زمن النبی ﷺ فنخیر ابا بکر (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ) ثم عمر بن الخطاب (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ) ثم عثمان بن عفان (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ). اھ. زاد الطبرانی فی روایۃ فیسمع رسول اللّٰہ ﷺ ذلک فلاینکرہ. اھ۔ اور تفضیل شیخین (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما) کی اپنے اوپر خود جناب امیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ارشاد سے ثابت ہے۔ روی البخاری عن محمدبن حنفیۃ (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ) قال: قلت لأبی ای الناس خیر بعد النبی ﷺ؟ قال ابوبکر (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ). قلت: ثم من؟ قال عمر (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ). اھ. واخرج ابن عساکر عن ابن لیلیٰ قال قال علی (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ): لا یفضلنی احد علی ابی بکر وعمر (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما) الا جلدتہ حد المفتری. واخرج احمد وغیرہ عن علی (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ) قال: خیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر وعمر (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما). قال الذھبی وھذا متواتر عن علی (رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ). واللہ اعلم. (امداد الفتاوی ج:۶ ص:۱۲۹ تا ۱۳۷)

شیعوں اور بدعتیوں سے پیدا ہوئے بعض سوالات کے جواب

سوال: مجھ کو عرصہ سے دو تین باتوں نے ایسی حیران اور سرگردانی اور تردد میں مبتلا کر رکھا ہے کہ جس کی وجہ سے تذبذب اور شک دل میں رہتا ہے اگرچہ حق المقدور کوشش ان کے دفیعہ کی کرتا ہوں مگر دلجمعی اور اطمینان قلبی جیسے امور آخرت اور

اعمال میں خصوص نماز میں ہونی چاہئے حاصل نہیں ہوتی۔ شاید اس کا سبب میری جہالت اور بے علمی ہو لہذا ضرور ہوا کہ ان باتوں کو علماء سے جو حکیم امت ہوں گزارش کر کے دل جمعی اور اطمینان قلبی حاصل کروں اگر چہ یہ خیال بھی پیدا ہوتا ہے کہ ایسے شکوکات سے علماء مجھ کو لامذہبی، بدعتی، مولودی، شیعی کی جانب منسوب فرماویں مگر امور درستی عاقبت اور اعمال صالحہ خصوص نماز میں دل جمعی اور اطمئنان قلبی حاصل کرنا ضروری اور لابدی امر ہے کسی کی سوء ظنی اور برا سمجھنے کا خیال لغو ہے۔ ہاں البتہ علماء کو میری جہالت اور بے علمی اور گراں ہائے بالا پر نظر ڈال کر جواب باصواب سے نہ رکنا چاہئے۔

اول: اکثر کتب فقہ اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک (رحمہما اللہ تعالیٰ) یہ دونوں شاگرد امام جعفر صادق (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے تھے اور ان سے ان دونوں صاحبوں اور سفیان ثوری وغیرہ نے روایت حدیث بھی کی ہے۔ تاریخ بھی اس پر شاہد ہے کہ امام شافعی، امام احمد (رحمہما اللہ تعالیٰ) بھی زمانہ جناب امام رضا (رحمہ اللہ تعالیٰ) فرزند دل بند جناب امام موسیٰ کاظم کے موجود تھے، ضرور ہے کہ امام شافعی، امام احمد (رحمہما اللہ تعالیٰ) نے شاگردی نہیں تو زیارت اور قدم بوسی تو کی ہی ہوگی۔ اور یہ امام جعفر صادق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وہ امام ہیں کہ جن کو تین یا چار واسطہ جناب الشریعت رسول اللہ ﷺ سے تھے۔ اب ایک تمہید اور قاعدہ مستمرہ مسلمہ جس سے یہ شکوکات مجھ کو پیدا ہوئے گزارش کرتا ہوں۔ اس میں کچھ شک اور شبہ نہیں کہ بعد ختم ہونے زمانہ نبوت کے آج تک جس قدر امت پیدا ہوتی چلی آئی اس طرح نماز پڑھتے چلے آئے جیسے انہوں نے اپنے ماں باپ یا استاذ کو پڑھتے دیکھا اور ان سے سیکھا۔ بموجب اس قاعدہ مسلمہ کے یہ مان لینا پڑتا ہے کہ امام جعفر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اسی طرح نماز پڑھتے ہوں گے جیسے انہوں نے اپنے والد بزرگوار جناب امام محمد باقر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دیکھا ہوگا یا ان سے سیکھا ہوگا اور امام زین

العابدین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اسی طرح نماز پڑھتے ہوں گے جیسے انہوں نے اپنے والد جناب امام حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) شہید کربلا کو دیکھا ہوگا یا ان سے سیکھا ہوگا اور جناب امام حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اسی طرح نماز پڑھتے ہوں گے جیسے انہوں نے اپنے والد جناب حضرت علی مرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دیکھا ہوگا یا ان سے سیکھا ہوگا اور نیز اپنے نانا جناب صاحب الشریعت رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہوگا اور سیکھا ہوگا۔ یہ سلسلہ تو اوپر تک ہوا اسی طرح نیچے تک مان لیجئے۔ زیادہ نہیں تو دوازدہ امام ہی تک اس سلسلہ اور قاعدہ مسلمہ کے بموجب یہ بھی مان لینا پڑتا ہے کہ ان حضرات اہل نبوی کا طریقہ نماز وہی ہوگا جو خاص طریقہ نماز جناب رسول اللہ ﷺ کا تھا۔ اب ان دونوں شاگردوں اور نیز سب مجتہدین کا طریقہ نماز کو ملا کر دیکھا جاتا ہے تو زمین آسمان کا فرق نکلتا ہے اور صدہا اختلافات نماز ہی میں موجود ہیں حالانکہ نماز ایسی عبادت ہے جو ہر روز پانچوں وقت پڑھی جاتی ہے اور جس کے بعض اعمال افعال ایسے ہیں جو آنکھ سے دیکھے جاتے ہیں جن میں ذہن اور فہم و دریافت کا کام نہیں مثلاً ہاتھ باندھنا یا چھوڑنا، زیر ناف یا زیر سینہ یا علی الصدر، قبل رکوع یا بعد رکوع، رفع یدین مونڈھوں تک یا کانوں تک، آمین جہراً یا سراً، نماز صبح میں دعائے قنوت ہاتھ اٹھا کر یا باندھ کر سراً یا جہراً، بسم اللہ شروع الحمد پر جہراً یا سراً، جلسہ استراحت، نشست قعدۂ اخیرہ تورّک یا دوزانو، سلام اخیر ایک یا دو۔

(۲) اور جس کے بعض افعال دریافت سے معلوم ہو سکتے ہیں مثلاً تشہد ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) یا ابن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یا حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وتر ایک رکعت یا تین، موصول یا مفصول، دعائے قنوت وتر دائماً یا صرف عشرہ اخیرہ رمضان المبارک، قبل رکوع یا بعد رکوع، ادعیہ افتتاح نماز سبحانک اللھم یا اللھم باعد یا توجیہ یعنی وجھت وجھی۔

(۳) اور یہ کہ کون اعمال نماز میں فرض ہیں، کون کون واجب، کون کون

مسنون، کون کون مستحب، کون کون مکروہ بدعت وغیرہ جیسے اب ایک عمل اور ایک فعل نماز میں ایک مجتہد کے یہاں فرض دوسرے مجتہد کے یہاں عمل حرام یا بدعت یا منسوخ یا مکروہ کسی کے یہاں ایک فعل مسنون دوسرے کے یہاں وہی فعل بدعت یا مکروہ یا منسوخ وغیرہ وغیرہ

(۴) بلکہ نماز میں تو گنجائش عذر خیال دھیان کا ہو بھی سکتا ہے اذان اور تکبیر کو ہی دیکھ لیجئے جو علی الاعلان پانچ وقت بلند آواز سے پکاری جاتی ہے، چند اختلافات موجود ہیں مثلاً ترجیع اذان، افراد یا تثنیہ تکبیر۔

(۵) بدیہی بات ہے کہ اگر کوئی جاہل سے جاہل بھی کسی شخص کے پیچھے دو چار روز نماز پڑھ لیتا ہے تو اس کو بھی طریقہ نماز اس امام کا بخوبی معلوم ہو جاتا ہے چہ جائے کہ علماء جن کو کچھ عرصہ تک شاگردی اور صحبت رہی۔

(۷) دو یا تین شاگرد ہوں اور پھر ان کے طریقہ نماز میں اس قدر اختلاف ہوں ایسی حالت میں تین باتیں ضرور مان لینی پڑتی ہیں۔ اول یا تو روایت شاگردی اور تلمذ کی غلط بلکہ شاگردی تو در کناران حضرات اہل نبوی کو کسی مجتہد نے دیکھا بھی نہیں اور نہ ان کے طریقہ نماز کے اخذ کی جستجو کی۔ دوسرے شاگردی تو ہوئی مگر ان حضرات اہل بیت کے طریقہ نماز پر کچھ لحاظ نہیں کیا۔ اپنے اپنے اجتہاد اور رائے کو مقدم رکھا اور اپنا اپنا ایک مذہب علیحدہ علیحدہ بموجب ان روایات اور احادیث کے جو ان کو اپنے اپنے شہر کے راویوں سے پہنچیں قائم کر لیا جیسا کہ کتب حدیث وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مجتہد کو اپنے شہر کے راوی کا زیادہ اعتبار اور وثوق تھا چنانچہ ابوحنیفہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کوفہ والوں کی حدیث پر حتی المقدور عمل کرتے ہیں۔ ان کی حدیث کو مکہ، مدینہ کی حدیث پر ترجیح دیتے ہیں اور کوفہ والے تابعیوں کو بعض صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پر فوقیت دیتے ہیں جس پر مناظرہ امام اوزاعی (رحمہ اللہ تعالیٰ) شاہد ہے۔ ایسے ہی امام مالک، امام شافعی (رحمہما اللہ تعالیٰ) مکہ، مدینہ کی روایت پر زیادہ وثوق

اور اعتبار رکھتے تھے۔ تیسرے یوں کہئے کہ جناب امام جعفر صادق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا طریقہ نماز مختلف تھا جیسا کہ احادیث مختلفہ میں وارد ہوا ہے۔ ان صاحبوں نے اعمال مختلفہ میں سے وہ اعمال وافعال اختیار کر لئے جن کی ان کو روایات یا عمل اپنے شہر والوں کے راویوں سے تائید ہوئی جن کا وہ وثوق اور اعتبار رکھتے تھے۔ امام ابوحنیفہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے تو کوفہ والوں کی روایت اور عمل سے، امام مالک، امام شافعی (رحمہما اللہ تعالیٰ) نے مکہ مدینہ کی روایت اور عمل سے۔ یہاں پر تصریح احادیث مختلفہ کو میری بے علمی اور واقفیت مجیب مانع تطویل ہے۔

(۱) یہ تینوں امر ایسے علماء سے جو آج تک مجتہد کے لقب سے پکارے جاتے ہیں جن کی تقلید اور اتباع فرض اور واجب گردانی گئی ہے اور جن کا اتباع مثل اتباع نبوی مانا گیا ہے اور جن کے کہنے پر آنکھ میچ کر عمل کرنا واجب مانا گیا ہے اور جن کی نظیر قیامت تک ممتنع الوجود قرار دی گئی ہے اور جن کی نسبت ہر مقلّد کا اپنے اپنے مقلّد کی بابت یہ عقیدہ ہے کہ حضرت امام مہدی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) امام آخرالزماں بھی تقلید اور اتباع ہمارے ہی امام اور مقلد کا کریں گے، بہت ہی بعید اور افسوس ناک معلوم ہوتے ہیں کہ خاندان نبوی سے اخذ علم اور خاص طریقہ نماز کا جو جزو اسلام ہے نہ کریں اور ان کے طریقہ نماز کو جس کو خاص طریقہ رسول ﷺ کہنا چاہئے اور جو حضرات مصداق صاحب البیت ادری بما فی البیت ہوں چھوڑ دیا جائے، آیت ''ما اٰتکم الرسول فخذوہ.'' سے کیوں گریز ہوا اور حدیث ''انی تارک فیکم الثقلین الخ'' اور ''اھل بیتی کسفینۃ نوح الخ'' سے کیوں چشم پوشی کی گئی۔ البتہ یہ امر ضروری تھا کہ طریقہ نماز کو ان حضرات اہل بیت نبوی سے لیا جاتا اور سیکھا جاتا اور صحیح کیا جاتا جو بعینہ طریقہ رسول ﷺ تھا اور مسائل اجتہادیہ استنباطیہ میں مثل بیع وشراء ونکاح وطلاق وغیرہ وغیرہ میں اجتہاد واستنباط ہوتا تو کچھ مضائقہ نہ تھا۔ جب طریقہ اہل بیت نبوی پر جس کو خاص طریقہ رسول ﷺ کہئے کاربند نہ ہوئے

تو پھر امت کی گردن میں کیوں رسی تقلیدِ شخصی کی ڈالی گئی اور امت کیوں پابند ایسی تقلید کی کی گئی جس کی وجہ سے ایسی تقلیدِ صحیحہ اور قوی متروک العمل ہو گئیں اور طریقہ اہل بیت نبوی جس کی تاکید تھی بلکہ طریقہ نبوی پس پشت جا پڑا اور ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اب یہ بات بھی مجھ کو عرض کر دینی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اگر یہ احادیث بالا موافق قاعدہ محدثین ضعیف یا متروک العمل یا ناقابل صحت ہوں تو بھی بحکم آیت مذکورہ بالا اور بموجب قاعدہ مسلمہ بالا وکلیہ صاحب البیت ادری بما فی البیت کے میرا سوال قابل جواب رہے گا۔

دوم: عمل میلاد شریف جناب رسول الثقلین، رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین ﷺ اور تقلید شخصی اس معنی کر دونوں ہم شکل ہیں کہ دونوں قرون ثلثہ میں نہ تھے تو پھر کس وجہ سے تقلید شخصی جو بعد چوتھی صدی کے پیدا ہوئی، فرض اور واجب ہر فرد امت پر گردانی گئی اور عمل میلاد شریف جناب الثقلین ﷺ بدعت سیئہ اور قریب شرک گردانا گیا۔ رسالت تو ختم ہو چکی تھی وحی منقطع ہو گئی تھی پھر بعد چوتھی صدی کے کونسا صحیفہ نازل ہوا، کونسی وحی آئی، کونسی آیت آئی جس کے بموجب تقلید شخصی فرض اور واجب امت پر گردانی گئی اور عمل میلاد شریف بدعت سیئہ اور قریب شرک گردانا گیا اور اس کی تشبیہ کنہیا کے جنم سے دینے کا حکم آ گیا۔ اگر میں نسبت برائی اور بے بنیاد ہونے تقلید شخصی کے اور مستحسن ہونے عمل میلاد سرور کائنات ﷺ کے اقوال اور عبارات علماء متقدمین ومتاخرین لکھوں تو میرے سوال کا پرچہ ایک ضخیم رسالہ ہو جائیگا لہذا اپنے سوالات کو ختم کرتا ہوں اور مستدعی جواب باصواب کا ہوتا ہوں۔ فقط۔

التماس: ضروری امید ہے کہ مفتی صاحب جواب باصواب سے ضرور معزز فرماویں گے۔ بینوا توجروا۔

جواب: اصل حکم دین میں اتباع دلیل شرعی کا ہے اور کسی امتی کے قول وفعل کا اتباع اگر کیا جاتا ہے تو بگمان توافق دلیل شرعی کے اور اسی وجہ سے جب عدم توافق

ثابت ہو جاوے خواہ اپنے اجتہاد سے یا اپنے معتقد فیہ کے اجتہاد سے تو اس قول وفعل کا اتباع چھوڑا جاتا ہے۔ یہی مسلک ہے ہمیشہ سے سلف سے لیکر خلف تک کا۔ بعد تمہید اس مقدمہ کے سمجھنا چاہئے کہ اول میں سائل نے تصریح کی ہے کہ امت اسی طرح نماز پڑھتی چلی آئی ہے جیسے انہوں نے اپنے ماں باپ یا استاذ کو دیکھا ہے اور اس کے بعد نتیجہ نکالا ہے کہ بموجب اس قاعدہ مسلمہ کے یہ مان لینا پڑتا ہے کہ امام جعفر صادق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ایسی ہی نماز پڑھتے ہوں گے جیسے انہوں نے اپنے والد بزرگوار کو دیکھا ہوگا الخ مگر یہ نتیجہ اس قاعدہ کے خلاف ہے کیونکہ قاعدہ میں تعمیم ہے کہ استاذ سے سیکھا ہے یا باپ سے۔ پھر نتیجہ میں تخصیص باپ کی کیسی۔ نتیجہ صحیح یہ ہے کہ حضرت جعفر صادق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یا تو باپ کی سی نماز پڑھتے ہوں گے یا استاذ کی سی۔ گو ان کے باپ استاذ بھی تھے مگر استاذ کا انحصار تو باپ میں بلا دلیل ہے۔ جب نتیجہ صحیح یہ ہے تو جو اشکال اس غیر صحیح نتیجہ پر متفرع کیا ہے وہ بھی منعدم اور منہدم ہو گیا۔ اگر اس نتیجہ کو تسلیم بھی کر لیا جاوے تب بھی اس میں کیا استبعاد ہے کہ بعد وضوح دلیلِ حق کے دوسرے شقوق کو ترجیح دے کر اس پر عمل کرنے لگے ہوں۔ اس تقریر سے سوال اول کے سب نمبروں کا جواب بھی ہو گیا۔ صرف نمبر اخیر کے متعلق اتنا عرض کرتا ہوں کہ تقلید مذہب معین کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ مذہب مدون ہو ورنہ تقلید دوسرے مذہب کی بھی بعض فروع میں کرنا پڑے گی اور مذہب مدون بجز ان ائمہ اربعہ کے امت کو کسی کا میسر نہیں ہوا اور اس کا سبب محض امر سماوی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ہی چار سے یہ خدمت لی چونکہ امت کو ان سے نفع پہنچانا منظور تھا اور سوال دوم میں علاوہ خلط مبحث کے عنوان لفظی نہایت طعن وخشونت آمیز اختیار کیا گیا جو ادب سوال کے خلاف ہے چونکہ خشونت کا جواب ہم کو لطف تعلیم کیا گیا ہے اس لئے اس سے درگزر کر کے صرف خلط مبحث کے متعلق لکھتا ہوں۔ وہ خلط یہ ہے کہ نہ تقلید کو مطلقاً واجب کہا جاتا ہے اور عمل مولد کو مطلقاً مذموم کہا جاتا ہے بلکہ دونوں مسئلوں میں تفصیل ہے جو احقر کے رسالہ ''اصلاح الرسوم'' کے ملاحظہ سے معلوم ہو سکتی ہے مگر چونکہ تقلید فی نفسہ ضروری ہے اور

عمل مولد محض مستحسن اور یہ قاعدہ شرعیہ ہے کہ اگر امر ضروری میں مفاسد منضم ہو جاویں تو ان مفاسد کی اصلاح کریں گے، امر ضروری کو ترک نہ کریں گے اور اگر غیر ضروری میں مفاسد منضم ہو جاویں تو خود اس امر غیر ضروری ہی کو ترک کردیں گے۔ یہ فرق ہے دونوں میں اور تفصیل رسالتین مذکورتین سے معلوم ہو جاوے گی۔ ۲۰ رجب ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولی ص:۲۵۴) (امداد الفتاوی ج:۶ ص:۲۶۸ تا ۲۷۲)

جواب استدلال شیعہ بر عصمت ائمہ

سوال: بیان القرآن (صفحہ:۶۱) تحت آیت "قال لا ینال عھدی الظالمین" حاشیہ تحتانی یسار الکلام احتج بعض اھل البدع بالآیۃ علی عصمۃ الائمۃ الخ یعنی بعض اہل بدعت نے ائمہ کی عصمت پر اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ امامت انبیاء (علیہم السلام) کو حق تعالی نے اپنی طرف منسوب کیا ہے اور امامت متنازع فیہ بوجہ شوری کے مخلوق کی طرف منسوب ہے۔ وجہ اشکال یہ ہے کہ اہل بدعت اس امامت کو بھی منصوص من اللہ مانتے ہیں او اسی لئے خلفاء ثلثہ کی امامت کے منکر ہیں کہ انہیں لوگوں نے امام بنا لیا اور حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو حق تعالی نے بذریعہ وحی امام بنایا تھا۔

جواب: آپ نے جواب میں غور نہیں کیا میں نے پوری عبارت جواب کی دیکھی جواب کا حاصل منع ہے اور منع کیلئے سند کی ضرورت نہیں اور اگر تبرعاً پیش کردی جائے، اس پر قدح مضر منع نہیں۔ حاصل اس منع کا احتمال ہوتا ہے اور احتمال باوجود ہدم سند کے باقی ہے۔

خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ چونکہ احتمال ہے کہ امامت سے مراد نبوت ہو اس لئے عصمت کا غیر نبی کیلئے لازم ہونا لازم نہیں آتا۔ اس احتمال میں ایک سند ہے کہ اسناد الی اللہ مرجح ہے اس احتمال کا پس اول تو اگر یہ مرجح بالکل منعدم ہو جاوے تب بھی مضر

نہیں۔ دوسرے ابھی اس کا انعدام نہیں ہوا جب تک شیعہ اپنے اس دعوے نسبت امامت حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) الی اللہ پر دلیل نہ لاویں۔ ۱۸ محرم ۱۳۴۷ھ

(النور ص: ۱۱ رجب ۱۳۴۷ھ)

اذان میں اشهد ان عليا ولی الله الخ کہنا اوران کے جواب میں مروج مدح صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ

(۱) ایک فرقہ ضالہ اپنی اذانوں میں اور اپنے جنازوں کے ساتھ اشهد ان عليا ولی الله وصی رسول الله خليفة بلا فصل. بآواز بلند پکارتا ہے تو کیا اس سے حضرات خلفائے ثلثہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی خلافتِ حقہ کی تکذیب نہیں ہوتی اور کیا فرقہ شاتمہ کی زبان سے اہل سنت والجماعت کے روبرو اس کلمہ کا اظہار ایک قسم کا تبرا نہیں؟ (۲) کیا جس مقام پر علی الاعلان وبرسرراہ یہ کلمہ کہا جاتا ہو اور حکومت وقت نے اس کو جائز قرار دیا ہو وہاں کے اہل سنت والجماعت پر لازم نہیں کہ حضرات خلفائے کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی خلافت حقہ اور فضیلت بلحاظ ترتیب کو علی الاعلان وبرسرراہ واضح کریں اوران حضرات کے محامد وفضائل بیان کریں تاکہ اہل سنت کا کوئی ناواقف شخص فرقہ ضالہ کی تبلیغ سے متاثر ہوکر عقیدہ فاسدہ میں مبتلا نہ ہو۔ بینوا توجروا۔

جواب: از احقر اشرف علی۔ السلام علیکم۔ اس سوال کی عبارت سے جہاں تک میں سمجھا ہوں غایت اس طریق خاص کی تجویز کرنے کی یہ قرار دی ہے کہ جماعت اہل سنت کا کوئی ناواقف شخص فرقہ ضالہ کی تبلیغ سے متاثر ہوکر عقیدہ فاسدہ میں مبتلا نہ ہو۔ اھ۔ تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ اوّل تو فرقہ شاتمہ کے اس طرز عمل کو کوئی جاہل سے جاہل بھی تبلیغ نہیں سمجھتا کیونکہ تبلیغ کا متفق علیہ طرز دوسرا ہے۔ دوسرے اگر کوئی اس

کو تبلیغ ہی سمجھے تو اس کے مفسدہ کے انسداد کا طریق اس میں منحصر نہیں۔ دوسرا طریق اس سے زیادہ مؤثر اور سہل بھی ہے۔ وہ یہ کہ اطلاع عام کے بعد مساجد اور مجالس میں وقار اور متانت کے ساتھ وعظ کہا جاوے اور اس میں احقاق حق و ابطال باطل کیا جائے جیسا اب تک بزرگوں کا طریق رہا ہے یا رسائل دینیہ کی صورت میں حدود شرعیہ کے اندر کہ تہذیب اس کے لوازم میں سے ہے، اصلاحی مضامین شائع کئے جاویں۔ یہ طریق نافع بھی زیادہ ہے اور بے خطر بھی ہے اور قانون نقلی و عقلی ہے کہ جس مقصود کے دو طریق ہوں ایک صعب دوسرا ایسر (آسان) تو ایسر کو اختیار کرنا چاہئے چنانچہ حدیث میں اس کا سنت ہونا مصرح بھی ہے۔ ''ما خیّر رسول اللّٰہ ﷺ فی امرین الا اختار أیسرھما'' پس اس قانون کی بنا پر اس طریق کو طریق مسئولہ پر ترجیح ہوگی۔ اور یہ سب کلام اس وقت ہے جب اس طریق کے اختیار کرنے کی صرف وہ غایت ہو جو سوال میں ذکر کی گئی ہے اور اگر کوئی یا انفراداً دوسری غایت ہو یا اشتراکاً دوسری غایت بھی ہو جو سوال میں مذکور نہیں مثلاً مقاومت و مصاومت آئینی یا غیر آئینی جیسا اس وقت کثرت سے معتاد ہے تو پھر یہ سوال اپنے اطراف و جوانب کے اعتبار سے متعدد تنقیحات کا محتاج ہے جس کیلئے ایک رائے خصوص مجھ جیسے قلیل العلم کی کافی نہیں بلکہ علمائے محققین کی ایک معتد بہ جماعت کو جمع کر کے مشورہ کیا جاوے۔ واللہ اعلم۔ مقام تھانہ بھون ۴ محرم الحرام ۱۳۵۸ھ، النور ص ۱۰ رمضان ۱۳۵۸ھ

(امداد الفتاوی ج:۶ ص:۳۳۴، ۳۳۵)

غریبہ در تحقیق نکاح سنیہ با شیعی تبرائی

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ رافضی جو کہ سب صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) پر تبرا کرتے ہیں اور اہل اسلام سے مذہبی تعصب رکھتے ہیں مسلمان ہیں یا کافر؟ ان سے تعلقات نکاح وغیرہ کے رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ قوم بوہری جو بمبئی اور اس کے اطراف میں کثرت سے پائی جاتی ہے ایک متعصب رافضی

قوم ہے ان کا قاعدہ یہ ہے کہ اہل سنت وجماعت کی لڑکی اس کے والدین کو لالچ زر دیکر اپنے نکاح میں لاتے ہیں۔ایسی حالت میں اگر کوئی اہل سنت وجماعت لالچ زر میں جان کر لڑکی کو دیوے اور وہ رافضی اپنے آپ کو مصلحت جان کر اسلام لانے کو ظاہر کرے لیکن تمام لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ اس کا اسلام لانا نکاح کی غرض سے ہے تو ایسی حالت میں اس کے اسلام کا اعتبار کیا جاوے گا یا نہیں؟ اور اس کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: وتعتبر (الكفاءة) في العرب والعجم ديانةً أي تقوى فليس فاسق كفؤاً لصالحة اوفاسقة بنت صالحة معلنا كان أو لا على الظاهر. نهر. وفيه وللولي انكاح الصغير والصغيرةولزم النكاح ولو بغبن فاحش وبغير الكفؤان كان الولي أبا أوجدالم يعرف منهما سوء الاختيار مجانة وفسقاوان عرف لاوان كان المزوج غيرهما لايصح النكاح من غير كفؤاو بغبن فاحش اصلاوفيه ولها اى للولي اذا كان عصبةً الاعتراض في غير الكفؤ ما لم تلدمنه ويفتى في غير الكفؤ بعدم جوازه اصلاوهو المختار للفتوى لفساد الزمان وفي رد المحتار وهذا اذا كان لها ولي لم يرض به قبل العقدفلا يفيد الرجا بعده. بحر. واما اذا لم يكن لها ولي فهو صحيح نافذمطلقاًاتفاقاًكما ياتي. بنابر روایات مذکورہ ودیگر قواعد معروفہ مسلمہ جواب میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ رافضی عقائد کفر کے رکھتا ہو جیسے قرآن مجید میں کمی بیشی کا قائل ہونا یا حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) پر تہمت لگانا یا حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو خدا ماننا، یہ اعتقاد رکھنا حضرت جبریل (علیہ السلام) غلطی سے حضور ﷺ پر وحی لے آئے تب تو کافر ہیں اور اس کا نکاح سنیہ سے صحیح نہیں اور محض تبرائی کے کفر میں اختلاف ہے۔علامہ شامی (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے عدم کفر کو ترجیح دی ہے۔(جلد:۳ص:۴۵۳) مگر

اس کے بدعتی ہونے میں کچھ شک نہیں تو اس صورت میں گو وہ کافر نہ ہوگا مگر بوجہ فسق اعتقادی کے سنیہ کا کفوٗ نہ ہوگا اور غیر کفوٗ مرد سے نکاح کرنے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر لڑکی نابالغ ہے اور نکاح کیا ہے باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے تب تو نکاح صحیح ہی نہ ہوگا اور اگر باپ دادا نے کیا ہے اور واقعات سے معلوم ہوا کہ طمع زر میں کیا ہے اور لڑکی کی مصلحت پر نہیں نظر کی جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تب بھی نکاح صحیح نہ ہوگا اور اگر منکوحہ بالغ ہے اور اس نے خود اپنا نکاح کر لیا ہے اور ولی عصبہ راضی نہ تھا تب بھی نکاح صحیح نہیں ہوا اسی طرح اگر ایسے ولی نے کر دیا اور وہ منکوحہ راضی نہیں یعنی زبان سے انکار کر دیا تب بھی نکاح صحیح نہیں ہوا۔ یہ صورتیں تو عدم جواز نکاح کی ہیں اور اگر لڑکی نابالغ ہے اور نکاح کیا ہے باپ یا دادا نے اور لڑکی کی مصلحت سمجھ کر کیا ہو کسی طمع وغیرہ کے سبب نہیں کیا یا لڑکی بالغ ہے اور نکاح خود کیا ہے یا ولی عصبہ کی رضا سے کیا ہے یا اس کا کوئی ولی عصبہ ہے ہی نہیں یا لڑکی بالغ ہے اور ولی نے اس کی اجازت سے کر دیا تو اب صورتوں میں ان علماء کے نزدیک نکاح صحیح ہو جائے گا جو تبرائی کو کافر نہیں کہتے اور یہ سب تفصیل اس وقت ہے کہ نکاح کے وقت اس کا رفض معلوم ہوا اور اگر اس وقت اپنے کو سنی ظاہر کیا اور بعد میں رفض ثابت ہوا تو جس صورت میں وہ محض بدعتی ہے تو اگر منکوحہ بالغہ ہے اور وہ اور اس کا ولی عصبہ دونوں راضی ہیں تو نکاح کے فسخ کا حق حاصل ہوگا اور اگر ولی سے اجازت نہیں لی گئی تو ولی کو فسخ کا حق ہے جس کی ایک شرط قضا قاضی مسلم ہے۔ اور اگر منکوحہ صغیرہ ہے تو بعد بالغ ہونے کے اگر راضی ہے تب بھی نکاح صحیح رہے گا اور اگر راضی نہ ہوئی تو اس کو حق فسخ حاصل ہوگا جس طرح شرط اوپر مذکور ہوئی۔ کما فی الدر المختار: فلو نکحت رجلا ولم تعلم حاله فاذا هو عبد لا خيار لها بل للأولياء ولو زوجوها برضاها ولم يعلموا بعدم الكفاءة ثم علموا الاخيار لأحد إلا اذا شرطوا الكفاءة او اخبرهم بها وقت العقد فزوجوه على ذلک ثم ظهر انه غير كفؤ كان لهم الخيار.

وفی ردالمحتار: (قوله لا خيار لأحد) هذافی الكبيرة كما هو فی فرض المسئلةبدليل قوله نكحت رجلاًفقوله برضاهافلا يخالف ما قدمناه فی باب المهرعن النوازل لو زوج ابنته الصغيرة ممن ينكر أنه يشرب الخمرفاذاهو مدمن له وقالت بعد ما كبرت لا ارضى بالنكاح ان لم يكن يعرفه الأب بشربه و كان غلبة اهل بيته صالحين فالنكاح باطل لانه انما تزوج على ظن انه كفؤه. (ثم بعد اسطر) لكن كان الظاهر ان يقال لا يصح العقداصلاً كما فی الاب الماجن والسكران مع ان المصرح به ان لهاابطاله بعد البلوغ وهوفرع صحته فليتأمل. ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ (بوادر النوادر ص:۹۶،۹۷)

غریبہ در جواب از مسح ارجل

سوال: ایک مجتہد شیعہ میرے شناسا ہیں ایک دن وہ ایک آبشار کے کنارے پاؤں سکھلا رہے تھے تا کہ وضوء کریں میرا ان سے ذرا مذاق بھی ہے۔ میں نے مذاقیہ کہا کہ کیوں تمام دنیا سے الٹا وضوء کرتے ہو۔ اس نے فوراً کھڑے ہو کر کہا کہ اس مسئلہ کو تم لوگوں نے نہیں سمجھا۔ لوسنو ''فاغسلوا وجوهكم'' الأية. پڑھ کر کہا کہ چار فرض ہیں دو کا دھونا فرض اور دو کا مسح کرنا فرض ہے۔ اس کی تشریح تیمم کے مسئلہ نے کر دی جن کا دھونا فرض تھا وہ تیمم میں رہ گئے اور جن کا مسح فرض تھا وہ معاف کئے گئے۔ اگر پاؤں کا دھونا فرض ہوتا تو تیمم میں معاف نہ ہوتے چونکہ سر کا مسح معاف ہے معلوم ہوا کہ پاؤں کا بھی مسح تھا جو سر کی طرح معاف ہو گیا۔ انتهى كلامه. اس کی اس گفتگو کا مجھ سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔ مذاق میں ٹلانا پڑا البتہ اس وقت سے ایک کھٹک سی دل میں ہے۔

جواب: یہ تو محض ایک نکتہ تھا جو خود موقوف ہے پاؤں کے ممسوح ہونے کے ثبوت پر۔ پھر اس کے ثبوت کو اس نکتہ پر مبنی کرنا دَور صریح ہے۔ کیا اس استلزام کی کوئی

دلیل ہے کہ ساقط ہونا مستلزم ہے ممسوحیت کو۔ تعجب ہے ایسے صریح تحکم سے آپ متاثر ہو گئے۔ (بوادر النوادر ج:۱ ص:۱۰۴)

اعلان (۱) مدح صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) ہر گاہ سبب تبرا شود

(سوال منقول نہیں مگر عنوان جواب سے ظاہر ہے)

الجواب: روی البخاری فی کتاب التفسیر بسنده عن ابن عباس (رضی الله تعالیٰ عنهما) فی قوله تعالی "ولا تجهر بصلاتک ولا تخافت بها" قال: نزلت ورسول الله ﷺ مختف بمکة کان اذا صلی بأصحابه رفع صوته بالقرآن فاذا سمع المشرکون سبوا القرآن ومن انزله ومن جاء به فقال الله تعالی لنبیه ﷺ ولا تجهر بصلاتک ای بقراء تک فیسمع المشرکون فیسبوا القرآن ولا تخافت بها عن اصحابک فلا تسمعهم وابتغ بین ذلک سبیلا.

ترجمہ: بخاری نے کتاب التفسیر میں اپنی سند سے ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے بارے میں روایت کیا ہے "اور اپنی نماز میں نہ تو بہت پکار کر پڑھئے اور نہ بالکل چپکے چپکے ہی پڑھئے بلکہ بین بین ایک طریقہ اختیار کر لیجئے۔" کہ یہ آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ مکہ میں مخفی تھے۔ جب آپ ﷺ اپنے اصحاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کو نماز پڑھاتے اور اپنی آواز کو قرآن کے ساتھ بلند فرماتے تھے (اور) مشرکین سنتے تھے تو قرآن کو اور جس نے قرآن کو نازل کیا (یعنی اللہ تعالیٰ) اور جو اس کو لے کر آتا تھا (یعنی جبریل علیہ السلام) سب کو گالی دیا

---

(۱) صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کی مدح گو کار ثواب ہے لیکن اس کو اعلان سے کرنا کہیں صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کے تبرا کا سبب ہو تو اطلاق درست ہے یا نہیں؟

کرتے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا: اپنی نماز یعنی قرأت کے ساتھ جہر مت کیجئے کہ مشرکین سنیں اور قرآن کو گالی دیں اور نہ اس کو اپنے اصحاب سے ایسا مخفی رکھئے کہ وہ بھی نہ سن پائیں (بلکہ) اس کے بیچ بیچ راستہ تلاش کر لیجئے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود قرآن کا جہر(۱) اور وہ بھی جماعت کی نماز میں کہ امام پر واجب ہے، اگر سبب بن جاوے قرآن کے سب وشتم کا(۲) تو ایسے وقت میں اتنے جہر کی ممانعت ہے کہ سب وشتم کرنے والوں کے کان میں آواز پہنچ جاوے تو مدح صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کا اعلان و جہر کہ فی نفسہ (۳) واجب بھی نہیں، اگر سبب بن جاوے صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) کے سب وشتم کا تو ایسے وقت میں اس کا اتنا جہر کہ سب وشتم کرنے والوں کے کان میں آواز پہنچے، کیسے ممنوع نہ ہوگا۔ (ماہنامہ النور جمادی الاخری ۱۳۶۰ھ)

---

(۱) بلند آواز سے پڑھنا (۲) برا کہنے اور گالیاں دینے کا (۳) بلا کسی خاص ضرورت کے اپنی ذات سے